مترجم

مسٹر جیمس مرفی

وکیل سرکار

میجر الف۔ جے ہیریٹ ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل۔

پہلے روز کی کارروائی

دیوان خاص قلعہ دہلی میں پہلا اجلاس ۲۷۔جنوری ۱۸۵۸ء کو بوقت صبح شروع ہوا۔ پریسیڈنٹ، ممبران، مترجم، وکیل سرکار موجود تھے۔

ملزم محمد بہادر شاہ سابق شاہ دہلی کو لایا گیا۔

اجلاس کے مجتمع کرنے اور لفٹننٹ کرنل ڈاس کو پریسیڈنٹ بنانے کے احکام پیش ہوئے اور پڑھے گئے۔ افسران متعینہ کے نام ملزم کی موجودگی میں پڑھے گئے۔

ملزم سے عدالت کا سوال۔ آپ کو موجودہ ممبران جوری و پریسیڈنٹ کے مقدمہ کی سماعت کرنے میں کوئی اعتراض ہے؟

جواب۔ مجھے کچھ اعتراض نہیں ہے۔

ممبران جوری و پریسیڈنٹ سے حلف لیا گیا۔

گواہان کو عدالت سے چلے جانے کی ہدایت کی گئی۔

فرد قرارداد جرم جو لگائی گئی مندرجہ ذیل ہے۔

فرد قرارداد جرم

اوّل یہ کہ گورنمنٹ ہند کے پنشن خوار ہونے کے باوجود انھوں نے ۱۰ مئی اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان مختلف اوقات میں محمد بخت خاں صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ اور دیگر متعدد اشخاص، ودیسی افسروں اور سپاہیوں کو جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی

فوج کے ملازم تھے۔ غدر اور بغاوت کرنے کی ترغیب اور امداد دی۔

دوم یہ کہ ۱۰؍مئی اور یکم اکتوبر کے درمیان انہوں نے اپنے بیٹے مرزا مغل کو جو گورنمنٹ ہند کی رعایا تھا اور دیگر نامعلوم باشندگان دہلی و ممالک مغربی و شمالی کو جو گورنمنٹ ہند کی رعایا تھے سلطنت کے خلاف ہتھیار اٹھانے میں مدد دی اور سازش کی۔

سوم یہ کہ سلطنت برطانیہ کے رعایا ہونے کے باوجود انہوں نے خود گورنمنٹ کی وفاداری نہیں کی جو کہ ان کا فرض تھا اور دہلی میں ۱۱؍مئی ۱۸۵۷ء یا اس کے قریب قریب اپنے تئیں بادشاہ ہند مشہور کیا۔ اور شہر دہلی پر ناجائز طور سے قبضہ کر لیا اور ۱۰؍مئی تا یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان مرزا مغل اپنے فرزند اور محمد بخت خاں صوبہ دار توپخانہ سے سازش کی اور علم بغاوت بلند کیا۔ برطانیہ عظمیٰ کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہوئے۔ گورنمنٹ برطانیہ کا تختہ الٹ دینے کی غرض سے ہتھیار بند سپاہیوں کو مغویانہ دہلی میں جمع کر کے متذکرہ سلطنت کے خلاف لڑنے کے لیے آمادہ کیا۔

چہارم یہ کہ ۱۶؍مئی ۱۸۵۷ء یا اس کے قریب قریب قلعہ دہلی کے اندر ۴۹ نفر انگریزوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے قتل کرایا یا قتل کرانے میں حصہ لیا۔ ۱۰؍مئی و یکم اکتوبر کے درمیان انگریز افسران و برطانوی رعایا کے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے قتل کرانے میں مدد دی اور قاتلوں سے ملازمت، ترقی اور عہدہ دینے کا وعدہ کیا۔ مزید براں انہوں نے مختلف والیان ریاست کے نام احکام جاری کیے کہ وہ عیسائیوں اور انگریزوں کو اپنی حدود میں جہاں پائیں قتل کریں

بموجب ایکٹ ۱۶؍۱۸۵۷ء اس قسم کا طرز عمل نہایت سنگین جرم ہے۔

فریڈرجے ۔ ہیریٹ میجر — دہلی

ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل و وکیل سرکار — جنوری ۱۸۵۸ء

سوال۔ محمد بہادر شاہ بموجب بیان مذکورہ آیا آپ مجرم ہیں یا نہیں؟

جواب۔ مجرم نہیں ہوں۔

تمام گواہان کو پیش کیا گیا۔

پیروی

وکیل سرکار کا عدالت کو مخاطب کرنا۔

معززین قبل اس کے کہ کوئی کارروائی کی جائے۔ یہ دریافت کر لینا ضروری ہے کہ آیا آپ صاحبان کے روبرو گواہان پیش کئے جائیں جو ثبوت جرم کی شہادت دیں گے؟ اس پر کافی غور کر لیا گیا ہے کہ گذشتہ بغاوت سے تعلق رکھنے والے حالات اگر فرد قرار داد جرم میں نہ بھی شامل ہوں تب بھی یہاں باضابطہ درج کر لئے جائیں۔ کسی گذشتہ تاریخ کو فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ بادشاہ کی زندگی چونکہ ضمانت شدہ محفوظ ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ تفتیش فرد قرار داد جرم کے شامل نہ کی جانی چاہیئے۔ بلکہ ایسے جملہ معاملات مثل خط و کتابت متعلقہ وغیرہ علیحدہ پیش کرنے مناسب ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ آیا عدالت اس حالت میں کہ کوئی خاص الزام موجود نہیں ہے۔ اس خط و کتابت متعلقہ کو داخل کرنے کی مجاز ہے یا نہیں۔ لیکن یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ہر ایک تفتیش جس کا جرم سے تعلق ہو قابل اطمینان اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ملزم کو بھی موقعہ دیا جائے۔ کہ کسی تحریر یا شہادت کے ذریعہ ان الزامات کو جو ان پر قائم کئے گئے ہیں رد کر سکیں۔ میں یہ صلاح دیتا ہوں کہ بہتر ہو گا۔ اگر ان الزامات کو کسی خاص صورت میں مرتب کر لیا جائے۔ تاکہ جرم یا بریت صاف طور پر ثابت ہو سکے۔ میری یہ صلاح پسند کی جا چکی ہے لہٰذا فرد جرائم کو جو میں نے ابھی پڑھی ہے۔ عدالت میں پیش کرتا ہوں۔ لیکن صاف طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ تفتیش کا دائرہ محدود نہیں ہے۔ یعنی صرف ان قائم کردہ جرائم پر جو باقاعدہ اجلاس میں پیش کئے جا چکے ہیں اکتفا نہیں ہو گی۔

وہ خط جو میں نے سرکاری طور پر میجر جنرل ہینی سی۔ بی کمانڈنگ ڈویژن

کو لکھا تھا جس میں ملزم کے خلاف جرائم کی تفتیش کا ذکر تھا۔ اور جسے ممدوح نے بہت پسند کیا تھا۔ میں اب عدالت میں پیش کرتا ہوں۔

نمبر ۵۹

دہلی جنوری ۵ ۱۸۵۸ء

جناب میں آپ کی آگاہی کے لئے اطلاع دیتا ہوں کہ راجہ بلب گڑھ کے مقدمہ کی تجویز ختم کر چکنے کے بعد میں تیار رہوں یہ تفتیش کرنے کے لئے کہ آیا محمد بہادر شاہ سابق بادشاہ دہلی بھی بغاوت میں شامل تھے۔ یا نہیں؛ ایسی تفتیش کو قابل اطمینان بنانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقدمہ کی صورت اختیار کرے۔ یعنی بادشاہ پر الزامات قائم کئے جائیں اور انہیں پیروی کرنے کے لئے کہا جائے میرے خیال میں کسی دوسرے طریقے سے بادشاہ کا جرم یا بریت ثابت نہیں ہوسکتی اور ہر دوسرے طریقہ کا فیصلہ بے انصافی اور ایک طرفہ کارروائی کے الزام سے بری نہ ہوسکے گا۔ اگر کسی امر واقعہ پر جو تفتیش میں آئے یا ملے فیصلہ کیا جائے۔ تو بہت ہی موزوں ہو گا۔ کہ مقدمہ کے دونوں رُخ سنے اور سمجھے جائیں ایسا فیصلہ خواہ وہ سزا کا ہو یا بریت کا، موافق ہو یا مخالف مستند اور قطعی فیصلہ تسلیم کیا جائیگا۔ لہذا میں مشورہ دیتا ہوں کہ یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ کیونکہ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے عدالت۔ ملزم۔ اور عوام کسی اطمینان بخش نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں اگر آپ نے میری رائے کی تائید کی تو میں فی الفور فرد جرائم تیار کروں گا۔ جس کی بنا پر سابق بادشاہ دہلی ماخوذ کئے جاسکتے ہیں۔ اس کی ترتیب میں وہی طریقہ برتوں گا جو عام طور سے ایسی حالت میں برتا جاتا ہے۔

صلاح کا طالب آپ کا نیازمند

فریڈرج ہیریٹ میجر۔ ڈپٹی ایڈوکیٹ جنرل

اس پر یہ حکم لکھا گیا۔

میں ڈپٹی جج ایڈوکیٹ کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔

این پینی میجر جنرل
کمانڈنگ دہلی فیلڈ فورس۔

یہ خط مسٹر سانڈرس قائم مقام کمشنر دہلی کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔ اور یہ قرار پایا کہ اس صلاح پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ فرد قرار داد جرم تیار کی گئی۔ اور مقدمہ باضابطہ شروع ہو گیا لیکن پھر بھی وہ پہلا خیال کہ بغاوت سے تعلق رکھنے والے تمام معاملات کی تفتیش پوری طرح کی جائے۔ ترک نہیں کیا گیا۔ اس بات کا ذکر یہاں کرنے سے میرا منشا یہ ہے کہ ان واقعات کو بھی شامل کر لیا جائے۔ جو ظاہرا بے علاقہ معلوم ہونگے اس افتتاحی بیان کو ختم کرنے کے بعد میں مقدمہ ہذا کے متعلق کچھ الفاظ کہتا ہوں۔ جو یقیناً بجائے خود اثبات جرم ہیں۔

بلحاظ ملزم کے مرتبہ کے۔ اور پولیٹکل نقطۂ نظر سے ان کے عروج و زوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ مقدمہ معمولی مقدمہ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحات پر محفوظ رہنے والا معاملہ ہے۔ مقدمہ حقیقتاً اہم اور نادر ہے۔ حالانکہ اسکا خاتمہ ایک فیصلہ پر ہوگا تاہم وہ فیصلہ ہزارہا لوگوں کی نظر سے گذریگا اور لوگ اسے ایسے جذبات سے دیکھیں گے جن سے کوئی اور فوجداری کا مقدمہ نہ دیکھا گیا ہوگا۔

ذیل میں خط نمبر ۹ امورخہ ۲۶۔ نومبر ۱۸۵۷ء سے اقتباس [illegible] گیا ہے جو سانڈرس قائم مقام کمشنر دہلی نے میجر جنرل پینی سی۔ بی کمانڈنگ دہلی فیلڈ فورس کو تحریر کیا تھا۔ جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ عدالت کے اختیارات کیوں صرف فیصلہ ہی تک محدود کئے گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ میجر جنرل ولسن نے ملزم سے وعدہ کر لیا تھا کہ تمہیں سزائے موت نہ دی جائے گی۔ مسٹر سانڈرس کا خط بموجب ہدایت

سر جان لارنس لکھا گیا ہے اور اس کے اقتباس درج ذیل ہیں۔

میں ساتھ ہی ساتھ آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ بادشاہ سابق کی زندگی کا کپتان ہڈسن نے ذمہ لے لیا ہے اور یہ میجر جنرل ولسن کی ہدایت کے بموجب کیا گیا ہے۔ پس فوجی کمیشن کو مجاز نہ ہوگا۔ کہ ان پر کوئی سزا مقرر کرے۔ یا اپنی تحقیقات کی بنا پر تجویز جرم کرے۔

میں مقدمہ ہذا کے متعلق تحریری شہادات جو مجھے دستیاب ہوسکیں پیش کرتا ہوں اور ہر وقت اپنے مقدور بھر امداد دینے و گواہان کو بہم پہونچانے کے لئے موجود ہوں۔

میرے پاس ورنیکلر تحریری شہادت ہے جسے مسٹر جمیس مرفی ڈپٹی کلکٹر محصول سرکاری دہلی نے مزید احتیاط سے ترجمہ کیا ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کے زبان داں ہیں۔ اور اگر آپ منظور فرماویں تو وہ خود کو آپ کی مرضی کے موافق بطور مترجم پیش کرسکتے ہیں۔

تحریری شہادت بہت لمبی چوڑی ہے۔ اور اسے حتی الامکان مختصر کرنے کے لئے پانچ حصوں میں منقسم کیا ہے۔ اول۔ کاغذات متفرقہ۔ دوم وہ جن میں قرض کا بیان ہے۔ سوم۔ وہ جن میں سپاہیوں کی تنخواہ کا مذکور ہے چہارم میں تمام فوجی معاملات کا ذکر ہے۔ اور پنجم وہ جس میں واردات قتل کا حال ہے اور یہ خاص طور سے چہارم سے علاقہ رکھتا ہے۔

اس تحریری شہادت کے کثیر حصے کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ خود ملزم کے لکھے ہوئے احکام ہیں اور اس کی گرفت کے لئے گواہی طلب کیجائے گی۔ دیگر کاغذات کی بھی اسی طور سے ترتیب دی جائے گی۔ یا جیسا صورت حالات کے مناسب ہوگا کیا جائے گا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ چند کاغذات ایسے

بھی آپ کے روبرو پیش کئے جائیں گے۔ جن کا کوئی بین ثبوت نہ ہوگا۔ کہ وہ کہاں سے آئے اور جن کی طرف یہ منسوب ہیں وہ کون ہیں۔ اس صورت میں عدالت کو خیال ہوگا کہ پوری تحقیقات نہایت ضروری ہے اور یہ کبھی پوری نہ ہو سکے گی اگر شہادت جو بجائے خود معتبر ہو صرف اس وجہ سے کہ خفیف ضابطہ سے منطبق نہیں ہو سکی رد کر دی جائے۔ آپ ان مشکلات کو پیش نظر رکھیں گے جو کسی تحریر کے اثبات میں حائل ہو جاتی ہیں اور جبکہ منسوب الیہ انکار کی کافی وجوہات رکھتا ہے کہ وہ تحریر اس کی لکھی ہوئی نہیں ہیں اور اسے ملزم سے کوئی تعلق نہیں۔ زبانی شہادت پر مجھے اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں وہ معتمد ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن یہ ذہن نشین ہو جانا چاہئے کہ ہر ہندوستانی جلسے میں بطور گواہ کے عدالت میں پیش کروں گا۔ وہ ضرور اپنے اظہار کو مفید مطلب بنانے کے لئے کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل کرے گا۔ اور غدر کے ان مستند واقعات کی موافقت نہ کرے گا۔ جن کا ہمیں اول ہی سے علم ہے۔ میں اب تحریری شہادت سے شروع کرتا ہوں۔ اور پہلی شہادت تحریری ملزم و نیز ان افراد کی جو بغاوت میں شریک تھے۔ ثبوت استغاثہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔

الف جے۔ ہیرٹ میجر
ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل و وکیل سرکار

(یہاں وکیل سرکار نے نہایت دلچسپ خطوط عدالت کے سامنے پیش کئے جن میں بعض بہادر شاہ کے نام ان کے امراء، رعایا، افسران فوج وغیرہ کے ہیں اور بعض خود بادشاہ کے مذکورہ لوگوں کے نام ہیں اکثر خطوط پر خود بادشاہ کی تحریریں اور دستخط موجود بیان کئے گئے تھے۔ میں نے ان خطوط کو علیحدہ چھپوایا ہے ورنہ یہ کتاب،

بہت طویل ہو جاتی۔ حسن نظامی)

پہلے گواہ احسن اللہ خاں طبیب۔ سابق شاہ ہند کو عدالت میں طلب
کیا گیا۔ اور انہوں نے اظہار دیا۔ جج ایڈوکیٹ نے سوالات کئے۔ کاغذات متعلقہ
کی ضمن میں نمبر ۲ و ۳ و ۴ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۴ و ۲۷ و ۳۰
۳۳ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۸ و ۵۰ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ گواہ کو دکھائے
گئے ان کا بیان ہے کہ ہر ایک کی پیشانی پر لکھے ہوئے احکام خود ملزم کے ہاتھ کے
ہیں (یہ سب نمبر انہی خطوط کے ہیں جو مقدمہ ہذا کی شہادت میں پیش ہوئے ا
میں نے ان کو علیحدہ کتاب میں شائع کیا ہے۔ حسن نظامی)

یہ بھی گواہ کو دکھائے گئے۔ نمبر ۲۶ و ۱۵ و ۱۸ و ۲۵ و ۲۶ و ۳۱ و ۳۲
و ۳۵ و ۳۶ و ۴۵۔ گواہ دستخط کو جانتے ہیں۔ خود ملزم کی ہے۔

کاغذات نمبر ۵ و ۱۶ و ۲۹ و ۳۴ اور ۳۸ دکھلائے جاتے ہیں۔ گواہ کا
بیان ہے کہ یہ سب مکندلال کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں جو ملزم کا اسپیشل سکریٹری تھا
اور یہ کہ ان میں سے تین یعنی ۵۔ ۱۶۔ اور ۳۴ پر مہر شاہی ثبت ہے۔

کاغذات نمبر ۱۲، ۲۳، ۲۸، ۳۷، ۴۲، ۴۶، ۴۷، ۵۱، اور ۵۵
گواہ کو دکھائے جاتے ہیں۔ گواہ ان میں سے کسی کا بھی خط نہیں پہچانتے لیکن کہتے ہیں
کہ نمبر ۲۳ پر جو مہر ثبت ہے وہ مرزا مغل کمانڈر انچیف کی ہے نمبر ۳۷ پر چیف پولیس آفیسر
اور چیف کورٹ دہلی کی مہر ہے اور نمبر ۴۲ پر پولیس اسٹیشن بدر پور کے اور بادشاہ
کے خاص سکرٹری کی اور ۴۶ پر مرزا مغل کی مہر منقش ہے اس کے سوا وہ کچھ
نہیں پہچان سکتے۔

کاغذات نمبر ۱، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۷، اور ۴۹ گواہ کو دکھائے جا
ہیں۔ ان تمام آٹھ کاغذات کی مہریں کاغذ نمبر ۱۰ کی مہر دیکھکر پہچان جاتے ہیں

بادشاہ کے دستخط ان پر ہیں اور مکند لال ملزم کے اسپیشل سکرٹری کی مہر ہے، نمبر ۵۶ گواہ کو دکھایا جاتا ہے۔ اسے وہ مکند لال کی تحریر بتاتے ہیں اور بادشاہ کی خاص مہر شاہی ثبت ہے۔

جج ایڈووکیٹ پھر متذکرہ کاغذات کا ترجمہ نمبر ۶۳ تک پڑھتا ہے۔

اب ڈھائی بج گئے ملزم پیشی بڑھانے کی درخواست کرتے ہیں۔ عدالت دوسرے روز گیارہ بجے تک کے لئے مقدمہ ملتوی کر دیتی ہے۔

دوسرے روز کی کارروائی

جمعرات ۲۸۔ جنوری ۱۸۵۸ء

آج پھر عدالت بوقت گیارہ بجے صبح قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں منعقد ہوئی پریسیڈنٹ ممبران مترجم اور ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم عدالت میں حاضر کئے گئے۔

حکیم احسن اللہ خاں عدالت میں طلب کئے گئے۔ اور گذشتہ تصدیق کی یاد دہانی کی گئی۔

اس ملزم استدعا کرتے ہیں کہ ایک قانون پیشہ غلام عباس نامی ان کی طرف سے عدالت میں باریاب کیا جائے تا انہیں قانونی مدد دے سکے۔

عدالت منظور کرتی ہے اور غلام عباس اپنے مقام پر بلا لیا جاتا ہے۔

پھر مترجم اصلی کاغذات کو پڑھتا ہے جس کا ترجمہ جج ایڈووکیٹ نے کل پڑھا تھا اور ملزم کے مددگار کو سمجھایا جاتا ہے کہ کل گواہ نے ہر ایک کاغذ کی کیسی شہادت دی۔ جب مترجم اصلی فارسی کاغذات کو نمبر ۶۳ تک پڑھ چکتا ہے، تو جج ایڈووکیٹ نمبر ۶۵ تک انگریزی ترجمہ پڑھتا ہے۔

ملزم پر غشی کی حالت طاری ہوگئی۔ لہٰذا عدالت دو بجکر بیس منٹ دوسرے روز گیارہ بجے تک کے لئے برخاست کی گئی۔

تیسرے روز کی کارروائی

یوم جمعہ۔ ۲۹۔ جنوری ۱۸۵۸ء

عدالت گیارہ بجے دیوان خاص، واقع قلعہ دہلی میں منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ۔ ممبران۔ مترجم۔ جج۔ ایڈوکیٹ سب موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں لائے گئے اور غلام عباس مختار بھی موجود تھا۔

مترجم نمبر ۶ تا ۵ تک اصلی فارسی کاغذات پڑھتا ہے کل جن کو جج ایڈوکیٹ انگریزی میں پڑھ کر سنایا تھا۔ وکیل غلام عباس گواہ کی حیثیت سے اظہار دیتا ہے۔

جج ایڈوکیٹ اظہار لیتا ہے

سوال۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو جب باغی فوجیں میرٹھ سے آئی تھیں۔ تم کہاں تھے؟

جواب۔ میں اس دیوان خاص میں تھا۔

سوال۔ تم نے جو کچھ اس موقعہ پر دیکھا ہو بیان کرو؟

جواب۔ ۸ بجے صبح پانچ یا چھ سواروں کی آمد سنی گئی۔ اور وہ بادشاہ کی نشست گاہ کے باہر تھے۔ پہلے انہوں نے بہت زور زور سے چلانا شروع کیا جس پر بادشاہ نے اپنے غلاموں کو دیکھنے کے لئے کہا کہ کون لوگ شور مچاتے ہیں۔ ایک غلام برآمدہ میں آیا اور سواروں سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے رہنے کے بعد بادشاہ کے پاس واپس چلا گیا مجھے نہیں معلوم کہ اس نے بادشاہ سے جاکر کیا کہا۔ مگر اسی وقت بادشاہ نشست گاہ سے ملے ہوئے دوسرے کمرے میں آئے اور مجھے طلب کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا یہ سوار میرٹھ میں بغاوت پھیلا کر چلے آرہے ہیں اور اب چاہتے ہیں کہ مذہب

کی حمایت میں انگریزوں سے لڑیں اور انہیں قتل کریں پھر مجھے فی الفور کپتان ڈگلس
کے پاس جانے کی ہدایت کی اور کہا کہ انہیں سب حال بتا دینا اور انتظام کے
لئے درخواست کرنا۔ بعدہ اپنے کسی شاہی خدمتگار سے کہکر دروازہ بند کرالیا حسب الحکم
میں کپتان ڈگلس کے پاس گیا اور پیام سنا دیا۔ کپتان ڈگلس سنتے ہی میرے ہمراہ ہو لئے
اور کہا کہ کیا معاملہ ہے؟ خیر سمجھ لونگا" پھر وہ اسی دیوان خاص میں آئے اور بادشاہ بھی
ان سے ملنے کے لئے آ گئے۔ بادشاہ میں اس وقت خاصی طاقت تھی اور بدوں کسی کے
سہارا لئے صرف لکڑی ٹیکتے ہوئے آ گئے تھے۔ پھر انہوں نے کپتان ڈگلس سے دریافت
کیا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ کیا معاملہ ہے؟ یہ فوجی سوار آئے ہیں اور اپنی حسب منشاء
کارروائی بہت جلد شروع کرنا چاہتے ہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں اور میں اسوقت
موجود تھے۔ کپتان ڈگلس نے درخواست کی کہ نشست گاہ کا دروازہ کھلوا دیجئے۔
تاکہ میں ان سواروں سے دوبدو گفتگو کر سکوں۔ بادشاہ نے کہا کہ میں ایسا نہ کرنے
دونگا۔ کیونکہ وہ لوگ قاتل ہیں اور مبادا تمہارے ساتھ ہی کوئی خراب برتاؤ نہ کر بیٹھیں
کپتان ڈگلس نے پھر دروازہ کھلوانے کے لئے اصرار کیا۔ مگر بادشاہ اس پر رضامند نہیں ہوئے
اور کپتان ڈگلس کا ہاتھ تھام کر کہا کہ میں تمہیں جانے نہ دونگا۔ اسی وقت حکیم احسن اللہ
خاں نے دوسرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ اگر آپ کو بات چیت ہی کرنی ہے تو برآمدہ میں سے
کر لیجئے۔ چنانچہ کپتان ڈگلس دیوان خاص اور کمرہ شاہی کے درمیانی کٹھرہ میں آئے
اور اس جگہ کو دیکھنے لگے۔ جہاں وہ تمام سوار جمع ہو رہے تھے۔ میں بھی کپتان ڈگلس کے
ہمراہ کٹھرہ میں گیا۔ وہاں تیس چالیس سوار نیچے کھڑے نظر آئے جن میں سے بعض کے
پاس برہنہ تلواریں تھیں اور بعض پستولیں اور کارتوس ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اور کئی
ایک ... کی طرف سے چلے آ رہے تھے ان کے ہمراہ پیدل بھی تھے جو شاید سائیس تھے
جن کے سروں پر گٹھریاں تھیں۔ کپتان ڈگلس نے سواروں کو للکار کر کہا ادھر نہ آنا

یہ شاہی بیگمات کے کمرے ہیں۔ تم ان کے پاس کھڑے ہوکر بادشاہ کی بیعزتی کرتے
ہو۔ یہ سنتے ہی وہ سب ایک ایک کرکے راج گھاٹ کے پھاٹک سے چلے گئے۔ ان کے
جانے کے بعد کپتان ڈگلس بادشاہ کے پاس پھر حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے قلعہ اور شہر
کے دروازے بند کرنے کے لئے کہا تاکہ باغی اندر نہ داخل ہوسکیں۔ کپتان ڈگلس نے
بادشاہ کو اطمینان دلایا کہ خوف کی کوئی بات نہیں ہے اور ان کا فرض ہے کہ خاطر خواہ
انتظام کریں۔ یہ کہکر کپتان ڈگلس چلے گئے اور بادشاہ اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے
میں اور حکیم احسن اللہ خاں دونوں یہاں دیوان خاص میں آکر بیٹھ گئے۔ اس
کمرہ میں ہمیں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ گزرا ہوگا کہ کپتان ڈگلس کا خدمتگار ایک رقعہ
لئے دوڑتا آیا جس میں حکیم احسن اللہ خاں کو طلب کیا گیا تھا احسن اللہ خاں کے کہنے
سے میں بھی ان کے ہمراہ ہولیا۔ جو شخص ہمیں لینے کے لئے آیا تھا کہنے لگا کہ کپتان ڈگلس
اسوقت کلیدخانہ میں ہیں۔ مگر وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ اپنی قیامگاہ پر چلے گئے ہیں۔ اسی
وقت میں نے شہر کے ایک حصہ موسومہ دریا گنج میں بہت دھواں اٹھتے دیکھا اور راہگیروں
کی زبانی سنا کہ سوار بنگلوں پر فیر کررہے ہیں۔ پھر ہم گشت کرتے ہوئے کپتان ڈگلس کی
جائے رہائش لاہوری دروازہ قلعہ پر پہونچ گئے تو معلوم ہوا کہ تیسرے کمرہ میں جو
درمیانی کمرہ ہے ہمیں مسٹر سیمن فریزر ملے۔ حکیم احسن اللہ خاں کپتان ڈگلس سے
ملنے اندر چلے گئے اور میں مسٹر فریزر کی درخواست پر ان کے ہمراہ واپس ہولیا۔ جو
بادشاہ سے دو توپیں اور چند پیدل سوار کپتان ڈگلس کی قیام گاہ کی حفاظت
کے لئے مانگنے جارہے تھے۔ میں اور مسٹر فریزر سیڑھیوں سے اترآئے انکے ہمراہ ایک
صاحب اور تھے جن کا نام مجھے معلوم نہیں۔ مسٹر فریزر کے پاس ایک تلوار تھی اور
ان کے ہمراہی کے ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے میں بندوق تھی مسٹر فریزر نے
میرے جلد پہونچنے کی خواہش کی گو وہ خود بھی آرہے تھے۔ مگر میں پہلے ہی پہونچ گیا

بادشاہ کے کمرہ میں پہونچکر میں نے انہیں خبر کرائی اور جب وہ باہر آئے تو میں نے مسٹر فریزر کی درخواست گوش گزار کردی۔ بادشاہ نے سنتے ہی تمام فوج کو جو اس وقت حاضر تھی مع ایسے افسروں کے جو میسر آسکیں دو توپیں لے کر فوراً کپتان ڈگلس کے مقام رہائش پر پہونچنے کا حکم دیا۔ اسی وقت حکیم احسن اللہ خاں بھی آگئے انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ کپتان ڈگلس نے دو پالکیوں کے لئے درخواست کی ہے۔ تاکہ ان دو لیڈیوں کو جو ان کے مکان میں مقیم ہیں حرم سرا میں لے جاکر پوشیدہ کر دیا جائے۔ بادشاہ نے حکیم احسن الدخاں سے بندوبست کرنے کے لئے کہا اور مقرب خدمتگاروں کو دو پالکیاں اور ان کے اٹھانے کے لئے معتمد کہاروں کو روانہ کرنے کا حکم دیا۔ اور کہا انہیں سیدھی راہ سے نہ لائیں بلکہ پائیں باغ سے چکر دے کر لائیں تاکہ باغی سواروں کو جو قلعہ میں گھس گئے ہیں یہ نہ معلوم ہونے پائے۔ بادشاہ احکام دے کر اندر کھڑے ہوئے جلدی کی تاکید کر رہے تھے اور حکیم احسن الدخاں ان کے قریب کھڑے ہوئے تھے تھوڑی دیر بعد ایک خدمتگار جو پالکیاں لینے گیا تھا واپس آکر کہنے لگا کہ پالکیاں روانہ کر دی گئی ہیں۔ پالکیوں والے بھی تھوڑے عرصہ بعد پلٹ آئے۔ اور کہا مسٹر فریزر قتل کر دیئے گئے۔ یہ دس بجے سے قبل کا واقعہ ہے حکیم احسن الدخان نے پھر دوسرا آدمی صحیح خبر لانے کے لئے روانہ کیا۔ و نیز یہ کہ کپتان ڈگلس کہاں ہیں وہ لوگ بھی کچھ دیر بعد واپس آئے اور کہا صرف مسٹر فریزر ہی نہیں بلکہ کپتان ڈگلس اور ان کی ہمراہی لیڈیاں سب قتل کر ڈالے گئے۔ بادشاہ تو یہ سن کر اندر چلے گئے مگر میں حکیم احسن الدخاں کے ہمراہ نہایت سراسیمہ ہو کر دیوان خاص کے کمرہ میں چلا آیا۔ فوراً بعد ہی پیدل سپاہ کے دونوں دستے جو قلعہ کے پھاٹکوں پر متعین تھے۔ میرٹھ کے باغی سواروں کو ہمراہ لئے ہوئے دیوان خاص میں داخل ہوئے۔ جہاں ان لوگوں نے بندوقیں اور پستول ہوا میں فیر کئے۔ اور ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔

بادشاہ شور غل سن کر اندر سے نکل آئے۔ اور دیوان خاص کے دروازے پر کھڑے ہوکر اپنے خدمتگاروں سے کہا۔ لوگوں کو شور مچانے سے منع کرو اور سپاہیوں کو آگے آنے کے لئے کہو۔ پھر شور فرو ہوگیا اور افسر سوار بدستور گھوڑوں پر چڑھے ہوئے بادشاہ کے پاس چلے آئے اور کہا وہ چاہتے ہیں کہ کارتوسوں کا استعمال یک لخت مسترد کر دیا جائے۔ جو ہندو اور مسلمان دونوں مذہب کے خلاف ہیں کیونکہ ان میں سور اور گائے کی چربی ہے۔ اور انہوں نے حال ہی میں میرٹھ کے تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا ہے۔ اور اب بادشاہ سے امداد طلب کرتے ہیں بادشاہ نے جواب دیا میں نے تمہیں طلب نہیں کیا تھا۔ یہ تم نے بڑی بدذاتی کا کام کیا اس پر ایک سو یا دو سو کے قریب پیدل جو میرٹھ سے آگئے تھے۔ آگے بڑھے اور دیوان خاص میں داخل ہوگئے۔ اور کہا تاوقتیکہ حضور بادشاہ ہم میں شامل نہ ہوں ہم مردہ لوگ ہیں اور کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ پھر بادشاہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور سپاہی۔ سوار۔ افسر یکے بعد دیگرے آتے گئے۔ اور زمین بوس ہوکر بادشاہ کو اپنا ہاتھ ان کے سروں پر رکھنے کے لئے درخواست کی۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اور وہ لوگ جو دل میں آیا کہتے رہے اور جب بہت اژدہام ہوگیا۔ تو میں وہاں سے چلا گیا۔ اسوقت خوب شور و ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ اور سب لوگ متفق ہوکر بلند آواز سے چلا رہے تھے۔ بعدہ بادشاہ اپنے کمرۂ خاص میں چلے گئے اور سواروں نے صحن میں گھوڑے باندھ کر اور تمام باغی سپاہ نے دیوان عام میں اپنے بستر کھول کر بچھا دیئے قلعہ کے چاروں طرف پہرہ تعینات کر دیا گیا اور میں حکیم احسن اللہ خاں کے کمرہ میں جاکر لیٹ گیا۔ شام کو چار یا چار بجے کے بعد بہت شور و غل سنا اور باہر نکل کر دیکھا تو میگزین کی طرف سے بہت گرد و غبار اٹھتا ہوا نظر آیا۔ اسی وقت یہ معلوم ہوا کہ باغیوں نے میگزین پر حملہ کیا ہے۔ لیکن بعد میں بتا

باغیوں نے انگریز مرد و عورت اور بچے ساٹھ آٹھ کی تعداد میں گرفتار کرلئے ہیں۔ اور انہیں قتل کرنے کے لئے بادشاہ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ مگر بادشاہ نے کہا کہ ان قیدیوں کو مجھے دیدو میں انہیں حفاظت سے رکھوں گا انہوں نے اس شرط پر قیدیوں کو بادشاہ کے حوالے کیا کہ گارد کے سپاہی باغیوں میں سے مامور کئے جائینگے اس پر بادشاہ نے انہیں کمرہ میں مقید کردیا اور حکم نافذ کیا کہ قیدیوں کیلئے کھانا باقاعدہ طور پر بادشاہ کے خرچ سے مہیا کیا جائے۔ غروب آفتاب کے بعد میں ارادہ کر رہا تھا کہ شہر میں اپنے مکان کو جاؤں اور جب دیوان عام کے صحن میں پہنچا۔ تو میں نے وہاں دہلی رجمنٹ کے بہت سے سپاہی موجود پائے میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو سیدھا مکان کو چلا گیا۔ دوسرے روز صبح کو جب میں قلعہ میں آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ توپوں کی آواز جو میں نے دس یا گیارہ بجے شب کو سنی تھی وہ ہندوستانی توپ خانہ دہلی نے بادشاہ کی سلامی میں داغی تھیں۔ مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ نے عنان حکومت دوبارہ اپنے ہاتھ میں لی ہے یا کچھ اور؟ تب میں دیوان خاص میں آیا۔ اور حکیم احسن اللہ خاں سے ملکر دریافت کیا کہ آیا بادشاہ نے اس بدامنی کو فرو کرنے کی کوئی تدبیر کی ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ نے ایک خط لفٹنٹ گورنر آگرہ کو اس مضمون کا بذریعہ سانڈنی سوار روانہ کیا ہے پندرہ روز کے بعد پھر میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس خط کا کوئی جواب آیا یا نہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ سوار تو واپس آگیا ہے لیکن نہ جواب لایا اور نہ رسید لایا وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خط پہونچا دیا۔ اور اس کا جواب پندرہ روز کے بعد آئے گا پہلے دن کے واقعہ کے بعد میں نے قلعہ جانا چھوڑ دیا۔ چوتھے پانچویں روز کبھی کبھی چلا جاتا تھا۔ اور بادشاہ کو سلام کرکے واپس آجاتا تھا۔ بعد کے واقعات کی نسبت میں کچھ نہیں جانتا۔

سوال: تم نے یہ بھی سنا کہ مسٹر فریزر کو کس نے قتل کیا؟ کیا بادشاہ کے ملازموں نے

کیا تھا یا کسی اور نے۔

جواب۔ اس وقت تو یہ مشہور تھا کہ سپاہیوں نے ولبہ کیا اور مسٹر فریزر بلوہ میں مارے گئے لیکن بعد میں میں نے یہ سنا کہ انہیں ایک لوہار نے قتل کیا ہے۔ جس کی دوکان کپتان ڈگلس کے مکان کے نیچے بازار میں واقع ہے۔ لیکن میں نہیں بتا سکتا کہ اب وہ کہاں ہے یا اس کا کیا نام ہے۔

سوال۔ بادشاہ کا دیسی افسروں کے سر پر ہاتھ رکھنا کیا معنی رکھتا ہے اس سے ان کی خدمات کا قبول کرنا مدنظر تھا؟

جواب۔ قریب قریب ایسا ہی تھا لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت بادشاہ کے کیا خیالات تھے۔

سوال۔ بادشاہ کا اقتدار کب دہلی میں مشتہر کیا گیا یا بادشاہ کا عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لینا کب عام طور پر مشہور ہوا تھا؟

جواب۔ مجھے معلوم نہیں کہ کوئی باقاعدہ تشہیر اس امر کی کی گئی تھی یا نہیں۔ ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو اور میں نے نہ سنا ہو لیکن بادشاہ کا اقتدار غدر ہی کے روز سے قائم ہو گیا تھا۔

سوال۔ کیا اسی وجہ سے توپوں کی سلامی دی گئی تھی؟

جواب۔ میں یہ نہیں جانتا۔ میں نے توپوں کی آواز سنی جو بطور سلامی داغی گئی تھیں کہ وہ لوگ بادشاہ کے زیر حکم ہو گئے ہیں۔

سوال۔ تمہیں یاد ہے کتنی توپیں داغی گئی تھیں؟

جواب۔ عام طور پر شاہی سلامی میں اکیس توپیں داغی جاتی ہیں میرے خیال میں شاید اتنی ہی داغی گئی ہونگی۔

سوال۔ بادشاہ نے سب سے پہلا دربار عام کس روز منعقد کیا تھا؟

جواب۔ انہوں نے غدر کے پہلے ہی روز سے دربار منعقد کرنا شروع کر دیا تھا اور فوجی سواروں کو پہلے بار یاب کیا تھا وہی پہلا دربار سمجھا جا سکتا ہے۔

سوال۔ غدر سے پہلے بادشاہ اور ان کے خاندان میں کیا تم اکثر رہا کرتے۔ اور ان سے ملتے جلتے تھے؟

جواب۔ میں روزمرہ قلعہ آیا کرتا تھا۔ اور لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ سے جو خط و کتابت ہوتی وہ میرے ہی معرفت ہوتی تھی۔ میں بادشاہ کا ملازم تھا۔ اور میرا تقرر سر تھیوفلس مٹکاف کے اثر اور ذریعہ سے ہوا تھا۔

سوال۔ کیا تمہیں یہ جاننے کا موقعہ ملتا تھا کہ قلعہ میں کیا ہوا کرتا ہے یا اس گفتگو کا جو غدر سے پہلے ہوا کرتی تھی؟

جواب۔ مجھے یہ مواقع حاصل تھے مگر میں نے کبھی کوئی خاص بات نہیں سنی۔

سوال۔ کیا تم پر بادشاہ اور ان کے مقربین کو اتنا اعتماد تھا کہ وہ ان رازکی باتوں یا تدابیر کو جو گورنمنٹ برطانیہ سے چھپانا چاہتے ہوں تم پر ظاہر کر دیں؟

جواب۔ میرا شمار ان لوگوں میں نہ تھا۔ جن سے ایسے معاملات کے متعلق رائے لی جاتی یا آگاہی کی جاتی تھی۔ البتہ حکیم احسن اللہ خاں و محبوب علی خاں زیادہ معتمد سمجھے جاتے تھے۔

عدالت بوقت چار بجے دوسرے روز گیارہ بجے تک کے لئے برخاست ہو گئی۔

چوتھے روز کی کارروائی

یوم سنیچر۔ ۳۰۔ جنوری ۱۸۵۸ء

عدالت آج گیارہ بجے پھر منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ۔ ممبران۔ مترجم۔ ڈپٹی جج۔ ایڈوکیٹ جنرل سب موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں لائے گئے۔

غلام عباس گواہ پھر طلب کئے گئے اور گذشتہ بیان کے سلسلہ میں اظہار لیا گیا۔

جج ایڈوکیٹ اظہار لیتے ہیں

سوال۔ کیا تمہیں غدر سے پہلے ملزم کے خطوط دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے؟

جواب۔ جی ہاں میں نے بارہا دیکھے ہیں اور اب بھی ان کا خط پہچان سکتا ہوں۔

سوال۔ جو کاغذات عدالت میں پیش کئے گئے ہیں۔ اور ملزم کے خود تحریر کردہ ہیں۔ نیز ان پر مہر شاہی ثبت ہے۔ کیا تمہیں ان کے اصلی ہونے میں شبہ ہے؟

جواب۔ کاغذات علی العموم بادشاہ کے ہاتھ کے ہیں اور شاید دو کاغذوں پر شبہ ہے

سوال۔ جب انگریز عورتیں اور بچے قلعہ میں قتل کئے گئے کیا تم اسوقت موجود تھے؟

جواب۔ جی نہیں۔ میں قلعہ میں موجود نہیں تھا۔ لیکن بعد میں سُنا کہ کچھ لوگ قتل کئے گئے ہیں۔

سوال۔ تمہیں معلوم ہے انہیں کس نے قتل کیا؟ کیا بلوائیوں میں سے کوئی تھا، یا بادشاہ کے خاص ملازموں نے ان کو قتل کیا تھا؟

جواب۔ میں یقینی کچھ نہیں بتا سکتا۔ البتہ دو یا تین روز بعد جب میں قلعہ میں آیا۔ اور حکیم احسن اللہ خاں سے دریافت کیا کہ کیوں انھوں نے موقع واردات لوگوں کو اس فعل سے باز نہیں رکھا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا کرتا رہا لیکن باغی باز رہنے والے نہیں تھے۔

سوال۔ کیا حکیم احسن اللہ خاں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ موقع واردات پر موجود تھے؟

جواب۔ نہیں انہوں نے صاف ظاہر نہیں کیا کہ آیا وہ وہاں موجود تھے یا نہیں،

سوال۔ اس واردات میں کتنے انگریز قتل کئے گئے تھے؟

جواب ۔ پہلے مجھے تعداد معلوم نہیں تھی۔ یا ممکن ہے معلوم ہو۔ اور بھول گیا ہوں لیکن ابھی گذشتہ دس بارہ روز میں معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ لوگ تعداد میں مع عورتوں اور بچوں کے پچاس تھے۔

سوال ۔ کیا ملزم کے ایما سے یہ لوگ قتل کئے گئے؟

جواب ۔ میں اس معاملہ میں زیادہ کچھ نہیں جانتا ۔ جو کچھ حکیم احسن اللہ خاں سے سنا ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہ نے قتل کرنے سے منع کیا تھا مگر انکی خلاف مرضی ایسا کیا گیا۔

سوال ۔ تمہیں معلوم ہے غدر کے زمانہ میں ملازم ڈائری (روزنامچہ) لکھتا تھا۔ اگر ایسا ہے تو وہ کون شخص تھا؟

جواب ۔ مجھے معلوم نہیں اسوقت ڈائری تھی یا نہیں مگر غدر کے پیشتر البتہ ڈائری تھی ۔

سوال ۔ کیا مرزا مغل دہلی کی باغی افواج کے کمانڈر انچیف مقرر کئے گئے تھے اور اگر کئے گئے تھے تو کب اور کس نے کیا تھا؟

جواب ۔ مرزا مغل بیشک فوجوں کے کمانڈران چیف مقرر ہوئے تھے اور عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فوجوں کے کہنے سے کیا تھا۔

سوال ۔ غدر سے پہلے ہندوستانی فوج کی نارا ضگی کی بابت تم نے کچھ سنا تھا؟

جواب ۔ جی ہاں میں نے سنا کہ مچرب کارتوسوں کے استعمال کی وجہ سے کلکتہ میں دو رجمنٹوں نے بغاوت کی تھی اور پھر وہ منتشر کر دی گئیں۔

سوال ۔ غدر سے پہلے تم نے سنا کہ دہلی کی رجمنٹوں کو کسی طرح بھی بدل کیا گیا؟

جواب ۔ نہیں۔

عدالت نے اظہار لئے

سوال ۔ انگریزوں کے قتل کے بعد کیا تم نے ان کی لاشیں ۔ خون یا اور کوئی نشان دیکھا جس سے معلوم ہو کہ وہ قتل کئے گئے ہیں؟

جواب۔ میں نے یہ کچھ نہیں دیکھا۔

سوال۔ کیا تمہیں وہ جگہ معلوم ہے جہاں پہ عورتیں بچے وغیرہ قتل کئے گئے؟

جواب۔ میں نے سنا ہے کہ وہ صحن میں قتل کئے گئے جو لاہوری دروازے سے قلعہ میں داخل ہوتے ہوئے ملتا ہے اور چبوترہ کے پاس ہی ہے مگر کوئی خاص جگہ نہیں بتا سکتا۔

سوال۔ تمہیں معلوم ہے لاشوں کا کیا حشر ہوا؟

جواب۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان کا کیا حشر ہوا۔ مگر اتنا سنا ہے کہ گاڑیوں میں ڈال کر لے گئے تھے۔

جج ایڈووکیٹ کا مکرر اظہار لینا

سوال۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ انگریز عورتیں اور بچے قتل کئے جانے کے قبل ہی سے قید کر دیئے گئے تھے۔ اگر کئے گئے تھے تو کہاں؟

جواب۔ میں نے سنا ہے کہ وہ قید کر لئے گئے تھے۔ اور انہیں بادشاہ کے باورچی خانے یا اسی کے متعلقہ کمرہ میں بند کیا گیا تھا۔

سوال۔ انہیں کے روز بند رکھا گیا؟

جواب۔ آٹھ یا دس روز۔

سوال۔ غدر کے زمانہ میں ملزم کی مہر شاہی کس کے پاس رہتی تھی؟

جواب۔ وہ ملزم کے خاص کمرہ میں رکھی تھی۔

سوال۔ کیا اس کا استعمال صرف بادشاہ تک محدود تھا؟

جواب۔ مہریں کبھی بادشاہ کے حکم کے بغیر نہیں لگائی جاتی تھیں۔

ملزم سوالات جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ پھر ملزم کے مددگار کی حیثیت سے اپنی جگہ پر جا بیٹھتے ہیں۔

فارسی کے کاغذات ضمن متفرقات میں نمبر ۵ سے ۸ تک جو را جہ

بلب گڑھ کی تجویز مقدمہ میں عدالت کے روبرو صحیح مان لئے گئے تھے اور بدول سی شہادت کے اب پھر صحیح تسلیم کئے گئے اور ان کا ترجمہ پڑھا گیا۔

حکیم احسن اللہ خاں پھر طلب کئے گئے۔ اور گذشتہ بیان کا اظہار لیا گیا۔

کاغذات نمبر ۴۔۵۔۶۔۷۔۸۔۹ ضمن "قرض" میں ترتیب دیگر گواہ کو دکھلائے جاتے ہیں جو بیان کرتے ہیں کہ ان پر ملزم کی مہر خاص ثبت ہے گواہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ سوا نمبر ۶ کے تمام کاغذات مکندلال کے ہاتھ کے ہیں جو ملزم کا سیکریٹری تھا۔

کاغذات نمبر ۱۔۲۔۳۔۱۰۔۱۱۔۱۲۔۱۴۔۱۵۔۱۶ گواہ کو دکھلائے جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ۲۔۳۔اور ۱۲ کو بالکل نہیں جانتے۔ بقیہ کے لئے وہ حسب ذیل شہادت پیش کرتے ہیں۔ نمبر ۱ مکندلال کے ہاتھ کا ہے۔ اور بادشاہ کی مہر ثبت ہے۔ نمبر ۱۱ پر بھی بادشاہی مہر ہے مگر خط نہیں پہچانا جا سکتا۔ نمبر ۱۰۔۱۱۔۱۵۔۱۶ پر احکام خاص بادشاہ کے ہاتھ کے ہیں لیکن گواہ ان کا خط نہیں پہچان سکتا۔

ان سولہ ضمن قرض کے کاغذات کا ترجمہ پڑھا گیا۔

عدالت یکم فروری ۱۸۵۸ء ۱۱ بجے تک کیلئے برخواست کر دی جاتی ہے۔

پانچویں روز کی کارروائی

یوم دوشنبہ یکم فروری ۱۸۵۸ء

دیوان خاص قلعہ دہلی میں آج پھر عدالت کا اجلاس شروع ہوا۔

پریسیڈنٹ، ممبران، مترجم، ڈپٹی جج، ایڈووکیٹ جنرل وغیرہ موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں لائے گئے۔

مترجم ضمن قرض کے تمام کاغذات فارسی میں پڑھتا ہے۔ جس کا ترجمہ گزشتہ ماہ کی ۳۰ تاریخ کو پڑھا گیا تھا۔

حکیم احسن اللہ خاں پھر طلب کئے گئے۔ اور آٹھ کاغذات ضمن تنخواہ بترتیب دیگر انہیں دکھائے گئے۔

جج ایڈوکیٹ کا اظہار لینا

سوال ان کاغذات کی مہروں اور خط کی بابت تمہیں کیا معلوم ہے؟

جواب۔ چھ کاغذات یعنی ۱-۴-۵-۶-۷-۸-خود ملزم کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور نمبر ۲ ملزم کے سیکرٹری مکند لال کا لکھا ہوا ہے۔ اور اس پر مہر شاہی ثبت ہے۔ نمبر مرزا مغل ملزم کے فرزند کی درخواست ہے جو ان کے منشی جوالا ناتھ کے ہاتھ کی ہے اور اس پر سرکاری مہر "کمانڈر انچیف" لگی ہوئی ہے۔

اب کاغذات مذکورہ کا ترجمہ اور اصلی فارسی میں ملزم کے سمجھنے کے لئے پڑھے گئے۔

اکاون کاغذات بہ ضمن افواج ترتیب دیگر گواہ کو دکھائے جاتے ہیں۔

سوال۔ ان کاغذات کی مہروں یا خط کی بابت تم کیا جانتے ہو؟

جواب۔ کاغذات نمبر ۱، ۲، ۳، ۵، ۶، ۷، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، کے تمام احکام ملزم کے ہاتھ کے ہیں۔ نمبر ۲۱ پر کچھ نشانات پائے جاتے ہیں لیکن یہ بادشاہ کے نہیں۔ نمبر ۱ بھی ملزم کا تحریر کردہ ہے۔ کاغذات ۸، ۹، ۱۲، ۱۴، ۱۱ پر خاص ملزم کی مہر ہے۔ کاغذات نمبر ۴-۱۱-۳-۴۲-اور ۱۵، مکند لال سیکرٹری ملزم کے تحریر کردہ ہیں۔ اور مہر شاہی ثبت ہے۔ کاغذات ۷، ۳۲، ۳۶، ۳۹، ۴۰، ۴۰ کی بابت مجھے کچھ معلوم نہیں۔ نمبر ۴۳ پر مہر خاص گورنر جنرل کے نام کی ہے۔ کاغذات نمبر ۳۱ میں ملزم کے دفتر کی مہر ہے۔ اور پولیس افسر بدر پور کی تحریر ہے کہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

پھر کاغذات پڑھے جاتے ہیں۔
کچہری بوقت چار بجے شام دوسرے روز گیارہ بجے تک کے لئے ملتوی کردی جاتی ہے۔

چھٹے روز کی کارروائی

یوم سہ شنبہ مورخہ ۲۔ فروری ۱۸۵۸ء

عدالت دیوان خاص قلعہ دہلی میں آج بوقت گیارہ بجے پھر منعقد ہوئی۔
پریسیڈنٹ، ممبران، مترجم، ڈپٹی جج، ایڈوکیٹ جنرل تمام موجود ہیں۔
ملزم عدالت میں لائے گئے۔ غلام عباس ان کا مددگار بھی حاضر ہے۔
مترجم اصلی فارسی کاغذات کو پڑھتا ہے جس کا کل ترجمہ پڑھا گیا تھا۔
حکیم احسن اللہ خاں عدالت میں طلب کیے گئے اور ان کا اظہار لیا جانے لگا۔

ڈپٹی جج ایڈوکیٹ اظہار لیتے ہیں

سوال۔ ان چھ کاغذات کو دیکھو اور بتاؤ کہ ان میں سے کسی کا بھی خط پہچان سکتے ہو؟
چھ کاغذات فارسی کے ضمن "قتل" میں ترتیب دیگر گواہ کو دکھائے جاتے ہیں۔
جواب نمبر ۱، ۶، یہ ملزم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے احکام ہیں۔ کاغذات نمبر ۲ و ۳، ۴، خیرات علی کے لکھے ہوئے ہیں۔ جو بخت خاں گورنر جنرل کا محرر تھا۔ اس شخص کی عادت تھی کہ کاغذات پیشتر سے تیار کر رکھتا اور بادشاہ کی مہر وغیرہ بھی ثبت کر دیتا۔ بعد میں بادشاہ کی منظوری پر کاغذات روانہ کیا کرتا تھا۔
سوال۔ کاغذات نمبر ۵ کی بابت جانتے ہو؟
جواب۔ جی نہیں میں خط نہیں پہچان سکتا۔
سوال۔ کیا ممکن ہے کہ یہ دفتر میں رکھنے کی نقل ہو۔ اور کسی نئے محرر نے لکھا ہو جیسا

خط تم نہ پہچانتے ہو؟

جواب۔ جی ہاں مجھے محمد بخت خاں کے دفتر کے کسی منشی کا خط معلوم ہوتا ہے۔

چھ کاغذات پھر ترتیب دیئے گئے۔ اور ڈپٹی جج ایڈووکیٹ نے ان کا ترجمہ اور مترجم نے اصلی فارسی میں انہیں پڑھا۔

کاغذات جس پر الف کا نشان تھا مع اس کے اصلی لفافہ کے جس پر دہلی پوسٹ آفس کی مہر ہے لایا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۲۵۔ مارچ ۵۸ء کو دہلی کے ڈاک خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ اور ۲۷۔ مارچ ۵۸ء کی مہر ظاہر کرتی ہے کہ یہ اس وقت آگرہ پہونچا۔

جج ایڈوکیٹ نے بیان کیا کہ یہ اہم دستاویز مسٹر کالون سابق لفٹنٹ گورنر آگرہ کے کاغذات میں پائی گئی پھر اس کا ترجمہ پڑھا گیا۔

جج ایڈوکیٹ نے گواہ کے اظہار لئے

سوال۔ کیا تم محمد حسن عسکری دہلوی سجادہ نشین کو جانتے ہو؟

جواب۔ جی ہاں جانتا ہوں وہ دہلی دروازے کے قریب ہی رہتے تھے اور اکثر بادشاہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔

سوال۔ کتنے روز ہوئے جب تم نے انہیں دیکھا تھا؟

جواب۔ سرکار انگلشیہ کے دوبارہ دہلی پر قبضہ پانے کے قریب قریب میں روز قبل دیکھا تھا۔

سوال۔ تم جانتے ہو وہ کہاں گئے۔ اور ان کا کیا حشر ہوا؟

جواب۔ نہیں میں نہیں جانتا۔

سوال۔ وہ کس زمانے میں بادشاہ کے پاس اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔ اور یہ بھی بتاتے ہو سب سے پہلے وہ کب بادشاہ سے ملے تھے؟

جواب۔ سب سے پہلی ملاقات کو تقریباً چار سال ہوئے بادشاہ کی ایک دختران لی مرید ہو گئی تھی۔ اس نے بادشاہ کے سامنے حسن عسکری کی پاکبازی کی بیحد تعریف کی۔ اور بادشاہ نے بیماری کی حالت میں اپنے لئے دعا کرنے اور تعویذ وغیرہ دینے کے لئے انہیں بلایا۔ گذشتہ ایک یا دو سال سے ان کی آمد و رفت بہت بڑھ گئی تھی۔ یہ دختر دہلی دروازہ کے قریب حسن عسکری کے مکان سے ملے ہوئے مکان میں رہتی تھی۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس کی بیوی بن گئی تھی۔

سوال ۔ کیا یہ شخص حسن عسکری قوت اعجاز کا جھوٹا مدعی تھا۔ یا آیندہ واقعات درحقیقت بتا دیتا تھا؟

جواب ۔ وہ خواب کی تعبیریں بیان کرتے۔ آیندہ ہونے والے واقعات کا پتہ بتاتے اور صاحب کشف مانے جاتے تھے۔

سوال ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب انگریزوں اور شاہ ایران میں جنگ چھڑی تھی اس وقت وہ اس کے متعلق کچھ کہتا تھا؟

جواب ۔ صرف برطانیہ اور ایران کے درمیان جنگ چھڑنے ہی کے وقت نہیں بلکہ دو سال قبل انہوں نے بادشاہ سے چار سو روپیہ حاصل کیا تھا۔ جو ایک شخص کو جس کی بابت کہا جاتا تھا کہ مکہ جا رہا ہے دیئے گئے تھے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حج کے بہانہ شاہ ایران کے پاس روانہ کیا گیا ہے۔ اس شخص کا نام شیدی قنبر تھا تھا۔ وہ حبشی تھا۔ اور غالباً حبش ہی سے آیا ہو گا۔

سوال ۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیوں ظاہر کیا گیا کہ یہ شخص مکہ جا رہا ہے جبکہ اس کی منزل مقصود شاہِ ایران تھا؟

جواب ۔ میں اس دھوکہ کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے جٹو یا جاٹ مل جاسوس دربار نے خبر دی تھی کہ شیدی قنبر حج کو نہیں بلکہ ایران جا رہا ہے۔ اور دربار کے

دیگر ندیموں سے بھی پوچھنے سے یہی معلوم ہوا۔

سوال ۔ تم نے کبھی سُنا کہ اس شخص کے ایران بھیجنے سے کیا مدعا تھا؟

جواب ۔ نہیں ۔ لیکن قلی خاں اور بسنت ، بادشاہ کے دو مقرب ملازموں سے سُنا تھا کہ حسن عسکری نے شیدی قنبر کو بوقت شب چند کاغذات دیئے جن پر مہر شاہی ثبت تھی۔ پھر اسے ایران روانہ کر دیا گیا۔

سوال ۔ کیا قلعہ دہلی میں ایران وانگریزوں کی جنگ کا ہمیشہ تذکرہ ہوا کرتا تھا۔ اور بادشاہ کو اس گفتگو سے دلچسپی تھی؟

جواب ۔ نہیں ۔ محل میں کچھ اسی مضمون پر خصوصیت سے بحث نہیں ہوتی تھی۔ البتہ ہندوستانی اخبارات قلعہ میں آتے رہتے تھے ۔ اور ان میں نقل وحرکت کے حالات مرقوم ہوتے تھے۔ لیکن بادشاہ کو میں نے اس طرف دلچسپی کا اظہار کرتے کبھی نہیں دیکھا ۔

سوال ۔ کیا مسلمانانِ دہلی کو اس جنگ سے وابستگی تھی ۔ اور اسے مذہبی جنگ کی نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے؟

جواب ۔ نہیں ۔ مسلمانانِ دہلی سنی ہیں ۔ اور اہل ایران شیعہ۔ اس لئے انہوں نے ذرا بھی وابستگی ظاہر نہیں کی۔

سوال ۔ تمہیں معلوم ہے کہ گذشتہ مارچ میں یعنی دس ماہ قبل بادشاہ نے حسن عسکری کو کسی خاص کام کے لئے بیش اشرفیاں دی تھیں؟

جواب ۔ وہ ان کو ہمیشہ روپیہ دیتے ہی رہتے تھے ۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ کن سے کام یا کس خاص موقع کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

سوال ۔ کیا تم نے کبھی یہ بھی سُنا کہ کوئی شخص مکہ جانیوالے کارواں کے ہمراہ قسطنطنیہ گیا ہے؟

جواب۔ نہیں میں نے کبھی کسی شخص کے قسطنطنیہ روانہ کئے جانے کا حال نہیں سنا
سوال۔ تم دہلی میں کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کا لقب محمد درویش ہو؟
جواب۔ میں نہیں جانتا۔
سوال۔ کیا غدر سے چند ماہ پہلے جامع مسجد دہلی یا شہر کے کسی اور مقام میں کوئی تحریر شدہ کاغذ جس پر شاہ ایران کی مہر تھی چسپاں کیا گیا تھا!
جواب۔ جی ہاں غدر سے چند ماہ قبل میں نے سنا تھا کہ شاہ ایران کا اعلان جامع مسجد پر چسپاں کیا گیا ہے۔
سوال۔ کیا تم نے کبھی سنا کہ وہ کاغذ کیونکر وہاں آیا؟
جواب۔ نہیں۔ لیکن یہ سنا ہے کہ مضمون ایسا ہی تھا۔ جیسے شیعہ مسلمان لکھتے ہیں
سوال۔ کیا عموماً تسلیم کرلیا گیا تھا کہ وہ کاغذ اصلی ہے؟
جواب۔ اس کی اصلیت کا عوام کو یقین نہیں تھا علی العموم انہیں اس میں اشتباہ تھا
سوال۔ کاغذ کا مضمون کیا تھا؟
جواب۔ میں نے سنا ہے کہ اس میں مذکور تھا کہ مسلمان تعصب و تفرقہ کو علیحدہ کرکے اور موجودہ وقت میں باہم متحد ہو کر ایک ہی علم کے زیر سایہ جہاد کریں۔
سوال۔ کیا اس اعلان سے شہر میں جوش و اضطراب نہ پیدا ہو گیا تھا؟
جواب۔ نہیں کسی بڑی حد تک نہیں۔
سوال۔ کیا قلعہ میں یا ملزم کو اس اعلان کا ذکر کرتے ہوئے تم نے سنا؟
جواب۔ ملزم نے میرے سامنے کچھ نہیں کہا لیکن قلعہ کے دیگر چند اشخاص کو تذکرہ کرتے سنا تھا۔
سوال۔ کیا کمپنی کے الحاق اودھ سے دہلی کی مسلمان آبادی میں بے چینی اور ناراضگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے؟

واب۔ اس سے ذرا بھی ناراضگی نہیں پیدا ہوئی۔ بلکہ مسلمانان دہلی کو بڑی خوشی
ہوئی۔ کیونکہ اہل لکھنؤ شیعہ ہیں۔ اور انہوں نے مولوی امیر علی کو جو سید اور سُنّی
تھے قتل کر دیا تھا۔
سوال۔ کیا غدر سے کچھ روز پہلے جامع مسجد پر فرقہ مسلم کی ناراضگی کا کوئی نوٹس یا
اشتہار چسپاں کیا گیا تھا؟
جواب۔ مجھے یاد نہیں کہ کوئی کیا گیا ہو۔
سوال۔ کیا کبھی دہلی کے ہندوستانی اخبارات نے بغاوت سے پہلے انگریزوں کے
برباد کرنے کی ضرورت ظاہر کی تھی؟
جواب۔ انہوں نے کبھی نہیں کی۔ وہ ایسا کرتے تو سرکاری حکام خود محسوس کر سکتے تھے

ملزم سوالات جرح سے انکار کرتے ہیں۔

کاغذ نمبر الف مترجم اصلی فارسی میں پڑھ کر سناتا ہے۔

عدالت کل چار بجے تک کے لئے برخاست ہو جاتی ہے۔

ساتویں روز کی کارروائی

یوم بدھ ۳۔ فروری ۱۸۵۸ء

عدالت دیوان خاص قلعہ دہلی میں آج گیارہ بجے سے منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ۔ ممبران۔ مترجم۔ ڈپٹی جج۔ ایڈووکیٹ جنرل تمام موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں حاضر کئے گئے اور ان کا مددگار غلام عباس بھی حاضر ہے۔

حکیم احسن اللہ خاں طلب کئے گئے اور اظہار دینے لگے۔

بجج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

خوان یا روغن یا تانبے کے سکے یا کپڑا۔ بادشاہ نے حسن عسکری کے وظائف یا عمل پڑھنے کے لئے روانہ کئے تھے۔

جواب۔ جی ہاں یہ تمام اشیا حسب معمول بھیجی جاتی تھیں مگر میں یہ نہیں جانتا کہ کسی خاص مطلب سے روانہ کی جاتی ہوں جیسا کہ عرضی میں مذکور ہے۔

سوال۔ تم نے کہا تھا کہ جاٹ مل دربار کا جاسوس تھا۔ کیا مخبری کرنے کے صلہ میں بادشاہ اسے کچھ دیتے تھے؟

جواب۔ نہیں وہ بادشاہ کا ملازم نہیں تھا۔ بلکہ گورنمنٹ برطانیہ کا اخبار نویس تھا

سوال۔ پھر یہ کیونکر ہوا کہ اسے اس راز سے آگاہی ہوگئی اور یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کے اخبار نویس کو ایسے اہم معاملے سے مطلع کیا جائے؟

جواب۔ جاٹ مل محل کے آس پاس خبریں جمع کرنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ اور اس معاملہ کو سن کر اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس راز سے آگاہ ہوں۔ اس وقت میں اس سے بالکل لاعلم تھا۔ اور بعد میں جو کچھ میں نے سنا اس سے جاٹ مل کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔ گواہ جاتے ہیں۔ جاٹ مل سابق اخبار نویس لفٹنٹ گورنر آگرہ عدالت میں طلب کیا گیا اور اظہار لئے گئے۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا حسن عسکری نامی شخص کو تم جانتے ہو؟

جواب۔ جی جانتا ہوں۔

سوال۔ کیا وہ اکثر ملزم کے پاس حاضر رہتا تھا؟

جواب۔ جی ہاں۔

سوال۔ بادشاہ اور اس کے درمیان کیا راہ و رسم تھی۔ جو معلوم ہو بیان کرو۔

جواب۔ وہ بادشاہ کے پاس آتے اور کچھ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے وہ خود کو صاحب کشف و

کرامت بتاتے تھے اور پیشین گوئیاں و خواب کی تعبیریں بیان کرتے تھے (یہاں ملزم خود

بتلاتے ہیں کہ بیشک حسن عسکری میں یہ تمام فضائل ہیں جو بیان کئے جا رہے ہیں)۔

حسن عسکری کا قول تھا کہ اکثر ہاتف غیب کی آوازیں انہیں آیا کرتی ہیں جب انہیں طلب کیا جاتا تو فی الفور بادشاہ کے پاس حاضر ہو جاتے تھے۔ اور اکثر بے بلائے بھی چلے آتے تھے خصوصاً رات کے وقت جب کبھی انہیں بادشاہ سے مشورہ کرنا ہوتا۔

سوال۔ تم نے کبھی کسی خاص خواب کی نسبت کچھ سنا جس کی تعبیر حسن عسکری نے بادشاہ کو بتائی ہو۔

جواب۔ جی ہاں اس وقت جبکہ ایرانی افواج ہرات میں آئیں تو میں نے سنا ہے کہ حسن عسکری نے خود کا دیکھا ہوا خواب بادشاہ سے بیان کیا تھا کہ اس نے مغرب سے ایک بگولہ نمودار ہوتے دیکھا جس کے تعاقب میں ایک سیلاب عظیم آیا اور ملک کو روندتا ہوا نکل گیا۔ مگر اس سیلاب سے بادشاہ کو بالکل پریشانی و تکلیف نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ اسی سیلاب میں اپنے تخت پر بیٹھے رہے۔ پھر حسن عسکری نے اس کی یہ تعبیر بیان کی شاہ ایران مشرق میں برطانوی طاقت کو تباہ و برباد کر دیگا اور بادشاہ کو تخت پر بٹھا کر از سر نو عنان سلطنت ان کے ہاتھ میں دیگا اور کفار یعنی برطانوی قتل کئے جائیں گے۔

سوال۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس شخص حسن عسکری کے ذریعہ شاہ ایران کے پاس خطوط بھیجے گئے یا اس سے سلسلہ پیام رسانی رہا ہو۔

جواب۔ جی ہاں میں جانتا ہوں کہ خطوط بھیجے جاتے تھے۔ ڈیڑھ یا دو سال ہوئے کہ ایک قافلہ مکہ جا رہا تھا۔ ایک شخص شیدی قنبر نامی نے جو محل کے تمام حبشیوں کا سردار تھا اس قافلہ کے ہمراہ جانے کی اجازت چاہی منظوری مل گئی۔ اور حسب دستور اسے ایک سال کی تنخواہ پیشگی دے دی گئی۔ اور کہا جاتا ہے کہ ساتھ ہی بادشاہ

کی طرف سے ایک درخواست بحضور خداوند تعالیٰ بھیجی گئی۔ تاکہ اسے لے جا کر خانہ کعبہ میں چسپاں کر دیا جائے۔ دس یا بارہ روز بعد میں نے سنا کہ شیدی قنبر کا مکہ جانا محض فریب تھا۔ بلکہ دراصل وہ بادشاہ دہلی کا خط شاہ ایران کو دینے کے لئے لے کر ایران گیا ہے میں نے یہ بادشاہ کے قاصد خواجہ بخش اور ایک مقرب خاص سے جس کا نام مجھے یاد نہیں سنا ہے۔ اسی وقت میں نے کپتان ڈگلس کو اطلاع کی جنہوں نے کہا کہ یہ نہایت اہم بات ہے اور مجھے زیادہ تحقیقات کرنے کی ہدایت کی۔ کیونکہ بادشاہ دہلی کو شاہ ایران سے اس قسم کی خط و کتابت کرنے کی ممانعت تھی میں نے حکیم احسن اللہ خاں سے دریافت کیا کیونکہ جو خفیہ معاملات تحریری وقوع میں آتے تھے۔ انہیں خبر رہتی تھی حکیم احسن اللہ خاں نے انکار کیا کہ انہیں اس کی مطلق خبر نہیں۔ اور اگر ایسا کیا گیا ہے۔ تو ان کی لاعلمی میں ہوا ہوگا۔ میں نے کپتان ڈگلس کو مطلع کر دیا۔ اور اپنی تحقیقات بدستور جاری رکھی اور کوئی بیس روز کے بعد اصل حال تحقیق ہو گیا۔ میں بھول گیا کہ کس سے یہ معلوم ہوا تھا کہ حیدر حسین کمانڈنٹ توپ خانہ ملازم ۔ اور حسن عسکری نے مل کر چند خطوط شیدی قنبر کے ذریعہ ایران روانہ کئے ہیں۔ میں نے یہ کپتان ڈگلس کو جا کر بتا دیا اور کہہ دیا کہ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہ خبر میرے بھی کانوں میں پڑ چکی ہے۔ لہٰذا اب وہ محتاط رہتے ہیں۔ اور اب میں سراغ نہیں لگا سکتا نیز کپتان ڈگلس سے میں نے یہ کہا کہ لاہور کے پاس شیدی قنبر کو گرفتار کرنے کا بندوبست کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تحقیق نہیں ہے کہ وہ کونسی راہ سے گیا ہے۔ لہٰذا اس معاملہ کو طول دینا فضول ہے۔

سوال۔ کیا مسئلہ جنگ ایران پر اہل قلعہ و بادشاہ بہت بحث کیا کرتے تھے؟

جواب۔ جی ہاں محل اور شہر میں اکثر یہی بحث چھڑی ہوئی تھی۔

سوال۔ کیا تم جانتے ہو کہ مذہبی جنگ کی رو سے اس پر روشنی ڈالی جاتی تھی؟
جواب۔ جی ہاں ہر حصہ ملک میں عموماً یہی خیال کیا جاتا تھا۔ کہ مذہبی جنگ ہے اور شاہ ایران فتحیاب ہوگا۔ مگر بعض لوگ جنہیں حقیقت امر سے آگاہی تھی کہا کرتے تھے کہ شاہ ایران انگریزوں سے عہدہ برآ نہ ہوسکے گا۔
سوال۔ کیا تم جانتے ہو کہ کمپنی کی فوج کے دیسی سپاہیوں یا افسروں سے ملزم یا ان کے کسی معتمد نے کبھی سلسلہ جنبانی ہو یا کرنے کی کوشش کی ہو؟
جواب۔ نہیں کسی سلسلہ جنبانی کی نسبت جو ملزم یا ان کے ایجنٹوں نے کی ہو کبھی نہیں سنا۔ البتہ ساڑھے تین سال قبل پہلی مرتبہ دس یا بارہ مسلمان سپاہیوں نے۔ اور دوسری بار چھ یا سات نے ملزم کے مرید ہونے کی استدعا کی تھی جسے ملزم نے بھی منظور کر لیا تھا۔ اس معاملہ کو سر جان تھیوفلس مٹکاف نے سن کر تحقیقات کی تھی، اور تدارک کر دیا تھا۔
سوال۔ کیا کمپنی کے اودھ کو لے لینے پر بھی بادشاہ یا اہل قلعہ بحث کرتے تھے اگر کرتے تھے تو کس نقطۂ نظر سے؟
جواب۔ جی نہیں۔ الحاق اودھ کی بابت میں نے صرف دو مرتبہ گفتگو کرتے سنا ہے جس میں سے ایک مرتبہ جبکہ فوجیں کانپور جا رہی تھیں تو ملزم نے مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس سے دریافت کیا تھا کہ کیا کمپنی نے اودھ لے لیا ہے؟ ان دونوں نے بیان کیا کہ انہیں اس بات کی کوئی خبر نہیں ملی۔
سوال۔ کیا حسن عسکری نے بادشاہ کی مدت عمر یا انگریزوں پر آئندہ کامیابی کی کوئی پیشین گوئی کی تھی؟
جواب جی ہاں یہ کہا تھا کہ اس نے اپنی عمر کے بیس سال بادشاہ کی عمر میں بڑھا دیئے لیکن انگریزوں پر فتح پانے کا ذکر کیا ہو یہ کبھی نہیں سنا۔ صرف اس کے خواب کا ذکر

سنا تھا جو بتا چکا ہوں۔

سوال۔ کیا تم نے محل میں کبھی یہ سنا کہ پلاسی کی لڑائی کے سو برس بعد انگریزوں کی حکومت مٹ جائے گی؟

جواب۔ جی نہیں۔ کبھی نہیں۔

سوال۔ کیا تمہیں معلوم تھا کہ قبل بغاوت ایسٹ انڈیا کمپنی دہلی کی رجمنٹیں کسی طرح ناخوش تھیں؟

جواب۔ میرے قلعہ میں آتے جاتے وقت ان کی ناراضگی کا کچھ یونہی سا احساس ہوتا تھا لیکن غدر سے بیس یا پچیس روز قبل سپاہیوں میں انبالہ کے مکان جلا ڈالنے کا ذکر آپس میں ہوتا تھا۔ اور مچرب کارتوسوں کے بھی تذکرے کرتے اور انہیں استعمال نہ کرنے کے پیمان باندھتے تھے۔

سوال۔ کیا اس مضمون یعنی سپاہیوں کی ناراضگی کا قلعہ میں بھی تذکرہ ہوتا تھا؟

جواب۔ جی ہاں سپاہیوں کی ناراضگی بسبب مچرب کارتوسوں کے استعمال کے اور انبالہ کے مکانات جلا ڈالنے کا چرچا غدر سے قبل قلعہ میں ہوا کرتا تھا۔ لیکن بادشاہ کے منہ سے یا ان کے سامنے کبھی میں نے نہیں سنا۔ غدر سے چند روز قبل قلعہ کے پھاٹک والے سپاہیوں سے یہ سنا تھا کہ اگر میرٹھ کی فوجوں کو مچرب کارتوسوں کے استعمال کے لئے مجبور کیا گیا۔ تو یہ قرار پا گیا ہے کہ وہ دہلی کی فوج سے آکر مل جائیگی اور یہ سازش ایک ہندوستانی افسر کے ذریعہ عمل میں آئے گی۔ جو کورٹ مارشل ڈیوٹی میں میرٹھ جائیگا۔

سوال۔ کیا یہ بات تم نے کسی پر ظاہر کی تھی یا اس کی رپورٹ کسی سے کی تھی؟

جواب۔ جی نہیں۔ یہ ایک فوجی معاملہ تھا۔ ویسے بھی سب مجھے اس کی رپورٹ نہیں کرنی تھی۔ کیونکہ میری تمام رپورٹیں صرف بادشاہ کی ذات تک محدود رہتی تھیں۔

سوال جب باغی افواج میرٹھ سے آئیں اسوقت تم یہاں موجود تھے؟

جواب - میں اپنے مکان میں شہر کے اندر موجود تھا - میں نے سنا کہ میرٹھ کے چند سواروں نے سلیم گڑھ پل کے محصول وصول کرنے والے کو قتل کر دیا ہے اور محصول کا مکان جلا ڈالا ہے - میں نے ان خبروں پر چنداں اعتبار نہیں کیا - اور خبروں کا خط لکھتا رہا - اسے پورا کر کے قلعہ میں آیا - وہاں معلوم ہوا کہ کپتان ڈگلس - مسٹر فریزر مسٹر ہچنسن مجسٹریٹ اور مسٹر نکسن ہیڈ کلرک کمشنر آفس ، کلکتہ دروازہ کی طرف باغیوں کا تدارک کرنے کے لئے گئے ہیں - میں بھی فوراً ان کے تعاقب میں روانہ ہوا - اور وہاں جا کر دیکھا کہ وہ کلکتہ دروازہ (کشتی کے پل کے پاس ایک دروازہ تھا) پہنچ گئے ہیں - جب یہ لوگ وہاں انتظام کر رہے تھے کہ کسی نے آکر خبر دی کہ باغی براہ دروازہ زینت المساجد شہر میں داخل ہو گئے - اور دریا گنج میں جا پہونچے اور بنگلوں پر فیر کر رہے ہیں - دھواں در اصل بلند ہو رہا تھا - یہ صبح آٹھ بجے کا واقعہ ہے - اس کے تھوڑی دیر بعد تین سوار دریا گنج کی طرف سے ایک انگریز کے تعاقب میں دوڑے چلے آرہے تھے - ایک نے اس پر پستول کا فیر کیا - مگر نشانہ خطا کر گیا - یہ انگریز میگزین کے راستہ کی طرف فرار ہو گیا - اسی وقت مسٹر فریزر نے دروازہ کے ایک محافظ سپاہی کی بندوق لے کر ایک سوار کو گولی ماردی - دیگر سواروں نے ان کے گھوڑے کو گھائل کر دیا - مسٹر فریزر اپنی بگھی میں سوار ہو گئے - ان کے ساتھ کپتان ڈگلس اور مسٹر ہچنسن پیدل ہوئے اور یہ سب کے سب قلعہ کی طرف چلنے لگے مسٹر ہچنسن کے شانہ پر کہنی سے کچھ اوپر ایک سوار کی پستول کی گولی سے شدید زخم آیا - مسٹر فریزر کے قلعہ کی طرف جاتے ہوئے چند سوار اور آپڑے ایک نے پشت کی طرف سے آکر پستول کا فیر کیا - مگر مسٹر فریزر بال بال بچ گئے - اس وقت کپتان ڈگلس کا چپراسی نجا اور مسٹر فریزر کی بگھی کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا

کپتان ڈگلس نے جب اپنے آپ کو سواروں سے گھرا ہوا پایا تو شہر کی خندق میں کود پڑے اور چند ڈکیلے پتھروں پر گرنے سے کپتان موصوف کے سخت چوٹ آئی۔ اس وقت سوار جا بجا انگریزوں کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے اسی اثنا میں بختاور اور چند ہندوستانی ملازموں نے موقع پا کر کپتان ڈگلس کو خندق سے باہر نکالا۔ دیکھا تو ان پر بے ہوشی طاری تھی۔ پھر انہیں قلعہ کے دروازہ پر ان کے کمرے میں پہونچا دیا گیا۔ جب ذرا ہوش آیا۔ تو انہوں نے اپنے پاس کے لوگوں کو مسٹر جینزن کے اٹھا لانے کی ہدایت کی اور کہا کہ انہیں ضرب شدید آئی ہے ان کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ مسٹر فریزر قلعہ کے لاہوری دروازہ کے نیچے کی پوشیدہ راہ سے ایک انگریز کو ہمراہ لئے جو اسی روز کلکتہ سے آیا تھا۔ جا رہے تھے۔ انہوں نے "پران" قاصد کو بادشاہ کے پاس توپیں لانے کے لئے روانہ کیا۔ اور خود بھی مخفی راستہ کے دہانہ پر پہونچ گئے۔ انہیں دیکھکر ایک انبوہ کثیر جس میں مرد اور ہر عمر کے بچے موجود تھے اس طرف دوڑا۔ اور پاس جا کر لاف زنی کرتا رہا۔ مسٹر فریزر دشمنی اور ذلت کی علامتیں دیکھ کر سخت سراسیمہ ہوئے اور کپتان ڈگلس کے مکان کی طرف لوٹے۔ سیڑھیوں تک پہونچنے پائے تھے۔ کہ حاجی لوہار نے ان کے قتل کرنے کی غرض سے تلوار کھینچ لی۔ مسٹر فریزر جن کی تلوار نیام میں تھی۔ اسے اونچا اٹھا کر پھرتی سے ہٹے اور حولدار سے کہا "یہ کیا ہے" اس پر حولدار نے دکھانے کے لئے مجمع کو منتشر کر دیا۔ لیکن جونہی مسٹر فریزر نے پیٹھ پھیری۔ اس نے جھک کر لوہار سے کچھ کہا۔ جس کا منشا، یہ تھا۔ کہ اسے پھر حملہ آور ہونا چاہئے۔ لوہار کی ہمت بندھ گئی۔ اور اس نے بڑھ کر مسٹر فریزر کی گردن پر سیدھی طرف سے نہایت گہرا اور کاری زخم لگایا۔ مسٹر فریزر فوراً گر پڑے۔ ان کے گرتے ہی تین شخص خالق داد ایک قبولی پٹھان مغل بیگ یا مغل جان اور شیخ دین محمد جو ڈیوڑھی میں

چھپے ہوئے تھے۔ دوڑے۔ اور ان کے سر، چہرہ اور سینہ پر مسلسل کئی وار کئے جس سے مسٹر فریزر کا بالکل کام تمام ہو گیا۔ شیخ دین محمد ایک مسلح شخص تھا جسے بادشاہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ اور خالق داد و مغل بیگ بھی محبوب علی خاں بادشاہ کے وزیر اعظم کے ہتھیار بند سپاہی تھے۔ ان تینوں نے مسٹر فریزر کو ہلاک کر کے کپتان ڈگلس کے مکان کی راہ لی۔ اور انبوہ کثیر کو ہمراہ لئے ہوئے سیڑھیوں پر چڑھنا شروع کیا۔ جب وہ زینہ طے کر چکے تو ماکھن نامی گورنمنٹ ملازم نے جو کپتان ڈگلس کا اردلی تھا۔ اندر جا کر بلوائیوں کے گھس آنے کی اطلاع کی۔ اور اسے دروازہ بند کر دینے کی تاکید کی گئی۔ جب اندر سے دروازہ بند کر دیا گیا تو کمرہ کے جنوبی رُخ سے صدہا آدمی دوڑ کر براہ زینہ اوپر چڑھ گئے اور وہاں سے اندر داخل ہوئے اور جو دروازہ ماکھن نے بند کر دیا تھا۔ اسے ان تینوں قاتلوں اور ان کے مسلح گروہ کے لئے کھول دیا جنہوں نے مسٹر فریزر کو گرنے کے بعد قتل کر ڈالا تھا۔ ان لوگوں نے یکے بعد دیگرے کپتان ڈگلس، مسٹر ہچنسن، پوپیڈ، مسٹر جننگس، مس جننگس، مس کلیفارڈ اور وہ تمام جو کپتان ڈگلس کے مکان میں تھے، سب کو قتل کر ڈالا۔ نووارد جو اسی روز کلکتہ سے آیا تھا۔ بھاگ نکلا۔ اور قلعہ کی فصیل کے باہر نکلنے کی تدبیر کرنے لگا۔ وہ اسی تجسس میں مرزا کو چک کے مکان تک قلعہ کے دہلی دروازہ کے متصل جا پہونچا۔ کسی نے اس پر فیر کیا جس سے اس کا شانہ زخمی ہو گیا۔ وہ فی الفور لوٹا۔ اور کپتان ڈگلس کے جنوبی زینہ تک پہونچتے پہونچتے دو ٹکڑے کر ڈالا گیا۔ اس قتل کاری میں صرف پندرہ منٹ کا وقفہ صرف ہوا تھا۔ اور میں نے یہ ماکھن، بختاور، پران، اور کشن کے بیانات سے حاصل کیا ہے لیکن مسٹر فریزر کی موت کے وقت تک کے تمام واقعات میرے چشم دید ہیں۔ اب چار بج چکے۔ عدالت یوم جمعہ تاریخ ۵۔ فروری تک کے لئے ملتوی کر دی گئی۔

آٹھویں روز کی کارروائی

یوم جمعہ مورخہ ۵۔ فروری ۱۸۵۸ء

عدالت آج قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ۔ ممبران۔ مترجم۔ ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم اپنے مشیر قانونی کے ہمراہ عدالت میں لائے گئے۔

گواہ جاٹ مل پھر طلب کیا گیا اور گذشتہ اظہار کی یاد دہانی کی گئی۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ جب انگریز کپتان ڈگلس کے کمرے میں مار ڈالے گئے۔ تو سپاہیوں اور عوام نے پھر کیا کیا؟

جواب۔ ان کے مارے جانے کے بعد میں فوراً شہر میں اپنے مکان پر چلا آیا۔ اور قلعہ میں کئی روز نہیں گیا۔

سوال۔ بادشاہ نے کب عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور کیا اس وقت توپوں سے سلامی دی گئی تھی؟

جواب۔ میرٹھ کی فوجوں کے آنے کے تین چار روز بعد انہوں نے تمام سرکاری مال اور بارود جو شہر کے باہر تھی۔ اور سلحہ، سب پر قبضہ کر لیا۔ اور ایک ہفتہ کے بعد مختلف محکموں کو احکام جاری کئے کہ سرکاری کاروبار کی عرضیاں انہیں بھیجیں گیارہ مئی کو بہ وقت شب چوبیس توپوں کی سلامی سر کی گئی۔ مگر مجھے علم نہیں۔ کہ کس بنا پر۔ بعض کہتے ہیں کہ میرٹھ کے علم آنے کی خوشی میں توپیں سر ہوئیں اور بعض کا خیال ہے۔ کہ ملزم تسلیم گڑھ گئے ہوئے تھے۔ ان کی سلامی میں توپیں داغی گئیں۔

سوال۔ مرزا مغل کمانڈر انچیف کب بنائے گئے؟

جواب۔ غدر کے آٹھ یا سات روز بعد دیسی افسران سے مشورہ لینے لگے تھے اوران کے احکام بھی جاری ہونے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن ایک مہینہ بعدان کا تقرر عام طور سے شائع ہو گیا۔ اور خلعت فاخرہ ملا۔ نیز اسی سلسلے میں بادشاہ کے دوسرے بیٹے اور پوتے جرنیل اور کرنیل بنائے گئے اور ہر ایک کو خلعت دیا گیا۔

سوال۔ حسن عسکری غدر کے زمانہ میں کیا کام کرتا رہا؟ کیا وہ بادشاہ کا خاص مشیر رہا تھا۔

جواب۔ وہ بادشاہ سے سابق دستور ملتے رہے۔ اور بظاہر کوئی مشہور کام نہیں کیا۔ بادشاہ کی ایک دختر حسن عسکری کی مرید تھی۔ لیکن لوگ کہتے تھے کہ ان دونوں میں ناجائز تعلقات ہیں۔

سوال۔ تمہیں معلوم ہے کہ میگزین پر حملہ کرنے کی نیت سے قلعہ سے سیڑھیاں گئی تھیں؟

جواب۔ میں نے سنا تھا کہ میگزین پر حملہ کرنے کے لئے سیڑھیاں لگائی گئیں مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں سے لائی گئی تھیں؟

سوال۔ کیا کبھی تم نے سنا کہ دیہات میں غدر سے چند ماہ پیشتر روٹیاں تقسیم کی گئیں اگر ایسا کیا گیا تو اس سے کیا مقصود تھا؟

جواب۔ جی ہاں میں نے اس کی بابت سنا تھا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ آفات سے بچنے کے لئے خدا کی نذر مانی گئی تھی۔ بعض کا خیال تھا کہ گورنمنٹ کی طرف سے تقسیم کی گئی ہیں۔ اوران کا مطلب یہ ہے کہ تمام آبادی عیسائیوں کا سا کھانا کھانے پر مجبور کی جائے گی۔ اوراس طرح اپنے مذہب سے محروم کی جائے گی۔ کچھ لوگوں کا قول ہے کہ گورنمنٹ نے روٹیاں تقسیم کر کے دوسروں کا مذہب بگاڑنے اور عیسائیت کو

فروغ دینے کا قصد کیا ہے۔ پھر سنا گیا کہ سب کو اس کے انسداد کی کوشش کے لئے آمادہ ہونا چاہئے۔

سوال۔ جب دیہات میں ایسی چیزیں بھیجنے کا ہندو اور مسلمانوں میں عام رواج ہے تو کیا بغیر وجہ یا بے سوچ سمجھے اس کا یہی مفہوم سمجھا جا سکتا ہے؟

جواب۔ جی نہیں۔ یہ عام رواج ہرگز نہیں ہے۔ میری پچاس سال کی عمر آئی مگر اس سے پہلے کبھی میں نے ایسی بات نہیں سنی۔

سوال۔ کیا کبھی یہ بھی سنا ہے کہ چپاتیوں کے ہمراہ کوئی پیام بھیجا گیا تھا؟

جواب۔ جی میں نے کبھی نہیں سنا۔

سوال۔ کیا یہ چپاتیاں کسی خاص ہندو یا مسلمان نے تقسیم کی تھیں؟

جواب۔ وہ بلا امتیاز ہر دو مذہب کے دیہاتیوں کو تقسیم کی گئی تھیں۔

سوال۔ گیارہ مئی کے کئے روز بعد تم پھر قلعہ میں گئے تھے؟

جواب۔ میں نے جب شہر میں سنا کہ انگریز قتل کئے جانے والے ہیں۔ مجھے ٹھیک تاریخ یاد نہیں۔ لیکن ابتدا غدر سے سات آٹھ روز بعد میں مجمع کے ہمراہ قلعہ گیا تھا اس وقت صبح کے آٹھ بجے تھے۔ جب میں پہلے صحن میں پہونچا تو انگریزوں کو حوض کے کنارے ایک قطار میں بیٹھے ہوئے دیکھا جن کے ہاتھ پیچھے موڑ کر کمر کے پاس بندھے ہوئے تھے۔ کچھ مرد، اور عورتیں، بچے تھے۔ میرے پہونچتے ہی میرٹھ کے ایک باغی سپاہی نے جو فاصلہ پر گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ ان پر پستول کا فیر کیا۔ نشانہ خطا کر گیا۔ اور بادشاہ کے ایک ملازم کو گولی جا لگی جو قیدیوں کی پشت پر کھڑا ہوا تھا انجام کار وہ شخص مر گیا۔ اس حادثہ کی وجہ سے جماعت نے فیصلہ کیا کہ انگریزوں کو تلوار سے قتل کیا جائے۔ بادشاہ کے مصاحبین۔ اور چند باغیوں نے اس مقصد کے لئے تلواریں کھینچیں۔ مگر مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی۔ کہ وہاں ٹھہروں۔

اوران کا قتل مشاہدہ کرسکوں۔ لہذا میں مکان چلا گیا۔ اوراس کے بعد سنا کہ بادشاہ کے نوکروں اور باغی سپاہیوں نے انہیں قتل کر ڈالا۔

سوال۔ اس حادثہ کے وقت کیا کوئی توپ خوشی کا اظہار کرنے کیلئے سر کی گئی تھی!

جواب۔ نہیں میں نے نہیں سنی؟

سوال۔ کیا بادشاہ نے ان قیدیوں کے قتل کرنے کی رائے دی تھی؟

جواب۔ اول روز سپاہیوں کی یہ استدعا کہ انگریز قتل کر دیئے جائیں۔ بادشاہ نے منظور نہیں کی لیکن کہا جاتا ہے کہ دوسرے روز بسنت علی خاں مصاحب خاص جو اپنی وحشیانہ عادت میں مشہور تھا۔ سپاہیوں کے پاس گیا اور انگریزوں کے قتل پر زور دیا۔ چنانچہ بادشاہ نے بھی حکم دیدیا کہ انگریز ان کے حوالہ کر دیئے جائیں پھر سپاہیوں نے انہیں قتل کر ڈالا۔ یہ تھا جو کچھ میں نے اپنے گھر سے سنا قتل کئے جانے کی صبح دیوان خاص کے دروازے پر بسنت علی خاں نے کھڑے ہو کر بآواز بلند کہا کہ بادشاہ نے انگریزوں کے قتل کی اجازت دیدی ہے اور ملازم کے ہتھیار بند سپاہیوں کو قتل میں شریک ہونے کی ہدایت کی۔

سوال۔ کیا تمہارے خیال میں اگر بادشاہ چاہتے تو ان انگریزوں کو خصوصاً ان کے بیوی بچوں کو بچا سکتے تھے؟

جواب۔ میں نے شہر میں سنا تھا کہ بادشاہ انگریزوں اور خاص کر انکی عورتوں بچوں کو بچانا چاہتے تھے۔ مگر سپاہیوں کے غیظ و غضب کی مخالفت کرنے کی انہیں جرأت نہیں ہوئی۔

سوال۔ کیا بادشاہ کے زنان خانہ میں کافی جگہ نہیں تھی۔ جہاں انگریز عورتیں مردوں اور بچوں کو چھپا دیا جاتا؟

جواب۔ ضرور تھی۔ وہاں تو اتنی گنجایش تھی کہ اگر پانچ سو آدمی چھپا دیئے جاتے

تو پتہ نہ لگ سکتا کیونکہ وہاں کئی خفیہ راستے اور تہ خانے تھے۔ جہاں باغی لوگوں سے بچکر عصمت مآب عورتیں روپوش ہوسکتی تھیں؟

سوال۔ برٹش افواج کے محاصرہ کرتے وقت تم دلی میں موجود تھے؟

جواب۔ میں غدر شروع ہونے سے تین ماہ متواتر دلی میں مقیم رہا۔ حتیٰ کہ شاہی آدمیوں نے گورنمنٹ کے ملازموں کی تلاشیاں اس شبہ پر لینی شروع کردیں۔ کہ وہ گورنمنٹ کو خبریں پہونچارہے ہیں۔ میں اس وقت فرار ہوگیا۔ اور شہر میں اسوقت تک قدم نہ رکھا جب تک گورنمنٹ نے دوبارہ دخل نہ پالیا۔

سوال۔ قلعہ میں انگریزوں کے قتل کے بعد کیا کچھ اور انگریز بھی مارے گئے تھے؟

جواب۔ مجھے معلوم نہیں ہوا کہ دوبارہ قتل کے لئے کوئی انگریز باقی رکھا گیا ہو۔ البتہ قتل مذکور کے قبل میں نے سنا تھا کہ اڑتیس یا چالیس انگریز تہ خانہ میں روپوش ہوگئے تھے۔ مگر بھوک سے تنگ آکر باہر نکل آئے اور مار ڈالے گئے۔

سوال۔ کیا سپاہیوں کو علاوہ مچرب کارتوسوں کے تنے اور کوئی شکایت کرتے سنا۔

جواب۔ نہیں۔ میں نے کبھی نہیں سُنا۔

سوال۔ محاصرہ کے زمانہ میں کمپنی کی حکومت کی نسبت سپاہی عموماً کیا رائے رکھتے تھے؟

جواب۔ وہ عموماً گورنمنٹ کی بہت شکایت کرتے تھے۔ کہ وہ ہمارے مذہب اور قوم کی بیخکنی کرتی ہے۔ انگریزوں کے قتل کا حتمی عہد کرچکے تھے۔ وہ جو زخمی پڑے ہوئے تھے نہایت خوشی سے کہتے تھے۔ کہ انگریزوں نے جو بے پرواہی ہمارے ساتھ برتی اس کے مقابلہ میں ہمارا مرجانا اچھا۔

سوال۔ انگریز گورنمنٹ کے برخلاف کیا ہندو اور مسلمانوں کے جذبات میں کچھ فرق تھا؟

جواب۔ جی ضرور تھا۔ مسلمان متفقہ طور پر گورنمنٹ برطانیہ کو الٹ دینے کے درپے تھے مگر بڑے بڑے ہندو تاجروں و ساہوکاروں میں اس پر اظہار افسوس کیا جاتا تھا۔

سوال - اگر ہندو اور مسلمان سپاہیوں کے جذبات میں تو کوئی اختلاف نہیں تھا کیا دونوں انگریزی حکومت کے خلاف تھے؟

جواب - فوج میں تو عموماً ہندو اور مسلمان ہر دو کے جذبات یکساں تھے۔

سوال - تم سمجھتے ہو کہ میرٹھ کی سپاہ کا قلعہ میں انتظار تھا؟

جواب - جی ہاں - ان کا انتظار کیا جاتا تھا۔ اتوار کو میرٹھ سے خطوط آئے تھے جن میں یہ خبر تھی کہ ۸۲ سپاہیوں کو پابہ زنجیر کر لیا گیا ہے اور انجام کار معاملہ بالکل خطرناک صورت اختیار کر لیگا چنانچہ قلعہ کے دربان تک اپنے جذبات و خیالات کو پوشیدہ نہ رکھ سکے۔ علانیہ کہنے لگے کہ انہیں امید ہے کہ میرٹھ میں بغاوت کر کے فوجیں دہلی آئیں گی۔

سوال - تمہارے پاس کوئی وجوہات ہیں کہ ملزم کو بھی اس کی اطلاع دیدی گئی تھی اور خبردار کر دیا گیا تھا؟

جواب - نہیں میرے پاس کوئی وجہ نہیں ہے۔

سوال - کیا کسی وجہ سے تم فیصلہ کر سکتے ہو کہ ملزم کو میرٹھ سے آنے والی فوجوں کا پیشتر سے علم تھا؟

جواب - میرے مشاہدہ میں قبل یا بعد کوئی ایسی بات نہیں آئی جس سے میں یہ نتیجہ اخذ کر سکوں۔

سوالات جرح از ملزم

سوال - تم نے پرسوں اپنی شہادت میں بیان کیا تھا کہ انگریز جان بچانے کی کوشش میں مرزا کوچک کے مکان تک پہونچ گیا۔ جہاں اسے گولی ماردی گئی کیا مرزا کوچک اس وقت مکان میں تھا؟

جواب - جی میں اس قسم کے تفصیلی واقعات نہیں بتا سکتا؟

سوال - کیا تمہیں معلوم ہے کہ مسٹر فریزر کے قاتلوں کو میں نے کھڑا کیا تھا یا فوج نے

انہیں ایسا کرنے کی ہدایت کی تھی؟
جواب۔ جہاں تک مجھے علم ہے بادشاہ کو قتل سے پہلے خبر نہیں تھی۔ باغیوں نے فوج کے ایما اور ترغیب سے انہیں قتل کیا۔
سوال۔ انگریز مقتولین کی لاشوں کو میں نے لیجانے کی خواہش ظاہر کی اور سپاہیوں نے مجھے اجازت نہیں دی۔ کیا یہ تم نے سنا ہے؟
جواب جی نہیں۔ اس کا مجھے علم نہیں۔
سوال۔ کیا تم خوب جانتے ہو کہ میں نے اپنے مسلح مصاحبوں کو انگریزوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ یا بسنت علی خاں نے غلط اڑایا تھا؟
جواب۔ میں کہہ نہیں سکتا۔

عدالت نے اظہار لئے

سوال۔ جس وقت قتل ہونے سے پیشتر تم نے انگریزوں کو بندھا ہوا دیکھا تھا کیا بادشاہ کے معتبر افسر و ملازم موجود تھے؟
جواب۔ جی نہیں۔ صحن میں ان میں سے کسی کو بھی میں نے نہیں دیکھا۔ البتہ مرزا مغل بادشاہ کے صاحبزادے اپنے مکان کی چھت سے کھڑے ہوئے صحن کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور اسی وقت دوسرے صاحب زادے اور پوتے بھی اپنے اپنے مکانوں میں سے صحن کا نظارہ کر رہے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قتل کا نظارہ ہی کرنے کھڑے تھے۔
سوال۔ کیا ان میں سے کسی نے عورتوں اور بچوں کے بچانے کی کوشش کی یا اس کے برعکس کیا؟
جواب۔ جی نہیں۔ وہ صرف کھڑے تماشہ ہی دیکھتے رہے۔ یہ طے پا چکا تھا کہ انگریز قتل کئے جائیں گے۔

گواہ جاتا ہے

کپتان خارسٹ اسسٹنٹ کمشنر آف آرڈیننس طلب کئے جاتے ہیں
اور حلف لیا جاتا ہے۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا گذشتہ مئی کی گیارہ تاریخ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب۔ میں تھا۔

سوال۔ کیا اس وقت میرٹھ سے آئی ہوئی باغی فوجوں کو تم نے دیکھا تھا؟

جواب۔ میں نے دیکھا تھا۔ پہلے غالباً ایک رجمنٹ سواروں کی آئی جس کے بعد ہی گیارہویں اور بارہویں دیسی پیدل رجمنٹوں نے بھی براہ میرٹھ آکر پل عبور کیا۔ یہ لوگ سنگینوں کو جھکائے ہوئے چلے آرہے تھے۔ فوجی قاعدے سے صف بندی ہوئی تھیں۔ اس سے قبل میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ مگر سنا البتہ تھا کہ علی الصباح بوقت سات بجے سواروں کا ایک دستہ پل سے گذر کر دہلی میں داخل ہو چکا ہے۔ جس وقت یہ فوجیں پل عبور کر رہی تھیں۔ میں میگزین میں تھا۔ ان کی آمد کے تھوڑے عرصہ قبل سر تھیوفلس مٹکاف نے مجھ سے کہا تھا کہ باغی فوجوں کے میرٹھ سے آنے کی افواہ ہے۔ اور دو توپیں باہر نکلوانی چاہی تھیں تاکہ ان سے پل توڑ دیا جائے اور باغی دریا کو عبور نہ کر سکیں۔ لیکن نہ تو وہاں جانور تھے کہ توپوں کو باہر نکالا جاتا۔ اور نہ گولہ انداز، جو توپ چلاتے۔ لہذا مسٹر ولف بائی نے میرے ساتھ اس رائے پر اتفاق کیا۔ اور کہا کہ سب سے بہتر تجویز تو یہ ہے کہ میگزین کے دروازے بند کرلئے جائیں۔ اور حتی المقدور اس کی حفاظت کی جائے۔ ہم نے سمجھ رکھا تھا کہ اگر شام تک ہم میگزین پر قابض رہ گئے تو یقیناً میرٹھ سے انگریزی فوجیں آجائیں گی اور ہمیں مدد ملجائیگی نو اور دس بجے کے درمیان اڑتیسویں رجمنٹ دیسی پیدل کے صوبہ دار نے جو

میگزین کے دربانوں کا افسر تھا۔ اور باہر رہا کرتا تھا۔ کھڑکی میں سے مجھے اطلاع کی کہ بادشاہ دہلی نے میگزین پر قبضہ کرنے کی نیت سے ایک فوجی گارد بھیجا ہے۔ اور انگریزوں کو محل میں طلب کیا ہے۔ اور اگر وہ اسے نامنظور کریں تو میگزین سے نکلکر کہیں جانے نہ پائیں۔ اس وقت کوئی گارد نہیں تھا۔ صرف ایک پیام رسان کھڑا تھا۔ وہ خوش پوش اور معزز مسلمان معلوم ہوتا تھا۔ ہم نے صوبہ دار دربان سے کہا کہ وہ کسی فرمان یا پیام پر التفات نہ کرے اور سوا میرے یا لفٹنٹ ولف بائی کے خود کوئی جواب نہ دے۔ ہم نے اس شخص کو جو مذکورہ بالا پیام لایا تھا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر گذرنے کے بعد ایک دیسی افسر بادشاہی سپاہیوں کا ایک زبردست دستہ لے کر بادشاہ کے حکم سے نفیس وردیاں زیب بدن کئے ہوئے آئے اور صوبہ دار دربان و نان کمیشنڈ افسر سے کہنے لگے کہ بادشاہ نے تمہاری امداد کے لئے ہمیں روانہ کیا ہے۔ اسی وقت میں نے بھی صوبہ دار کو احکام دیئے تھے اور کہا تھا۔ کہ کسی کی بات پر التفات نہ کرو۔ بعد ازاں دیسی افسر نے میگزین کے ہر ایک دروازہ پر ایک ایک ماتحت افسر کے ہمراہ بارہ بارہ سپاہیوں کو متعین کر دیا۔ ان لوگوں نے فوجی قاعدے کے بموجب اپنی سنگین زمین میں گاڑ دیں۔ اور باقاعدہ کھڑے ہو گئے انہوں نے افسروں کے ہر ایک حکم کی بجا آوری سپاہیانہ کی وہ سب کے سب فوجی شاہی وردی پہنے ہوئے تھے۔ یہ واقعہ دس اور گیارہ بجے دن کے درمیان کا ہے اس کے ایک گھنٹہ بعد دربان نے باہر سے پکار کر کہا یا تو میں یا لفٹنٹ ولف بائی اس کے پاس جا کر کھڑے کھڑے گفتگو کر آئیں جب ہم دونوں دروازہ پر پہنچے تو اس نے اطلاع دی کہ بادشاہ دہلی نے تمام گورنمنٹ کا سامان نکال لیجانے کیلئے کئی آدمیوں کو روانہ کیا ہے اور ہم انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتے اس کی بات کا نہ تو میں نے اور نہ مسٹر ولف بائی نے کوئی جواب دیا۔ بلکہ کھڑکی میں میں نے جھانک کر دیکھا تو تمام

مال واسباب صاف کر دیا گیا تھا۔ جو لوگ اس کام میں لگائے گئے تھے۔ معمولی
مزدور تھے۔ جن سے شاہی گارد کا ایک دستہ کام لے رہا تھا۔ دستہ پوری وردی
میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہمارے دربانوں کے صوبہ دار نے مجھ سے یا لفٹنٹ
ولف بائی سے ملنا چاہا۔ اور جب ہم دونوں اس کے پاس گئے تو وہ کہنے لگا کہ بادشاہ
کے پاس سے ایک پیامبر اتنا کہنے کے لئے اور آیا ہے کہ اگر فی الفور دروازے نہ کھولے گئے
تو وہ فوراً حملہ کرنے کے لئے اور دیوار پر چڑھنے کے واسطے سیڑھیاں روانہ کریں
گے۔ اور یہ سیڑھیاں کچھ دیر بعد لائی گئیں۔ جنہیں میگزین کے جنوب مشرقی گوشہ
پر لگا دیا گیا۔ میگزین کے ہندوستانی کام کرنے والے یہ دیکھتے ہی ایک ڈھالو
گودام میں سے ہو کر دیوار پر چڑھ گئے۔ اور سیڑھیوں سے اتر کر باہر نکل گئے۔
باغیوں نے یہ دیکھ کر ذرا دیر نہیں کی۔ اور اوپر چڑھنا شروع کیا اور چھوٹے برج
میں گھسنے کا راستہ بنا لیا۔ وہاں سے ہم پر حملہ کرنے لگے۔ انہوں نے شام کے ساڑھے
تین بجے تک حملہ جاری رکھا۔ اور اندر اترنے کی کوشش کرتے رہے۔ ہم نے ان پر
گولیاں برسانی شروع کیں۔ صرف مسٹر بکلی اور میں دو ہی بندوقیں چلا رہے
تھے دو بندوقیں ہم بھری ہوئی رکھتے اور دوسے فیر کرتے جاتے تھے۔ اور دو توپیں
میگزین کے دوسرے دروازہ پر رکھوا دی گئی تھیں۔ جن پر سب کنڈکٹر کراؤ۔ اور
سارجنٹ ایڈورڈ کو مامور کیا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں روشن فلیتے موجود تھے
مگر لفٹنٹ ولف بائی کا حکم تھا کہ تاوقتیکہ باغی دروازہ پر لپہ نہ کریں بتی نہ دکھائی
جائے۔ یہ دونوں میگزین میں مارے گئے۔ ایک توپ دریا کے رخ رکھی گئی
تھی اور کنڈکٹر شا کو اس پر مسلط کیا تھا۔ جو آخر کار کشمیری دروازہ کے محافظین کی طرف
بھاگا۔ اور نمبر ۵۴ دیسی پیدل رجمنٹ کے ایک سپاہی کی گولی سے ہلاک ہوا۔
لفٹنٹ ولف بائی اور میں بہت مستعدی دکھا رہے تھے۔ ایک پہرہ سے دوسرے

تک جاتے۔ ضروری احکام دیتے اور باغیوں کو منتشر کرنے کی فکر کرتے پھر رہے تھے۔ اسی اثنا میں اور ولعت بائی کی بار دروازہ تک گئے۔ اور جب باہر والوں سے دریافت کیا کون حملہ آور ہو رہا ہے۔ تو ہمیشہ یہی جواب ملا کہ بادشاہ کا ایک لڑکا اور ایک پوتا دونوں ہم پر حملہ کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں اور جتنے آدمی سیڑھیاں لگا کر چڑھے تھے وہ سب گیارہویں اور بیسویں دیسی پیدل رجمنٹ کے سپاہی تھے۔ ایک بجے کے قریب جو پیام آیا تھا میں کہنا بھول گیا۔ وہ یہ تھا کہ اگر وہ لوگ مطیع نہ ہوں گے تو ہم دیوار کا وہ حصہ جو بالکل کمزور ہے توڑ کر اندر داخل ہو جائینگے۔ چار بج چکے۔ کل گیارہ بجے تک کے لئے عدالت برخاست ہو گئی۔

نویں روز کی کارروائی

یوم جمعہ۔ ۶۔ فروری ۱۸۵۸ء

قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں آج عدالت منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ۔ ممبران۔ مترجم۔ ڈپٹی۔ جج۔ ایڈوکیٹ جنرل سب موجود ہیں

ملزم مع ان کے مختار غلام عباس کے عدالت میں لائے گئے۔

کپتان فارسٹ اسسٹنٹ کمشنری آف آرڈیننس طلب کئے گئے۔ اور گذشتہ بیان کی یاد دہانی کی گئی۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ ساڑھے تین بجے تک جو کچھ ہوا۔ وہ تم بیان کر چکے ہو بعد میں کیا ہوا؟

جواب۔ اس وقت تک میگزین بچانے میں ہم نے کثیر بارود گولی صرف کی مگر چونکہ سامان مختلف جگہوں پر رکھا ہوا تھا لہذا ہم زیادہ حفاظت نہ کر سکے کنڈکٹر بکلی کے شانے میں زخم لگ گیا تھا۔ اور میرے ہاتھ میں بھی دو زخم لگ چکے تھے۔ لفٹنٹ

ولف بائی جو صبح سے ساڑھے تین بجے تک ہمیں میگزین اڑانے سے باز رکھتے رہے صورت حالات کا معائنہ کرکے انہیں بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور ساڑھے تین بجے یہ دیکھکر کہ وہ وقت آگیا ہے جبکہ ایسا کیا جائے۔ انہوں نے آخری اشارہ کرنے کا حکم دیا۔ جو یہ تھا کہ کنڈکٹر بکلی پیچھے مڑکر اپنے سر سے ٹوپی اٹھائیں۔ اور کنڈکٹر اسکلی دیکھتے ہی نتابہ میں آگ دیدیں۔ جو بالکل تیار تھا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور کنڈکٹر اسکلی نے فوراً مڑکر نتابہ کو آگ دکھا دی۔ اور ایک سکنڈ میں میگزین بھڑک اٹھا۔ ہولناک آواز ہوئی۔ اور گردونپش کے ہزارہا ہندوستانی جل کر مر گئے۔ کہا جاتا ہے کہ دیواروں کے ٹکڑے نصف میل پر جا جا کر گرے۔ اور کئی انگریز عورتیں اور بچے جنہوں نے میگزین میں پناہ لی تھی۔ بہت بری طرح زخمی ہوئے۔ اور بعض مر گئے کنڈکٹر اسکلی کو خود سخت زخم آیا۔ میگزین کے اڑنے کے بعد جب میں نے اس کا چہرہ دیکھا تو جینے کی بہت کم امید تھی۔ ہاتھ اور چہرہ بالکل کوئلہ ہوگئے تھے مجھے صرف یہ اور کہنا ہے کہ دیسی آدمیوں میں سے کوئی ایک بھی میگزین میں نہ ٹھہرا (بنگالی مورخ بھی تسلیم کرتا ہے) انہیں پہلا موقعہ ملتے ہی ہتھیار رکھ کر وہ فرار ہوگئے۔ اور میگزین کی حفاظت کے لئے ہم لوگوں کو تنہا چھوڑ گئے۔ میگزین اڑاتے ہی میں اور لفٹنٹ ولف بائی کشمیری دروازہ کے محافظین کی طرف بھاگے۔ لفٹنٹ رینڈ اور مسٹر بکلی دوسری راہ سے بھاگے۔ اور آخرکار میرٹھ پہونچ گئے۔ بقیہ تمام یا تو میگزین میں جل گئے یا اس کے بعد بھاگتے ہوئے قتل ہوئے۔ دو تین روز بعد مسٹر ولف بائی بھی میرٹھ کے راستہ میں قتل کردیئے گئے۔

سوال۔ جو سیڑھی دیوار پر چڑھنے کے لئے لائی گئی تھی۔ وہ پرانی تھی یا قصداً اسی مقصد کے لئے تیار کی گئی تھی۔

جواب۔ میں سیڑھی کو صرف ایک فٹ تک دیکھ سکتا تھا۔ اور وہی حصہ دیکھ سکتا

۔جو دیوار سے اونچا تھا۔ لہذا ایسے سوالات کا جواب میں نہیں دے سکتا۔

ال۔ ہندوستانی عملے کی پوشاک یا عادت میں اس روز کوئی فرق معلوم ہوتا تھا
درسے پہلے کچھ ایسے آثار پائے جاتے تھے جس سے یہ معلوم ہو سکے۔ کہ انہیں اس
ہ کی پیشتر سے خبر تھی؟

اب۔ ان کی پوشاک میں میں نے کوئی فرق نہیں پایا۔ البتہ غدر کے کئی روز پہلے
، ان کی عادات میں فرق عظیم مشاہدہ کیا جاتا تھا۔ وہ ہماری توہین کرتے اور بسا
ات دھمکا دیتے تھے۔ خصوصاً مسلمان عملہ ایسی حرکتیں کرتا تھا۔ مسٹر بکلی نے بھی اسے
اہدہ کیا اور ہم دونوں آپس میں اس کی نسبت گفتگو کرتے رہتے تھے۔ گیارہ مئی کی
ج کو جب میں میگزین میں گیا تو میں نے دیکھا کہ محافظین وغیرہ نہایت نفیس لباس
نے ہوئے ہیں۔ جیسا کبھی انہیں پہنے نہیں دیکھا تھا۔ نیز میگزین کے مزدور اپنی معمولی
شاک میں نہیں تھے۔ بلکہ صاف پوشاک پہنے ہوئے تھے۔ میں نے لفٹنٹ ولف بائی
بھی مشاہدہ کرایا جنہوں نے میرے ساتھ اتفاق کیا اور کہا کہ مجھ کو بھی اس معاملہ سے
نت تشویش ہے۔

سوال۔ کیا تمہارے پاس کوئی شہادت ہے کہ میگزین کے ہندوستانی عملے نے
رتوسوں کی نسبت فوج کے سپاہیوں سے کچھ کہا ہو؟

واب۔ میں جب تک دہلی میں رہا۔ اس قسم کا کسی پر شبہ نہیں تھا۔ لیکن ۱۹ مئی کو
یرٹھ پہنچ کر ہسپتال میں داخل ہونے پر۔ کیونکہ میں زخمی ہو گیا تھا۔ توپخانہ ہسپتال کے
سارجنٹ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا دہلی کے میگزین میں کوئی دیسی ہوشیار شخص
بھی ملازم تھا؟ میں نے کہا۔ جی ہاں تھا۔ اور ایک شخص کریم بخش نامی کا ذکر کیا۔
جو نہایت عقلمند اور عالم آدمی تھا۔ فارسی نہایت اچھی طرح لکھ پڑھ لیتا تھا۔
اس سارجنٹ نے پھر مجھ سے ذکر کیا کہ صبح ایک ہندوستانی نے مجھ سے آکر

ہا ہے کہ دہلی کے میگزین سے کسی شخص نے تمام رجمنٹوں میں مراسلے بھیجے ہیں۔ کہ جو
ارتوس اس میگزین میں بنائے جاتے ہیں۔ ان پر چربی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اگر
گریز افسر کوئی بات اس بارے میں کہیں تو ان لوگوں کو ان کا مطلق اعتبار نہ کرنا
اہیے۔ یہ شخص کریم بخش جس وقت ہندوستانی میگزین پر حملہ آور ہو رہے تھے بہت سرگرمی
ظہار رہا تھا۔ اور حملہ آوروں سے سلسلہ جنبانی کر رہا تھا۔ اس کی تمام خصلت ایسی مشتبہ
ر آئی کہ لفٹنٹ ولف بائی نے اسے دروازے سے باہر کر دینے کا حکم دیا۔ اور کہا کہ اگر وہ
را کچھ اور سرگوشی کرے گا تو میں فی الفور اسے گولی مار دوں گا۔

جرح از ملزم

سوال۔ وہ لوگ کس قسم کی وردی پہنے ہوئے تھے جنہیں تم میرے سپاہی بتاتے ہو؟
میری طرف سے میگزین پر قبضہ کرنے گئے تھے؟

جواب۔ وہ ٹوپی پہنے ہوئے تھے نیلی پوشاک تھی جس پر پیتل کی ایک ڈاب تھی جس
ں بندوقیں لگی ہوئی تھیں۔ یہی وہ وردی تھی۔ جسے میں تیس برس سے آپکے توپخانہ
ے سپاہیوں کو پہنے دیکھتا ہوں۔ جب ان سے پوچھا گیا۔ کہ یہ کون لوگ ہیں تو سب
نے یک زبان ہو کر کہا کہ بادشاہ کے ملازم

عدالت نے اظہار لئے

سوال۔ تم نے کبھی غور کیا کہ یہ سیڑھیاں کہاں سے لائی گئی تھیں؟

جواب۔ نہیں۔ میں نے غور نہیں کیا۔

گواہ چلا جاتا ہے

لکھن۔ کپتان ڈگلس کا چوبدار عدالت میں طلب کیا گیا۔ اور قسم دی گئی۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا گذشتہ مئی کی گیارہ تاریخ کو کپتان ڈگلس کے پاس تم تھے؟

جواب۔ جی ہاں میں اس روز کپتان ڈگلس کے کمرے میں صبح سے ان کے قتل ہونے تک موجود رہا۔

سوال۔ اس موقع پر تم نے کیا کیا دیکھا؟

جواب۔ قریب ۷ بجے صبح ایک سوار قلعہ کے لاہوری دروازہ کے پاس آیا۔ اور اندر آنے کی اجازت طلب کرنے لگا۔ محافظ نے انکار کیا۔ مگر وہ ضد کرنے لگا۔ کپتان ڈگلس کو خبر دی گئی۔ جو فی الفور نیچے اتر آئے۔ اور آکر حال دریافت کرنے لگے۔ کپتان ڈگلس نے اس شخص سے دریافت کیا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ میرٹھ میں بغاوت کرکے آرہا ہے۔ اور اب دہلی کے ذرہ ذرہ کی حفاظت کریگا کپتان ڈگلس نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا مگر وہ بھاگ گیا۔ کپتان ڈگلس دروازہ سے پلٹ کر آرہے تھے کہ بادشاہ کا قاصد ملا۔ اور کہا کہ بہت سوار آرہے ہیں اور محل کے نیچے جمع ہورہے ہیں۔ کپتان موصوف اتنا سنتے ہی محل کی طرف چلے اور درباری کمرہ میں گھس کر برآمدہ میں پہونچے۔ وہاں سے ان سواروں سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا مطلب ہے۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا ہم نے میرٹھ میں بغاوت کی ہے۔ اور اب انصاف کی خاطر یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ کپتان ڈگلس نے کہا۔ فیروزشاہ کے پرانے قلعہ کو چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں انصاف مل جائیگا۔ اس کے بعد کپتان ڈگلس قلعہ کے لاہوری دروازہ کو واپس ہوگئے۔ جہاں جاکر سنا کہ مسٹر فریزر کوتوال کے ہمراہ انتظام کرنے کے لئے کلکتی دروازے گئے ہیں۔ کپتان ڈگلس نے مکان کی حفاظت کے لئے پہرہ متعین کیا۔ اور مسٹر فریزر کے پیچھے چلے گئے۔ میں اور چپراسی انہیں کے ہمراہ پیچھے پیچھے ہولئے جب کلکتی دروازہ پر پہنچے تو مسٹر فریزر۔ مسٹر ہچنسن اور دو صاحب اور موجود تھے۔ جن کے نام مجھے معلوم نہیں۔ مسٹر فریزر ہندوستانی کوتوال کو حکم دے رہے تھے۔ کہ دو سوار لیکر جاؤ۔ اور بندوبست میں کوئی فرق نہ آنے دو۔

جب وہ ادھر چلے گئے تو معاً چار یا پانچ سوار ننگی تلواریں لئے محل کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان میں سے ایک نے نزدیک آکر مسٹر فریزر پر پستول کا فیر کیا۔ مسٹر موصوف بگھی سے کود پڑے۔ اور بختاور سنگھ چپراسی نے پولیس کے پہرہ والے سپاہی کی بندوق لے کر اپنے آقا کو دیدی بندوق بھری ہوئی تھی۔ مسٹر فریزر نے فیر کیا جس سے وہ سوار اسی جگہ ڈھیر ہوگیا۔ اس کے ہمراہیوں کو اس سے اشتعال پیدا ہوا۔ اور انہوں نے جاتے جاتے مسٹر ہچنزن کو زخمی کر دیا۔ اسی اثناء میں عوام جمع ہوگئے۔ اور کپتان ڈگلس گھبرا کر قلعہ کی خندق میں کود پڑے جس سے ان کے پیروں اور پشت پر سخت چوٹ آئی۔ مسٹر فریزر لاہوری دروازہ تک اپنی بگھی میں بیٹھکر آئے۔ اور کپتان ڈگلس خندق کے اندر ہی اندر وہاں پہنچ گئے اسی اثنا میں مسٹر ہچنزن اور مسٹر جیننگس بھی پہونچ گئے تھے دروازہ پر پہنچکر کپتان ڈگلس کو باہر نکالا گیا۔ ان کی حالت نہایت ابتر تھی۔ اور سخت چوٹ آئی تھی انہوں نے کمرہ میں جس کا نام کلیات خانہ تھا پہونچانے کے لئے کہا اور انہیں وہاں پہونچا دیا گیا مسٹر فریزر بندوبست کرنے کے لئے نیچے رہ گئے تھے۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ حاجی لوہار نے ان کو تلوار سے کاٹ ڈالا۔ اور بادشاہ کے ملازموں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا حتی کہ ان کا بالکل کام تمام ہوگیا۔ میں زینے کے اوپر تھا۔ اور یہ واقعہ زینے کے نیچے ہوا تھا۔ مسٹر فریزر کے قاتلوں میں ایک حبشی بھی شریک تھا۔ قتل کر چکنے کے بعد وہ زینہ پر چڑھ گئے۔ اور کمرہ میں گھسنا ہی چاہتے تھے کہ میں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اور دوسری راہ سے جا کر ہر طرف کے دروازہ بند کرنے لگا۔ مجمع نے جنوبی رخ کے زینہ سے داخل ہونے کا موقعہ دیکھا۔ اور فوراً اندر گھس کر تمام دروازے کھول دیئے۔ جن سے بقیہ آدمی جن میں مسٹر فریزر کے قاتل بھی تھے کمرے میں گھس آئے۔ اور کپتان ڈگلس۔ مسٹر ہچنزن۔ مسٹر جیننگس اور دو نوجوان عورتوں

کو جو وہاں تھیں قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھتے ہی میں نیچے بھاگا۔ میں نیچے نہ پہونچنے پایا تھا کہ "محمدو" بادشاہ کا قاصد مل گیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا "فوراً بتاؤ کپتان ڈگلس کہاں ہے؟ تم لوگوں نے انہیں چھپا دیا ہے" اتنا کہہ کر وہ جبراً مجھے کھینچ کر او لے گیا۔ میں نے اُسے جواب دیا۔ تم لوگوں نے خود تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا ہے کپتان ڈگلس کے کمرہ میں پہنچکر میں نے دیکھا کہ وہ بالکل مردہ نہیں تھے۔ محمدو نے دیکھتے ہی لاٹھی کی کئی ضربیں ان کے سر پر لگائیں جس سے وہ بالکل مر گئے میں نے ان دونوں لیڈیوں کی اور دیگر لاشیں بھی دیکھیں۔ مسٹر ہچنیزن کی لاش ایک کمرے میں پڑی ہوئی تھی۔ اور دوسرے میں مسٹر جیننگس۔ وہ دونوں لیڈیاں اور کپتان ڈگلس کی لاشیں پڑی تھیں۔ مگر کپتان ڈگلس بستر پر پڑے ہوئے تھے۔ اور یہ سب فرش پر۔ ایک اور نو وارد انگریز جو اسی روز صبح کلکتہ سے آیا تھا۔ بھاگنے کی جد و جہد کر ہوا لاہوری دروازہ کے پاس کہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ مسٹر فریزر کی موت کے سوا گھ بعد تک انبوہ کثیر کمروں کا مال و اسباب لوٹتا رہا۔ اور ان کا قتل نو و دس کے درمیان ہوا تھا۔ میں نے اپنی جان کے خوف سے مکان کی راہ لی۔ اور تا وقتیکہ گورنمنٹ نے دہلی پر دوبارہ قبضہ نہ کر لیا۔ اپنے مکان سے باہر نہ نکلا۔

سوال جس وقت کپتان ڈگلس دیوان خاص میں گئے تھے کیا تم ان کے ہمراہ تھے اور کیا انہوں نے ملزم سے ملاقات یا گفتگو کی تھی؟

جواب جی ہاں۔ میں کپتان ڈگلس سے دو قدم پیچھے تھا اور انکے ہمراہ رہا۔ اور کہہ سکتا ہوں کہ نہ ملزم سے ملاقات کی نہ کسی قسم کی گفتگو اور اپنے مکان واپس آگئے۔

سوال کیا تمہیں یقین واثق ہے کہ گیارہ مئی کو صبح سے اپنے قتل ہونے تک کپتان ڈگلس نے بادشاہ سے گفتگو یا ملاقات نہیں کی؟

جواب مجھے یقین واثق ہے کہ انہوں نے صبح سے اپنے قتل ہونے تک بادشاہ

سے نہ ملاقات کی اور نہ گفتگو۔

سوال۔کیا دیوان خاص میں جاتے وقت تمہارے علاوہ کوئی اور بھی تھا؟

جواب۔جی ہاں۔بختاور سنگھ و کشن سنگھ قاصد تھے۔

سوالات جرح از ملزم

سوال۔کیا تمہارے سامنے کپتان ڈگلس نے ملزم سے نشست گاہ کا دروازہ کھلوانے کے لئے کہا تھا تاکہ باہر جا کر باغیوں سے گفتگو کریں؟

جواب۔جی ہاں۔انہوں نے کہا تھا۔اور کہا تھا کہ " باغیوں کے پاس جاؤنگا" مگر ہم نے ایسا کرنے سے منع کیا تھا۔

سوال۔کیا ملزم عبادت خانہ میں موجود نہیں تھے۔اس وقت جبکہ کپتان ڈگلس برآمدہ پر چڑھے تھے۔اور اس کے قبل کپتان نے موافق معمول کورنش نہیں کی؟

جواب۔جی ہاں۔بادشاہ وہاں تھے۔مگر کپتان ڈگلس وورسے کورنش کر کے گزر گئے۔گفتگو نہیں کی۔

سوال۔بادشاہ سے کپتان ڈگلس کتنے فاصلے پر تھے؟

جواب۔پندرہ قدم کے فاصلے سے تھے۔

سوال۔جب ملزم کپتان ڈگلس کو باغیوں کے پاس جانے سے روک رہے تھے کیا تم نے کچھ گفتگو سنی تھی؟

جواب۔جی نہیں۔میں نے نہیں سنی۔

سوال۔کیا اس روز کپتان ڈگلس اور حکیم احسن اللہ خاں میں کچھ گفتگو ہوئی تھی؟

جواب۔جی ہاں۔کپتان ڈگلس چوٹ لگنے کے بعد جب وہ کمرہ میں آگئے۔تو حکیم احسن اللہ خاں ان کے کمرے میں گئے تھے۔مگر میں اس وقت موجود نہیں تھا اور نہیں جانتا ان میں کیا گفتگو ہوئی۔

سوال۔ کیا تم جانتے ہو کہ احسن اللہ خاں اپنی مرضی سے گئے تھے یا طلب کئے گئے تھے
جواب۔ میں نہیں جانتا۔
سوال۔ جب کپتان ڈگلس قلعہ میں آئے تو حکیم احسن اللہ خاں سے یا مجھ سے یا
کسی اور شاہی ملازم سے کچھ گفتگو کی تھی؟
جواب مجھے خیال ہے کہ نہیں کی لیکن میں نے نزدیک سے نہیں دیکھا تھا۔

گواہ جاتا ہے

چار بج گئے۔ عدالت برخاست ہوتی ہے۔ اور ۸۔ تاریخ گیارہ بجے
تک کے لئے مقدمہ ملتوی کر دیا جاتا ہے۔

دسویں روز کی کارروائی

یوم دوشنبہ۔ ۸۔ فروری ۱۸۵۸ء

قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں آج بوقت ۱۱ بجے عدالت کا اجلاس ہوا۔
پریسیڈنٹ ممبران مترجم۔ ڈپٹی۔ جج۔ ایڈوکیٹ جنرل سب موجود ہیں۔
ملزم اپنے مختار غلام عباس کے ہمراہ عدالت میں حاضر کئے گئے۔
سر تھیوفلس مٹکاف کو عدالت میں طلب کیا گیا اور ان سے حلف لیا گیا۔

جج ایڈوکیٹ کا اظہار لینا

سوال ماہ مئی میں غدر سے چند روز قبل جامع مسجد دہلی کی دیوار پر کیا کوئی کاغ
چسپاں کیا گیا تھا۔ جسے شاہ ایران کا اعلان بتایا گیا ہو؟
جواب۔ جی ہاں۔ میلے سے کاغذ کا ایک چھوٹا ٹکڑا تھا جس کے دائیں اور بائیں
تلوار و ڈھال کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اس کا مضمون یہ تھا۔ کہ شاہ ایران عنقریب ا
ملک میں آنے والے ہیں۔ اور انہوں نے تمام دینداروں کو جو پیروان محمد ہوا

اپنے ساتھ متفق ہوکر کافر انگریزوں کو فنا کرنے کی دعوت کی ہے۔ اور جو لوگ اس کام میں شریک ہوں گے ان کے لئے اجرِ عظیم ہوگا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اشتہار دیکھکر دہلی کے پانچسو مسلمانوں نے جہاد کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔

سوال۔ کیا اس میں کچھ اور بھی تحریر تھا۔ کہ فرقہ شیعہ سنی اپنے اختلاف کو دور کرکے متفق ہوں۔ اور باہم ملکر انگریزوں سے جہاد کریں؟

جواب۔ جی نہیں۔ مجھے خیال نہیں کہ یہ تھا۔

سوال۔ کیا اشتہار مذکورہ جس کے لئے بیان کیا جاتا تھا کہ شاہ ایران نے بھیجا ہے۔ جعلی تھا؟

جواب۔ جی ہاں۔ میں تو ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔

سوال۔ یہ جامع مسجد کی دیوار پر کب تک چسپاں رہا؟

جواب۔ تقریباً تین گھنٹے تک۔ وہ رات کے وقت چسپاں کیا گیا تھا۔ مجھے ٹھیک تاریخ یاد نہیں۔ لیکن غدر کے چھ ہفتے پیشتر چسپاں ہوا تھا۔ یہ خوب یاد ہے۔ اور صرف تین گھنٹہ تک لگا رہا۔ صبح کے وقت اس کے پاس آدمیوں کا ہجوم لگ گیا۔ اور جب میں نے سنا تو جاکر اتار ڈالا۔

سوال۔ جہاں تک تم جانتے ہو کیا دہلی کے باشندوں کو اس کے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اور کیا اکثر اسی کا چرچا ہوتا رہتا تھا؟

جواب۔ جی نہیں۔

سوال۔ کیا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی تھی۔ کہ یہ کہاں سے آیا؟

جواب۔ بالکل نہیں۔ یہ بالکل مہمل تصور کیا جاتا تھا۔ عام خیال تھا کہ کسی بدمعاش نے چسپاں کردیا ہوگا پھر اس کے لئے تحقیقات لاحاصل تھی۔

سوال۔ کیا کسی اور وجہ یا بنا پر تم کہہ سکتے ہو کہ اس وقت دہلی کی مخلوق میں

گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف کسی قسم کی بغاوت کے آثار پائے جاتے تھے؟
جواب۔ جی نہیں۔ دہلی کی مخلوق میں نہیں پائے جاتے تھے بلکہ وہ تو فوجی سپاہیوں میں گورنمنٹ کی وفاداری کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اور اکثر اس مضمون پر مباحثے ہوتے رہتے تھے مگر غدر سے تقریباً پندرہ روز قبل صحیح طور سے اطلاع ملی تھی کہ مجسٹریٹ کے نام ایک گمنام خط بھیجا گیا تھا۔ کہ کشمیری دروازہ بہ سبب شہر بھر میں مستحکم مقام ہونے کے اور دہلی چھاونی کی شاہراہ ہونے کے باعث انگریزوں سے چھین لیا جائے گا۔ اور جب کبھی شہر میں بلوہ ہوگا سب سے پہلے اسی مقام پر قبضہ کیا جائے گا۔ یہاں فوجی گارد متعین رہتا ہے اور جنگی نقطۂ نظر سے اسی مقام پر پہلے قبضہ کرنا چاہیئے۔ یہ خبر بالکل راست تھی اور اس سے اہل دہلی کے بعد کے خیالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے مگر انہیں برانگیختہ کیا گیا تھا۔ ان کے جذبات کو مشتعل کرنے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بادشاہ کے ایک شیدی ملازم نے جو قلعہ میں رہتا تھا نمبر ۴ بے قاعدہ سواروں کی رجمنٹ کے رسالدار کو خفیہ طور پر بہکایا تھا۔ کہ ہماری ملازمت چھوڑ کر بادشاہ کی ملازمت کرے۔ اور بغرض ترغیب یہ کہا کہ موسم گرما میں روسی ہندوستان میں آئیں گے اور انگریزی سلطنت کا خاتمہ ہو جائیگا۔ رسالدار نے مجھے اس کی اطلاع دی تھی۔ اس کا نام ایوریٹ ہے وہ انگریزی گفتگو کر سکتا ہے۔ اور انگریزی خون سے ملک پیدا ہوا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ چھ ماہ پیشتر بادشاہ نے روس کو سفیر روانہ کئے تھے۔ رسالدار مذکور ابھی ہلاسپور میں ہے۔
سوال۔ کیا تم چپاتیوں کی بابت عدالت کو کوئی اطلاع دے سکتے ہو۔ جو غدر سے چند ماہ قبل گاؤں گاؤں تقسیم کی گئی تھیں۔ ان کی اصلیت یا تقسیم کئے جانے کا مطلب بھی معلوم ہوا؟
جواب۔ ان کی بابت صرف خیال ہی خیال ہے۔ لیکن پہلا اعتقاد جو ہندوستانیوں

میں تھا وہ یہ ہے کہ یا تو وہ کسی بیماری یا آفت کے سلسلہ میں بھیجی گئی تھیں مگر یہ غلط فہمی تھی جب میں نے تحقیقات کی تو ثابت ہوا کہ گورنمنٹ مواضع ہی تک محدود تھیں۔ کسی ریاست میں نہیں بھیجی گئیں وہ صرف حدود دہلی کے چار پانچ گاؤں میں تقسیم ہوئی تھیں۔ کہ ذمہ دار حکام نے آگے بڑھنے سے روک دیا میں نے ان اشخاص کو اپنے روبرو طلب کیا۔ جو ضلع بلند شہر سے یہاں لاکر تقسیم کر رہے تھے۔ ان کی عذر خواہی یہی تھی کہ گورنمنٹ کے حکم سے تقسیم کی جا رہی ہیں۔ اور یہ کہ جس طرح وہ تقسیم کر رہے ہیں اسی طرح انہیں بھی تقسیم کی گئی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ حدود دہلی میں چپاتیوں کا مدعا نہیں سمجھا گیا تھا۔ کیونکہ درحقیقت یہ ان لوگوں کے لئے تھیں جو ایک ہی ساتھ بیٹھکر کھانا کھا لیتے ہوں اور ان لوگوں سے امتیاز کرنے کے لئے تھیں جو باہم اختلاف رکھتے ہیں اور مختلف رسم و رواج کی پابندی کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ چپاتیوں کی ابتدا لکھنؤ سے ہوئی اور کچھ شک نہیں کہ اپنے ہم خیالوں میں جوش پھیلانا اور انہیں طیار رہنے کی ہدایت کرنا مقصود تھا۔ تاکہ وقت پر ایک دوسرے کو سہارا دیں۔ اور آنے والے خطرات کا مستعدی سے مقابلہ کریں۔

سوال۔ کیا تم نے سنا ہے کہ ہرات کی طرف ایرانیوں کی پیشقدمی کا ہندوستانیوں میں بہت چرچہ ہوا کرتا تھا؟

جواب۔ جی ہاں۔ کثرت سے اور اکثر روسیوں کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی بھی افواہ تھی۔ ہر ایک اخبار کا نامہ نگار کابل میں رہتا تھا۔ اور وہاں سے شمالی خبر رسانی ہوتی تھی۔ ہر ایک اخبار میں شمالی خبروں کا ایک حصہ ضرور رہتا تھا۔

سوال۔ تم جانتے ہو وہ شیدی جس نے مسٹر ایورٹ کو گورنمنٹ کی ملازمت ترک کرنے کی ترغیب دی تھی اب کہاں ہیں؟

جواب۔ وہ عرب سرائے میں قتل کر دیا گیا۔

سوال: کیا تم عدالت کو بتا سکتے ہو کہ سپاہیوں یا دیسی آبادی میں اسی قسم کا کوئی اور خیال بھی پھیلا ہوا تھا؟

جواب۔ جی ہاں۔ مجھے معلوم ہے کہ غدر کے پانچ یا چھ ہفتے قبل سپاہیوں کی لائنوں میں یہ خبر مشہور تھی۔ اور کثرت سے تذکرے ہوتے تھے کہ دس لاکھ روسی شمال کی جانب سے آ رہے ہیں۔ اور گورنمنٹ کمپنی بہت جلد نیست و نابود ہو جائیگی روسیوں کی فوج کشی تو عام طور پر مشہور تھی۔

سوال۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ بادشاہ دہلی ان کے رشتہ دار یا متعلقین غدر سے پہلے کمپنی کی فوج سے پوشیدہ خط و کتابت یا پیام رسانی کرتے تھے۔

جواب۔ جی نہیں میں اس معاملہ پر رائے زنی نہیں کر سکتا۔

سوال۔ کیا تم جانتے ہو۔ کہ شاہ دہلی نے شاہ ایران کے پاس خطوط یا سفیر پوشیدہ روانہ کئے تھے؟

جواب۔ میں نے سنا ہے کہ انہوں نے روانہ کئے تھے مگر یقیناً نہیں کہہ سکتا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ ہٹ جاتا ہے۔

پیرزادہ حسن عسکری عدالت میں طلب کئے جاتے ہیں۔ اور حلف اٹھاتے ہیں۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا تم ایام غدر میں دہلی میں تھے۔ اگر تھے تو کیا کام کرتے تھے؟

جواب۔ جی میں دہلی میں تھا۔ میرا کام پیری مریدی تھا۔ ایک موقع پر بادشاہ بیمار ہوئے۔ اور کئی درویش دعا کرنے کے لئے آئے تھے۔ اس وقت مجھے بھی طلب کیا گیا تھا۔ جب میں نے کچھ دعائیں پڑھ کر دم کیں۔ اور بادشاہ نے شفا پائی

تو اکثر مجھے طلب کرنے لگے۔ لیکن بار بار کی طلبی سے عاجز آ کر میں نے بادشاہ سے التجا کی کہ آیندہ مجھے نہ طلب کیا جائے۔ اس وقت بادشاہ نے قسم کھا کر وعدہ کیا کہ اب وہ صرف اسی وقت بلایا کریں گے جب بہت سخت بیمار ہونگے۔

سوال۔ کیا شیدی قنبر شاہی ملازم کو تم جانتے ہو۔

جواب۔ میں بادشاہ کے اکثر مسلح حبشی مصاحبین کو صرف صورت سے پہچانتا ہوں دو تین کے نام بھی جانتا ہوں مگر شیدی قنبر ان میں سے نہیں ہے۔

سوال۔ عدالت ہذا کے روبرو شہادت دی گئی ہے کہ تم نے ایک حبشی شیدی قنبر نامی کو شاہ دہلی کا خط دیکر شاہ ایران کے پاس روانہ کیا۔ تم اسکی بابت کیا کہتے ہو؟

جواب۔ میں اس معاملہ میں کچھ نہیں جانتا۔

سوال۔ شہادت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمہیں پیشین گوئی کرنے کا زعم ہے۔ خوابوں کی تعبیر بتلاتے ہو۔ آسمان سے تمہیں الہام ہوتا ہے۔ صاحب کرامت ہونے کا تمہیں دعوے ہے۔ چنانچہ خود ملزم نے انہیں صحیح تسلیم کیا ہے ان کے لئے تم کیا جواب رکھتے ہو؟

جواب۔ میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں نے ہرگز اس قسم کا حیلہ و مکر نہیں کیا۔

سوال۔ بموجب تمہارے قول کے بادشاہ پر تم نے دم کیا تھا کیا تمہارے سانس میں تاثیر شفا تھی؟

جواب۔ ہماری کتاب میں لکھا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کے لئے دعا کرتا ہے اور پڑھ کر دم کرتا ہے تو اُسے یقینی فائدہ ہوتا ہے۔

سوال۔ تم نے کبھی بادشاہ سے ذکر کیا تھا کہ خواب میں مغرب کی طرف سے بگولہ اُٹھتا ہوا تمہیں نظر آیا۔ یا کوئی آفت جو ہندوستان پر آنے والی ہو دکھائی دی پھر سیلاب نے آ کر اُسے روند ڈالا۔ یا انگریزوں کو زوال ہوگا۔ اور بادشاہ تخت نشین ہونگے

جواب۔ خدا جانتا ہے مجھے کبھی ایسا خواب نظر نہیں آیا۔ نہ میں نے کبھی ایسا کہا۔
سوال۔ شہر دہلی کو تم نے کب چھوڑا تھا۔ اور تمہارے روپوش ہو جانے کی کیا وجہ تھی یہاں تک کہ پولیس نے تمہیں ڈھونڈ نکالا؟
جواب۔ جب یہ ہر طرف مشہور ہو گیا کہ شہر میں قتل عام ہو گا۔ اور میں نے لوگوں کے غول کے غول فرار ہوتے اور شہر سے باہر نکلتے دیکھے۔ تو میں بھی چلا گیا۔ پہلے میں درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا صاحب میں مقیم رہا۔ حتے کہ وہاں سے بھی چلے جانے کے لئے کہا گیا۔ بعد کو قطب صاحب کو چلا گیا۔ وہاں سے گڑھی ہرسرو پہونچا۔ جہاں میں بیمار پڑ گیا۔ میں کئی مقامات پر پہونچا۔ آخر کار لکھنوتی آیا۔ جہاں معلوم ہوا کہ گنگوہ میں میری جستجو ہو رہی ہے۔ میں نے اپنی مرضی سے وہاں جانے کی ٹھانی اور چلا گیا میرے بھائیوں کو میرے آنے کی خبر پہونچی۔ اور جب میں درگاہ امام صاحب میں بیٹھا ہوا اوراد پڑھ رہا تھا۔ سپاہیوں نے تنہا پا کر گرفتار کر لیا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ جاتے ہیں۔

بختاور سنگھ چپراسی گواہ سرکاری آیا اور اس سے سچ کہنے کیلئے قسم لی گئی۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا گذشتہ مئی کی گیارہ تاریخ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب۔ جی میں تھا۔

سوال۔ اس موقعہ پر جو کچھ تم نے دیکھا ہو بیان کرو؟

جواب۔ میں نوکری پر تھا۔ خندق صاف کرا رہا تھا۔ اور حساب کی کتاب لیکر کپتان ڈگلس کے معائنہ کے لئے لے جا رہا تھا۔ میں ہنوز راستہ میں تھا کہ ایک سوار کلکتی دروازے کی طرف سے گھوڑا بھگاتا ہوا آیا۔ اور قلعہ کے دروازہ کے پاس جہاں

کپتان ڈگلس کھڑے تھے گیا۔ میں نے کپتان ڈگلس کو اس شخص سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا۔ اور پھر اس سوار نے اپنا گھوڑا پھیرا۔ اور بھگتا ہوا چلا گیا۔ کپتان ڈگلس نے مجھے کمرے پر ٹھیرنے کے لئے کہا اور کہنے لگے کہ میں قلعہ میں ہو آؤں تم یہیں ٹھیرو میں بہت جلد واپس آؤں گا۔ پھر کپتان ڈگلس چلے گئے۔ اور میں دروازہ پر ٹھیر رہا۔ لکھن کشن سنگھ اور دیگر لوگ انہیں کے پیچھے چلے گئے۔ کپتان ڈگلس کے جانے کے بعد مسٹر فریزر بگھی میں بیٹھ کر آئے۔ اور ان کی بابت مجھ سے دریافت کرنے لگے۔ وہ بگھی سے اتر کر تھوڑی دور چلے پھر کہنے لگے۔ کپتان ڈگلس آجائیں تو کہدینا میں کلکتی دروازہ جاتا ہوں ان کے جانے کے بعد میں بھی بادشاہ کے کمرہ کی طرف چلا۔ راہ میں کپتان ڈگلس پریشان حالت میں مل گئے۔ میں نے مسٹر فریزر کا پیام ان کو سنایا کپتان ڈگلس قلعہ کے لاہوری دروازہ پر پہونچے۔ اور ہندوستانی گارڈ کے افسر کو پھاٹک بند کر دینے کے لئے کہا۔ جو کر دیا گیا۔ انہوں نے یہ حکم بھی دیا کہ قلعہ جانیوالے پل پر ہجوم نہ ہونے پائے۔ اسی وقت بادشاہ کا افسر جو کپتان کے عہدہ پر مامور تھا۔ دہلی کی سڑک سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ دروازہ بند تھا۔ اور کپتان ڈگلس کی بگھی اندر تھی۔ انہوں نے مجھے دیسی افسر کی بگھی کلکتی دروازہ تک چلنے کے لئے مانگنے کی ہدایت کی۔ پھر کپتان ڈگلس اس میں بیٹھ گئے۔ اور میں پیچھے جا بیٹھا۔ کلکتی دروازہ پر مسٹر فریزر، مسٹر نکسن ہیڈ کلرک۔ چار پانچ انگریز تھے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ بند کر دیا گیا۔ مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس دونوں ایک بگھی میں بیٹھ گئے۔ اور دیگر انگریزوں کے ساتھ جو گھوڑوں پر سوار تھے قلعہ کی طرف آنے لگے لیکن تھوڑی دور بھی نہ گئے ہونگے کہ چار پانچ سواروں نے جو تالاب کی سمت سے تیزی سے گھوڑے دوڑاتے چلے آرہے تھے۔ نزدیک پہنچکر ایک نے مسٹر ہچنسن کو پستول کی گولی سے مجروح کیا دیگر سواروں نے بھی فیر کئے مگر خطا کر گئے۔ مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس بگھی سے اتر کر باغیوں کی رد سے

ہٹ گئے اور پھاٹک کے محافظ سپاہیوں کے پاس جا کھڑے ہوئے اسوقت
دو انگریز اور انہیں کے پاس آ گئے۔ مسٹر فریزر نے ایک سپاہی کی بندوق لیکر ایک
سوار کے تاک کر گولی مار دی۔ پھر دوسروں کے قدم نہ جم سکے۔ اور منہ پھیر کر بھاگ
گئے۔ اسوقت وہاں انبوہ کثیر اکٹھا ہو گیا اور کپتان ڈگلس اور ایک صاحب خندق
میں گھبرا کر کود پڑے اور اسی کے اندر اندر قلعہ کے دروازہ تک چلے گئے مسٹر فریزر اور
دیگر صاحبان سڑک پر سے وہیں پہونچ گئے۔ لیکن میں نہیں بیان کر سکتا کہ اسوقت کیوں
اتنی گھبراہٹ تھی۔ بسبب زخم کے جو خندق میں کودنے سے لگے تھے۔ کپتان ڈگلس پر
بیہوشی طاری تھی۔ ہم نے انہیں کمرہ کلیات خانہ میں لیجا کر بستر پر لٹا دیا مگر لیجانیکے پہلے
مسٹر جیننگس پادری صاحب نے آ کر کہا تھا کہ کپتان ڈگلس کو کمرہ پر لے چلو پھر ہمیں
طبیب شاہی کو بلا لانے کا حکم ملا۔ اور عبداللہ چپراسی فوراً انہیں بلا لایا حکیم احسن اللہ خاں
کے جانے کے تھوڑے عرصہ بعد بادشاہ کے تقریباً پانچ مسلمان ملازم "دین" "دین"
کے نعرے مارتے ہوئے آئے اور اسی وقت مسٹر فریزر بھی اوپر چڑھنا چاہتے تھے
جن پر ان لوگوں نے حملہ کیا اور تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ یہ شمالی زینہ پر ہوا
تھا۔ اسی وقت ایک ہجوم جو تلوار اور لاٹھیوں سے مسلح تھا۔ جنوبی زینہ سے اوپر چڑھ
آیا اور تمام کمروں پر قبضہ کر لیا۔ نیچے والے بھی آ کر اس سے مل گئے۔ اسوقت ہر شخص
اپنے بچاؤ کی فکر کر رہا تھا۔ میں نے بھی یہی کیا۔ اس تاریخ سے پھر میں نے قلعہ کا رخ
نہیں کیا۔ یہاں تک کہ دہلی سے جوبکے کٹرہ کو چل دیا۔ یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے
کہ حملہ آور گروہ کا سردار اڑتیسویں دیسی پیدل رجمنٹ کا حوالدار تھا۔ جو مسلمان تھا اور
قلعہ کے لاہوری دروازہ کے گارد میں تھا۔ اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ ہٹ جاتا ہے۔

کشن سنگھ چپراسی ملازم گورنمنٹ طلب کیا جاتا ہے اور اس سے حلف لیا جاتا ہے۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا گیارہ مئی گذشتہ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب۔ جی ہاں۔ میں کپتان ڈگلس کی اردلی میں تھا۔

سوال۔ کیا کپتان ڈگلس بادشاہ کے کمرہ میں برآمدہ کے نیچے کھڑے ہوئے باغیوں سے گفتگو کرنے گئے تھے اگر ایسا تھا تو کیا بادشاہ سے بھی گفتگو کی تھی اور اس وقت تم موجود تھے؟

جواب۔ جی ہاں۔ میں موجود تھا۔ کپتان ڈگلس اور بادشاہ سے تھوڑی دیر گفتگو ہوتی رہی۔ بادشاہ نے انہیں کہا تھا کہ باغیوں کے پاس نہ جائیں مگر جب کپتان ڈگلس نہ مانے تو انہوں نے اپنے ملازم کے ہاتھ دروازہ بند کرا دیا تھا تاکہ وہ باہر نہ جانے پائیں۔

سوال۔ جب یہ کہا گیا تھا اس وقت کپتان ڈگلس کتنے فاصلے پر تھے؟

جواب۔ وہ چلے جاتے تھے۔ بات کرنے کو کھڑے نہ ہوئے تھے۔ وہ چار قدم گئے ہونگے کہ بادشاہ عبادتخانہ دروازہ پر آکے کھڑے ہوگئے۔

سوالات جرح از ملزم

سوال۔ واپس ہوتے ہوئے کپتان ڈگلس دیوان خاص میں سے گئے یا کسی اور راستہ سے؟

جواب۔ وہ عبادت خانے کی دوسری راہ سے گئے تھے۔

سوال۔ کیا ملزم نے یہ نہیں ظاہر کیا تھا کہ انگریزی سلطنت میں انہیں بہت آرام حاصل ہے؟

جواب۔ جی نہیں۔ گورنمنٹ کی نسبت انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن کپتان ڈگلس کی نسبت کہا تھا کہ وہ ملزم پر بہت مہربان ہیں۔

سوال۔ کیا کپتان ڈگلس نے ملزم سے برآمدہ کے نیچے جانے کی استدعا نہیں کی تھی۔ اگر نہیں کی تھی۔ تو ملزم کو کیونکر معلوم ہوگیا کہ وہ ایسا کرنے والے ہیں؟

جواب۔ مجھے اچھی طرح خیال نہیں۔ نو بجے کا واقعہ ہے۔ البتہ کپتان ڈگلس نے نیچے کا دروازہ کھلوانا چاہا تھا۔

چار بج گئے کل گیارہ بجے تک کیلئے عدالت برخاست ہوئی۔

گیارہویں روز کی کارروائی

یوم سہ شنبہ۔ مورخہ ۹۔ فروری ۱۸۵۸ء

آج پھر قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں عدالت گیارہ بجے منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ۔ ممبران۔ جوری۔ مترجم۔ ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم ان کے مختار غلام عباس سمیت عدالت میں لائے گئے۔

چنی پبلک اخبار نویس طلب کیا گیا۔ اور اس سے حلف اٹھوایا گیا۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا گذشتہ مئی کی گیارہ تاریخ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب۔ جی میں اپنے مکان میں تھا۔

سوال۔ کیا تم نے میرٹھ سے آتے ہوئے سپاہیوں کو دیکھا تھا۔ اگر دیکھا ہو تو جو کچھ تمہیں اس کے متعلق معلوم ہو بیان کرو۔

جواب۔ نہیں میں نے انہیں آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لیکن دروازے کے پھاٹک بند ہو جانے کی خبر سنکر میں باہر دیکھنے گیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ چاندنی چوک کی سڑک پر جب میں پہونچا تو دیکھا کہ کوتوال دوکانیں بند کرانے میں مصروف ہیں۔ انہیں سے یہی سنا کہ سر تھیوفلس مٹکاف بھی انتظام میں مصروف ہیں۔ میں ایک ہجوم کے ہمراہ کلکتی دروازہ کی طرف گیا۔ اور مسٹر فریزر اور چار پانچ انگریزوں کو وہاں دیکھا مسٹر فریزر کے ہمراہ جھجر کے سوار تھے اور وہ کوتوال شہر شریف الحق، اور پولیس آفسر سبزی منڈی

درجہ دوم کے ہمراہ دروازہ پر چڑھے۔ پھر اُتر گئے اور جھجر کے سواروں کو صف باندھکر کھڑے رہنے کا حکم دیا۔ اور خود بھی ان میں کھڑے ہو گئے۔ دربان سپاہی صف بستہ تھے اور انہیں تلواریں برہنہ کرنے کی ہدایت کی جا چکی تھی۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور اُدھر پانج کی طرف سے چھ شخص اونٹوں پر سوار ہو کر چلے آ رہے تھے۔ ایک بندوق کی زد پر ٹھہر کر انہوں نے انگریزوں پر متواتر فیر کئے۔ جس سے مجمع ہر چہار طرف منتشر ہو گیا۔ اور میں بھی اپنے مکان چلا آیا۔ آنے سے قبل اتنا ضرور میں نے دیکھا کہ جھجر کے سواروں نے ان لوگوں سے کچھ مزاحمت نہیں کی بلکہ مسٹر فریزر کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے بعد ازاں میں مکان سے نہیں نکلا۔ اور اس روز کے کسی اور حادثہ سے محض ناواقف ہوں۔

سوال جس وقت تم کلکتی دروازہ پر گئے کیا بہت ہجوم وہاں جمع ہو گیا تھا؟

جواب۔ تخمیناً چار یا پانچسو آدمی اس مختصر جگہ میں تھے۔ جسے انگوری باغ کہتے ہیں۔

سوال۔ ایسا کب ہوا تھا؟

جواب۔ قریب نو بجے کے مگر میں ٹھیک وقت نہیں بتا سکتا۔

سوال۔ جب وہ عام راستہ نہیں تھا تو کیوں اتنا ہجوم جمع ہو گیا؟

جواب۔ خلاف معمول پھاٹک بند ہو جانے کی وجہ سے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ اور اشنان کرنے والوں کی جماعت غیر معمولی سرعت سے دوڑی آئی تھی تاکہ پھاٹک بند ہونے سے قبل وہ نکل جائے۔

سوال۔ تم کہتے ہو کہ تم اخبار نویس تھے۔ پس جو واقعات گزرے تمہیں ان سے پوری واقفیت ہونی چاہئے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ جو حادثہ گیارہ مئی کو ہونے والا تھا۔ دو یا تین روز قبل اسکا کچھ چرچا نہ تھا؟

جواب۔ جو واقعہ خصوصیت سے گیارہ مئی کو ہوا۔ اُس سے مجھے اصلا واقفیت نہیں تھی لیکن شہر میں بہت جوش و اشتعال پھیلا ہوا تھا۔ شاہ ایران کے اعلان انبالہ کے

بنگلوں کو جلا ڈالنے کی خبریں۔ مجرب کارتوسوں سے سپاہیوں کی دل شکنی یہ افواہیں جا بجا پڑی تھیں۔

سوال۔ کیا تم نے کوئی خاص اخبار جاری کیا تھا اگر کیا تھا تو اسکا کیا نام رکھا تھا؟

جواب۔ میں نے جاری کیا تھا۔ وہ کسی نام سے نہیں پکارا جاتا تھا۔ بلکہ مضامین کے لحاظ سے لوگ دہلی اخبار کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ میں اسے روزمرہ لکھتا اور اپنے خریداروں کو پڑھ کر سنا دیا تھا۔

سوال۔ کیا تم اس کی نقل فائل میں رکھتے تھے۔ اور اگر رکھتے تھے۔ تو کیا اب بھی تمہارے پاس موجود ہے؟

جواب میں نے غدر کے پہلے اور بعد کی اصل کاپیاں جمع کیں اور انہیں فائل کر دیا۔ گیارہ مئی سے کئی روز تک کی کاپیاں نہیں تھیں مگر نند کشور کی مدد سے دہلی پر قبضہ ہو جانے کے بعد میں نے وہ کمی پوری کر لی۔ اور کرنیل برن ملٹری گورنر دہلی کے سپرد کر دیں۔ جنہوں نے ان کا ترجمہ کر لیا۔

سوال گیارہ مئی کو مسٹر فریزر کے ہمراہ جھجر کے کتنے سوار تھے؟

جواب۔ گارد میں مع افسروں کے بائیس یا تیئس آدمی تھے۔ اور جس وقت حملہ ہوا وہ سب مسٹر فریزر ہی کے ہمراہ تھے۔

سوال۔ تم نے بیان کیا ہے کہ تمام آدمی اگرچہ باقاعدہ صف بندی کئے ہوئے تھے لیکن صرف چھ سواروں کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ جو کچھ ہونے والا تھا اس کا انہیں پہلے ہی سے علم تھا؟

جواب۔ میرا خیال ہے کہ پہلے سے علم نہیں تھا لیکن باغی "دین دین" چلاتے آرہے تھے اس وقت جھجر والے بھی چلانے لگے اور ان میں جا کر مل گئے۔ مسٹر فریزر تنہا رہ گئے۔

سوال۔ تم نے پہلے تو یہ نہیں بتایا کہ وہ لوگ دین دین چلا رہے تھے۔ اسے کیوں بھلا

دیا تھا؟

جواب۔ آٹھ مہینے گذر گئے۔ جب یہ سب کچھ ہوا تھا۔ اب متفرق باتیں یاد آتی جاتی ہیں۔ جب میں جانے لگا تو باغی سوار دین دین پکار رہے تھے۔ اور دو طرفہ ہجوم سے کہہ رہے تھے کہ وہ ہندوستانیوں کو نہ ستائیں گے نہ ہاتھ لگائیں گے۔

سوال۔ گیارہ مئی سے قبل تم اپنے اخبار میں کس قسم کے مضمون لکھا کرتے تھے۔ کیا ہندوستانی سپاہ کی بابت بھی کبھی کوئی مضمون نکلا تھا یا ان کی ناراضگی کا ذکر کیا تھا؟

جواب۔ میرے اخبار میں ہر قسم کے عامیانہ مذاق کے مضامین اور وہ جو میں مطبوعہ پرچوں سے نقل کر لیتا تھا درج ہوتے تھے۔ مسئلہ کارتوس اور اسپرٹ پر بھی کبھی روشنی ڈالی تھی۔

سوال۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ ہرات کی طرف ایرانیوں کی پیش قدمی کی بھی کوئی خبر درج کی تھی یا مضمون لکھا تھا؟

جواب۔ مجھے یاد نہیں کہ یقیناً میں نے ایسا کیا ہو لیکن علی العموم ایسی خبریں جن کا تعلق ایران سے تھا شہر کے فارسی اخبارات سے اخذ کر لیتا تھا۔

سوال۔ جب تم خود اپنے خریداروں کو پڑھ کر سنادیا کرتے تھے۔ تو تم ضرور جانتے ہو گے کہ پبلک کو کن مضامین سے دلچسپی رہتی تھی۔ کیا سپاہیوں میں ناراضگی پھیلنے کو دلچسپی سے سنا جاتا تھا؟

جواب۔ ہندوؤں میں تو کوئی جوش نہیں پھیلا۔ مگر مسلمان ایرانی خبروں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ اور شیخیاں بگھارتے تھے۔ مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے تھے کہ ایرانی عنقریب آئیں گے۔ یہ کریں گے وہ کریں گے۔ سپاہیوں میں ناراضگی پھیلنے کو بھی صرف مسلمان بہت دلچسپی سے سنتے تھے۔ اور اس سے ان میں جوش وغضب پیدا ہو گیا تھا۔

سوال۔ جس زمانہ میں ایرانیوں کی آمد کا ذکر تھا کیا روسیوں کی بابت بھی کچھ چرچا ہوتا تھا؟

جواب - جی ہاں - ان دونوں کا ذکر ہوتا تھا لیکن ایرانیوں کا کثرت سے۔

سوال - کیا دہلی سے کوئی دیسی اخبار نکلتے تھے جنکا منشا گورنمنٹ برطانیہ کی مخالفت تھا؟

جواب - ایسا ایک پرچہ تھا جو جمال الدین کی طرف سے ہفتہ وار شائع ہوتا تھا اس کے مضامین گورنمنٹ سے عداوت ظاہر کرتے تھے اور صادق الاخبار کہتے تھے۔

سوال - کیا یہ پرچہ کثرت سے شائع ہوتا تھا - اور چھپا ہوا ہوتا تھا؟

جواب - اس کی تعداد اشاعت شہر میں اور شہر کے باہر دو سو تھی - اور لیتھو پریس میں طبع ہوتا تھا۔

سوال - کیا یہ پرچہ اپنی ہفتہ وار اشاعت پر اکتفا کرتا تھا - یا خبریں بہم پہونچنے پر ضمیمے بھی نکالا کرتا تھا؟

جواب - جی ہاں - غیر معمولی خبریں آنے پر ضمیمہ جات بھی شائع کرتا تھا۔

سوال - کون اور کس طبقہ کے افراد میں اس کی اشاعت زیادہ ہوتی تھی؟

جواب - ہر طبقہ میں بدوں تخصیص مذہب کے یہ مقبول تھا۔

سوال - اتنے بڑے شہر دہلی کے لئے مقبول عام اخبار کی دو سو کا پیاں تو بہت کم ہیں کیا ہندوستانیوں میں مروج ہے کہ ایک اخبار کئی لوگوں کو سنانے کے لئے خرید لیا جائے کس طرح ایک پرچہ کئی خاندانوں کے لئے کافی ہوتا ہوگا؟

جواب - جی ہاں - خریدار پڑھ کر اپنے پرچے دوستوں اور عزیزوں کو پڑھنے کے لئے دے دیتے ہیں۔

سوال - کیا دہلی میں صادق الاخبار مقتدر آرگن مانا جاتا تھا - اور تعداد اشاعت میں دوسرے پرچوں سے بڑھ کر تھا؟

جواب - جی ہاں یہ مقتدر آرگن خیال کیا جاتا تھا اس کے مضامین نہایت عمدہ اور انگریزی اخبارات کا اقتباسات ہوتے تھے مسلمانوں میں بہت منظور نظر تھا - دیگر اخبارات سے

اور اس سے کثرت اشاعت کا توازن تو میں نہیں کر سکتا۔ البتہ وہ بہ نسبت کسی ہندوستانی ہمعصر کے زیادہ طبع ہوتا تھا۔

سوال۔ تم نے بیان کیا ہے کہ وہ گورنمنٹ برطانیہ سے عداوت رکھتا تھا۔ کیا تمہیں کوئی خاص مضمون یاد ہے جس میں ایسے جذبات کو ظاہر کیا گیا ہو؟

جواب۔ میں کوئی ایسا خاص مضمون نہیں یاد رکھ سکا جس میں ایسے جذبات کو زیادہ وضاحت سے ظاہر کیا گیا ہو۔ لیکن ایران و روس کے متعلق جو کچھ لکھا انگریزوں کے لئے الفاظ سخت برتے ہیں۔

سوال۔ کیا تم نے کسی گمنام درخواست کی نسبت کچھ سنا جو مجسٹریٹ کے نام تھی کہ کشمیری دروازہ بلوہ کرکے چھین لیا جائیگا؟

جواب۔ جی مجھے یاد نہیں کہ کوئی ایسی خبر سنی ہو۔

سوال۔ کبھی یہ خبر سنی کہ ۱۲۔ مئی یا کسی اور مقررہ تاریخ کو بہت ہنگامہ مچے گا؟

جواب۔ نہیں میں نے اس قسم کی ایک بھی خبر نہیں سنی۔

سوال۔ کیا تمہیں چپاتیوں کا حال معلوم ہے جو گاؤں گاؤں تقسیم کی گئی تھیں؟

جواب۔ جی معلوم ہے غدر سے پہلے سنا تھا۔

سوال۔ کیا ہندوستانی اخبارات میں اس پر بحث کی جاتی تھی۔ اگر کی جاتی تھی تو اس کا کیا نتیجہ نکالا گیا تھا؟

جواب۔ جی ہاں اس پر تنقیدیں کی جاتی تھیں۔ اور یہ کسی آنے والے واقعہ کی فال سمجھی جاتی تھی۔ اور تمام دیہات کی آبادی کو تقسیم کرکے انہیں کسی سربستہ راز کے لئے متحد کرنا سمجھا جاتا تھا جس کی عقدہ کشائی کہتے تھے کہ آگے ہوگی۔

سوال۔ تم جانتے ہو یہ چپاتیاں سب سے پہلے کہاں تقسیم ہونی شروع ہوئیں جہاں ہندوستانیوں کا عموماً خیال کیا ہے؟

جواب۔ مجھے علم نہیں کہ کہاں سے تقسیم ہونی شروع ہوئیں۔ مگر عموماً خیال کیا جاتا تھا۔ کہ پانی پت کرنال سے نکلی ہیں۔

سوال۔ کیا تم جانتے ہو اہلِ قلعہ کے پاس بھی صادق الاخبار کا ایک پرچہ روانہ کیا جاتا تھا؟

جواب۔ ایک کیا کئی پرچے قلعہ میں جاتے تھے مگر میں یہ نہیں جانتا کہ انہیں لیتا کون تھا۔

سوال کیا زمانہ بغاوت میں فوجی اخبار بھی ملزم کے حکم سے مقرر ہوا تھا؟

جواب۔ جی ہاں ایک تھا جو شاہی لیتھوگراف پریس قلعہ میں طبع ہوتا تھا اس میں صرف بادشاہ اور قلعہ وغیرہ کے حالات دیئے جاتے تھے اور گاہے گاہے دیگر معاملات بھی لکھے ہوتے تھے اسے سراج الاخبار کہتے تھے۔

سوال۔ جب انگریزوں کو قتل کیا گیا تم قلعہ میں موجود تھے؟

جواب۔ میں تھا۔ غدر کے پانچ چھ روز بعد صبح کے وقت میں نے اپنے گھر میں سُنا کہ قلعہ میں ایک ہنگامہ برپا ہے۔ میں فوراً وہاں سے چلا۔ اور دہلی دروازے سے داخل ہو کر نئے قلعہ میں پہونچا۔ جہاں میں نے بادشاہ کے مسلح مصاحبوں اور چند باغی سپاہیوں کو انگریزوں کو قتل کرتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت ساڑھے نو یا دس بجے تھے۔ بادشاہ کے ایک ملازم نے مجھ سے کہا۔ "تم بہت انگریزوں کے لئے خبریں جمع کرتے ہو۔" اگر اب بھی کئے جاؤ گے تو تمہاری یونہی خاطر کی جائے گی۔ جس طرح ان لوگوں کی گئی ہے۔ اس شخص کا نام بھیکا تھا۔ اور یہ مرزا عبد اللہ ملزم کے بیٹے کا ملازم تھا۔

سوال۔ یہ انگریز کہاں سے گرفتار کئے گئے تھے؟

جواب۔ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ بادشاہ کے باورچی خانہ سے نکال کر لائے تھے۔

سوال۔ کیا یہ باورچی خانہ اسی صحن میں تھا۔ جہاں بادشاہ کا کمرہ تھا؟

جواب۔ بادشاہ کا کمرہ اس کے سامنے تھا۔ درمیانی جگہ میں صحن تھا۔ اور اس طرف یہ یہ باورچی خانہ تھا۔ جہاں انگریزوں کو قید رکھا گیا تھا۔ صحن میں دیوان خاص اور دیوان عام واقع ہیں۔ بادشاہ کے کمرہ اور باورچی خانے کے درمیان دو یا ڈھائی سو گز کا فاصلہ ہے۔

سوال۔ جہاں انگریز مرد اور عورتوں اور بچوں کو محبوس رکھا گیا تھا۔ وہاں کس عہدہ اور قسم کے لوگ بود و باش رکھتے تھے؟

جواب۔ اس عمارت میں بادشاہ کے مفتی کا دفتر رہتا تھا۔

سوال۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ جیسی عمارت میں لیڈیوں اور بچوں کو رکھا گیا تھا وہ معزز عہدہ داروں کے استعمال کے قابل تھی؟

جواب۔ جی نہیں۔ اس میں غالباً کوئی نہیں رہتا تھا۔

سوال۔ پھر اس سے کیا کام نکالا جاتا تھا؟

جواب۔ وہ مال گودام کا کام دیتی تھی۔ اور قدیم زمانہ میں مجرموں کو قید کیا جاتا تھا۔

سوال۔ کیا لیڈیوں اور بچوں کو وہاں زیادہ آرام مل سکتا تھا۔ یا یہ خیال تھا کہ کوئی بدمعاش انہیں چھیڑ نہ سکے؟

جواب۔ نہیں وہ کھلی ہوئی عمارت تھی جس میں پردہ وغیرہ نہیں تھا صرف تاریک کوٹھڑی تھی۔

سوال۔ کیا ادنیٰ ہندوستانی بھی وہاں رہنا انتہائی تحقیر نہ سمجھے گا۔

جواب۔ جی بالکل صحیح وہ اپنے آپ کو حد درجہ ذلیل و بے عزت سمجھے گا۔ اگر اسے وہاں رکھا جائے۔

سوال۔ کیا تمام قلعہ میں صرف وہی ایک جگہ رہ گئی تھی۔ جہاں لیڈیوں اور بچوں کو قید کیا جا سکتا تھا؟

جواب۔ وہاں عمارت کی کمی نہیں تھی جن میں ان کو خاطر خواہ آرام مل سکتا تھا۔
سوال۔ کس کے حکم سے ان انگریزوں کو قتل کیا گیا؟
جواب۔ بادشاہ کے حکم سے کیا گیا اور کون ایسا حکم دے سکتا تھا۔
سوال۔ تم نے بادشاہ کے کسی لڑکے کو مقتل کا نظارہ کرتے دیکھا تھا؟
جواب۔ وہاں مجمع کثیر تھا۔ میں ان میں سے کسی کو دیکھ نہ سکا۔ البتہ مرزا مغل کے مکان کی چھت پر کچھ لوگ کھڑے تھے۔ اور سُنا گیا کہ مرزا صاحب بھی جھروکوں میں سے دیکھ رہے ہیں۔
سوال۔ کیا قتل سے پیشتر انگریزوں کو رسیوں سے باندھا گیا تھا؟
جواب۔ میں نے خیال نہیں کیا۔
سوال۔ کیا قتل کرنے کے قبل انہیں ایک قطار میں بٹھایا گیا تھا؟
جواب۔ میں اس جگہ نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے انہیں بھی نہیں دیکھا۔ لیکن جب قتل ختم ہوا اور مجمع منتشر ہو گیا تو بادشاہ کے احکام آئے کہ لاشوں کو پھینک دیا جائے۔ پھر انہیں گاڑیوں میں لادا جا رہا تھا۔ میں گیا اور مہتروں سے پوچھا جو اس کام کو کر رہے تھے ان سے معلوم ہوا کہ ۵۲ نفر کو قتل کیا گیا ہے۔ اسوقت لاشیں حلقہ نما بکھری پڑی تھیں۔
سوال۔ ان میں مردوں کی کتنی لاشیں تھیں؟
جواب۔ صرف پانچ یا چھ بقیہ تمام بچے اور عورتیں تھیں۔
سوال۔ تم جانتے ہو ان لاشوں کو کیا کیا گیا؟
جواب جی ہاں ملزم کے حکم کے موجب سلیم گڈھ کی جانب لیجاکر دریا میں ڈال دی گئیں۔
سوال۔ کیا قتل سے فراغت پا کر اظہار خوشی میں توپیں سر کی گئی تھیں؟
جواب۔ میں نے توپوں کی آواز نہیں سُنی اور نہ کسی سے سُنا کہ توپیں بھی چلی تھیں؟

چار بج گئے عدالت کل گیارہ بجے تک کے لئے ملتوی کر دی گئی۔

بارہویں روز کی کارروائی

یوم چہار شنبہ مورخہ ۱۰ فروری ۱۸۵۸ء

قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں حسب معمول عدالت منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ۔ ممبران مترجم۔ ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل سب موجود ہیں۔

ملزم اپنے مختار غلام عباس کے ہمراہ عدالت میں حاضر کئے گئے۔

چنی کل کا گواہ دوبارہ طلب کیا گیا۔ اور اپنے گذشتہ بیان کے سلسلہ میں شہادت دینے لگا۔

جج ایڈووکیٹ جنرل نے اظہار لئے

سوال۔ کیا تم عدالت کو بتا سکتے ہو کہ شہر دہلی کے کسی اور حصہ میں انگریز قتل کئے گئے؟

جواب میں نے سوائے ان کے جن کا ذکر کر چکا ہوں۔ دوسرے مقتولوں کو نہیں دیکھا البتہ سنا ہے کہ راجہ کشن گڈھ کے مکان میں پچیس انگریزوں نے پناہ لی تھی۔ اور جب تک ان کے پاس بارود گولی رہی جان بچاتے رہے۔ بعد میں انہیں تہ خانہ میں سے باہر لاکر باغی سواروں کے چند مسلمان ہمراہیوں نے تہ تیغ کر ڈالا۔

سوال کیا کبھی دہلی میں بادشاہ کی فرمانروائی کا اعلان کیا گیا تھا۔ اگر کیا گیا تھا تو کب؟

جواب۔ بارہ مئی کو دوکانیں کھولنے کا حکم ہوا اور بادشاہ کی طرف سے منادی کرائی گئی اس کے دو روز بعد بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر شہر میں نکلے۔ ایک پیدل رجمنٹ۔ چند توپیں بینڈ باجہ۔ اور خاص مسلح باڈی گارڈ بھی ہمرکاب تھا۔ وہ دوکانیں کھلوانے کی غرض سے گئے تھے اور شاہ راہ عام کے اس حصہ تک چلے گئے۔ جہاں مکانوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ پھر جب جلوس کے ہمراہ گئے تھے۔ اسی کے ساتھ واپس قلعہ میں داخل ہوئے۔ قلعہ سے روانہ ہوتے وقت اکیس توپوں سے سلامی سر کی گئی تھی۔ اور جب

قلعہ پہونچے تو سلامی اسی طرح سر ہوئی۔

سوالات جرح از ملزم

سوال۔ کبھی تم نے یہ بھی سُنا کہ میرٹھ سے آئی ہوئی باغی فوجوں نے بادشاہ کے کہنے سے ایسا کیا یا اپنی مرضی سے جبراً کیا اور کرایا؟

جواب۔ مجھے اس سے آگاہی نہیں ہے۔ اس طرح ہوا ہوگا۔ یا اس طرح۔

سوال۔ کل تم نے بیان کیا تھا کہ جس مکان میں لیڈیوں اور بچوں کو محبوس کیا گیا تھا اس میں شاہی مفتی رہتے تھے۔ بعد میں یہ کہا کہ کسی دیسی افسر کو وہاں رکھا جائے تو وہ بے شبہہ خود کو ذلیل وحقیر سمجھے گا۔ ان ہر دو بیانات میں کیوں کر مطابقت ہو سکتی ہے؟

جواب۔ ادنیٰ اور اعلیٰ ہر قسم کے آدمی بوجہ دفتر ہونے کے وہاں جمع ہوتے تھے اور اس سے یہ ظاہر ہے کہ معزز اشخاص کے رکھنے کا وہ موزوں مقام نہیں اور مفتی صاحب کا بھی جائے قیام نہیں تھا۔ صرف وہ جگہ تھی جہاں وہ دفتر کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

گواہ ہٹ جاتا ہے۔

چنی لال بساطی عدالت میں طلب کیا گیا اور اظہار دینے لگا۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا گذشتہ گیارہ و بارہ مئی کو تم دہلی میں تھے؟

جواب۔ جی ہاں میں دونوں تاریخوں میں تھا۔

سوال۔ کیا دونوں تاریخوں میں سے کسی میں بادشاہ کا عنانِ حکومت ہاتھ میں لینا بذریعہ منادی اعلان کیا گیا تھا؟

جواب۔ گیارہ تاریخ کو بوقت نیم شب قلعہ میں بیس توپیں سر کی گئی تھیں جن کی آواز میں نے اپنے مکان سے سُنی۔ دوسرے روز دوپہر کے وقت منادی کرائی گئی کہ ملک پر پھر بادشاہ کا قبضہ ہو گیا۔

سوال۔ کیا تم نے کوئی جلوس جسے بادشاہ نے ہاتھی پر سوار ہوکر نکالا ہو دیکھا تھا؟

جواب۔ جی نہیں۔ غدر کے چند روز بعد میں نے قلعہ جانا ترک کر دیا۔ اور کبھی بادشاہ کا جلوس نہیں دیکھا۔ البتہ مرزا مغل کا جلوس نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ جو انہیں کمانڈر انچیف کا اعزاز بخشنے کی خوشی میں نکلا تھا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ چلا جاتا ہے۔

گلاب نامہ بر عدالت میں طلب کیا گیا اور اظہار دینے لگا۔

جج ایڈووکیٹ کا اظہار لینا

سوال۔ گذشتہ مئی میں جس وقت انگریز بچے اور لیڈیاں قلعہ میں قتل کئے گئے کیا تم موجود تھے؟

جواب۔ جی میں تھا اور انہیں قتل ہوتے ہوئے دیکھا۔

سوال۔ تم نے سب سے پہلے کب سنا تھا کہ وہ قتل کئے جائیں گے؟

جواب۔ میں نے واردات کے دو روز قبل سنا تھا۔ یہ کہا گیا تھا کہ انگریز دو روز کے اندر اندر قتل کر دیئے جائیں گے۔ مگر مجھے یاد نہیں کہ وہ کیا دن تھا۔ قتل کے مقررہ روز عوام الناس کے غول کے غول دس بجے کے وقت قلعہ جا رہے تھے اور ان میں میں بھی شامل تھا جب پہلے صحن میں پہونچے تو دیکھا کہ انگریز سب کے سب ایک ساتھ کھڑے ہوئے ہیں اور شاہی سلح مصاحبین جنہیں باڈی گارڈ کہا جاتا ہے چاروں طرف سے ان کے گرد حلقے کئے ہوئے ہیں۔ انہیں کے ہمراہ چند باغی سپاہی بھی تھے۔ میں نے کسی کو کوئی اشارہ یا حکم دیتے نہیں سنا۔ بلکہ یکایک ان لوگوں نے اپنی تلواریں کھینچ لیں اور ایک ہی دفعہ سب نے مل کر قیدیوں پر وار کئے اور پے در پے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان سب کو قیمہ قیمہ کر ڈالا۔ کم از کم سو یا ڈیڑھ سو آدمی اس کام کو انجام دے رہے تھے۔

سوال۔ کیا کسی نے ان کو بچانے کی کوشش نہیں کی۔ یا تم نے کبھی سنا کہ کسی نے بادشاہ

ں ان کی شفاعت کی ہو؟
ب -جی نہیں۔ نہ بچانے کی کسی نے کوشش کی۔ اور نہ میں نے کبھی سنا کہ کسی نے بادشاہ
ں ان کی شفاعت کی ہو۔
ں۔ تم کہتے ہو کہ ان عورتوں اور بچوں کے قتل کا وقت دو روز پیشتر ہی سے مقرر کر دیا
یہ بھی بتا یا گیا تھا کہ کس کے حکم سے وہ مارے جائیں گے؟
ب۔ میں نہیں جانتا کہ اس معاملہ میں کس کے احکام جاری ہوئے تھے مگر بغیر حکم ایسا
یں سکتا تھا۔
ں کیا عموماً یہ سمجھا جاتا تھا کہ بادشاہ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی اجازت دیدی ہے؟
ب۔ اسوقت یہ نہیں معلوم ہوا لیکن لوگ اتنا ہی بتاتے تھے کہ پرسوں قیدی مارے جائینگے۔
ں۔ کیا دہلی میں بادشاہ کی ہمسری کا کوئی اور بھی تھا جو ایسے احکام دیسکتا ہو؟
ب۔ صرف بادشاہ یا ان کے صاحبزادے مرزا مغل یہی دو مرکز تھے جہاں سے احکام
ر ممکن تھا۔
ں۔ تمہارے خیال میں کتنے قیدی قتل کئے گئے تھے۔ اور کیا قتل سے پیشتر انہیں اس
ڑ دیا گیا تھا؟
ب۔ میں حساب نہیں بتا سکتا۔ وہ قاتلوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ان کا زیادہ حصہ
ے۔ اور وہ جکڑے ہوئے نہیں تھے۔
ں۔ تم جانتے ہو لاشوں کو کیا کیا گیا؟
ب۔ جی نہیں۔ سپاہیوں نے قتل کرنے کے بعد قلعہ سے سب کو باہر کر دیا تھا اور پھر
نے نہیں سُنا کہ ان کا کیا ہوا۔
ں۔ جنگ میں کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا؟
ب۔ جی ہاں۔ مسٹر بیرسفارڈ اور ان کے خاندان کو قتل کئے جاتے وقت میں دیکھ

رہا تھا۔ باغیوں اور مفسدوں نے جب بینک پر حملہ کیا تو مسٹر بیرسفارڈ اور ان کا خاندان بیرونی دفتر میں روپوش ہونے چلے گئے۔ اور جب قاتلوں نے ان کی تلاش کی تو وہ عمارت کی چھت پر تھے۔ مسٹر بیرسفارڈ تلوار سے مسلح تھے اور مسز بیرسفارڈ کے پاس نیزہ تھا۔ سامنے والے زینہ سے چڑھتے ہوئے باغی خائف ہوئے۔ انجام کار مفسدوں نے دھاوا کیا اور وہ مغلوب ہو کر قتل ہو گئے۔ میں نہیں جانتا کہ بینک میں کتنے آدمی مارے گئے مگر قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ایک تھے۔ عین غدر کے روز بارہ بجے یہ واقعہ ہوا تھا۔

سوال۔ کیا کسی لیڈی کو زندہ لے گئے تھے یا سب کو قتل کر ڈالا تھا؟

جواب۔ ان سب کو فی الفور قتل کر دیا گیا تھا۔

سوال۔ کیا بادشاہ کے مسلح مصاحبوں میں سے کوئی بینک میں موجود تھا؟

جواب۔ جی نہیں۔

سوال۔ کیا غدر ہوتے ہی بادشاہ فرمانروا مشتہر کر دیئے گئے تھے؟

جواب۔ جی ہاں۔ غدر کے روز بوقت تین بجے منادی کرائی گئی تھی۔ کہ آج سے بادشاہ کی حکومت ہو گئی ہے

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

عدالت نے اظہار لئے

سوال۔ تم جانتے ہو کہ قیدیوں کو کیوں اتنے روز تک حراست میں رکھا گیا اور ان کے قتل کا کوئی خاص دن مقرر کرنے کی بھی کوئی وجہ تھی؟

جواب۔ جی نہیں مجھے دونوں باتوں کا علم نہیں۔

حکیم احسن اللہ خاں پھر طلب کئے گئے اور گذشتہ حلف کی رو سے ان کا اظہار لیا گیا۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال کیا غدر کے زمانہ میں قلعہ کے واقعات کی کوئی کورٹ ڈائری تھی (یعنی سرکاری روزنامچہ

جواب۔ کورٹ ڈائری۔ واقف معمول تھی جیسی کہ غدر کے بہت پہلے سے لکھی جاتی تھی۔
سوال۔ اس صفحہ کو دیکھو اور بتاؤ کہ کس کا خط ہے کیا پہچانتے ہو؟
جواب۔ جی ہاں یہ اس کا خط ہے جو کورٹ ڈائری لکھا کرتا تھا اور یہ صفحہ اسی ڈائری کا ہے۔

کورٹ ڈائری مورخہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء کے اقتباس کا ترجمہ

"بادشاہ نے دیوان خاص میں دربار کیا۔ ۴۹۔ انگریز مقید تھے۔ فوج نے ان کے قتل کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے قیدیوں کو فوج جیسا چاہے کرے کہکر ان کے حوالہ کر دیا اور آخر کار وہ لوگ تہ تیغ کئے گئے۔ درباری بکثرت تھے۔ رؤسا۔ شرفار۔ افسران۔ اہل علم۔ سب دربار میں حاضر ہوئے۔ اور تعظیم بجالانے کی عزت حاصل کی۔
سوال۔ کیا گیارہ مئی کو تم دہلی میں حاضر تھے؟
جواب۔ جی ہاں میں موجود تھا۔
سوال۔ اس موقعہ پر تم نے جو کچھ دیکھا ہو بیان کرو؟
جواب۔ سولہ رمضان یعنی گیارہویں مئی کو صبح بوقت سات بجے نمبر ۳۸ دیسی پیادہ رجمنٹ کا ایک ہندو سپاہی۔ قلعہ میں دیوان خاص کے دروازہ پر آیا۔ اور چند دربانوں سے جو اس وقت وہاں موجود تھے کہا کہ دیسی فوج نے میرٹھ میں گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کی ہے اور اب دہلی میں داخل ہوا چاہتی ہے۔ اور وہ اور اس کے تمام ہمراہی کمپنی کی ملازمت نہ کریں گے بلکہ دہرم کے لئے جنگ کرینگے میرا مکان قلعہ میں دیوان خاص کے قریب ہی تھا۔ محافظ سپاہیوں نے فی الفور مجھ سے آکر جو کچھ رجمنٹ کے سپاہی نے کہا تھا بیان کیا۔ میں نے یہ خبر پائی ہی تھی کہ شاہ دہلی نے مجھے طلب کیا جب میں وہاں گیا تو اعلیحضرت نے کہا کہ "دیکھو سوار زیر جھروکہ کی راہ سے آرہے ہیں (زیر جھروکہ یعنی جھروکے کے نیچے گر معلوم ہوتا ہے کہ محل کے جھروکوں کے نیچے کی زمین کو اس نام سے موسوم کیا جاتا تھا) میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ۱۵۔ یا ۲۰ سوار تقریباً ۵۰ گز کے فاصلہ پر تھے انہیں

اکثر وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ اور بعض معمولی ہندوستانی کپڑوں میں تھے۔ میں نے فوراً دروازے بند کر دیئے جانے کے لئے بادشاہ سے کہا جن میں سے ہو کر زیر جھروکہ سے قلعہ میں داخل ہوتے تھے۔ یہ بمشکل بند کیا گیا تھا کہ پانچ یا چھ سوار شن برج کے دروازہ پر پہونچ گئے۔ جہاں بادشاہ کے خانگی کمرے بلکہ اور دیگر شاہی بیگمات کے کمرے تھے۔ سواروں نے چلانا شروع کیا۔ "دُہائی ہے بادشاہ صاحب کی، ہم اپنے دھرم کی جنگ میں مدد کے خواستگار ہیں"۔ بادشاہ نے سن کر کچھ جواب نہیں دیا۔ اور نہ نیچے والے آدمیوں کو اپنا چہرہ دکھایا۔ بلکہ غلام عباس شمشیر الدولہ کو جو اس وقت حاضر تھے کپتان ڈگلس قلعہ دار کے پاس جا کر سواروں کی آمد سے مطلع کرنے اور مناسب انتظام کی فہمائش کرنے کے لئے روانہ کیا۔ پھر بادشاہ اندرونی کمروں میں چلے گئے اور میں دیوان خاص میں آگیا۔ تقریباً اسی وقت کپتان ڈگلس غلام عباس کو ہمراہ لئے ہوئے پہونچے۔ اول الذکر برآمدہ پر چڑھ کر زیر جھروکہ دیکھنے لگے۔ جہاں سوار بدستور موجود تھے اور ان سے کہا۔ "یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ بادشاہ کا محل ہے۔ تمہارا یہاں کھڑا رہنا بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہوگا"۔ اس پر سوار راج گھاٹ کی راہ سے جو شہر میں پہونچنے کا قریبی راستہ ہے چلے گئے۔ بادشاہ کپتان ڈگلس کی آمد سنکر فوراً باہر نکل آئے۔ اور دیوان خاص اور کمرۂ خاص کے درمیان ان سے ملاقات کی۔ کپتان ڈگلس نے بادشاہ سے کہا آپ گھبرایئے نہیں شورش کو بہت جلد فرو کر دیا جائیگا۔ میں ابھی جا کر انہیں گرفتار کئے لیتا ہوں۔ وہ یہ کہکر جانے لگے اور درخواست کی کہ شن برج محل کا دروازہ جو میں نے بند کر دیا تھا کھول دیا جائے تاکہ وہ سواروں سے دو بدو گفتگو کر سکیں۔ بادشاہ نے کہا نہ تمہارے پاس پستول ہے نہ بندوق نہ سپاہی ہمراہ ہیں اور دشمنوں میں جا رہے ہو۔ یہ ناتجربہ کاری ہے یہ سن کر کپتان ڈگلس اپنے قیامگاہ پر چلے گئے۔ اسکی تھوڑی دیر بعد چراں جمعدار کپتان ڈگلس کا ملازم آیا اور کہنے لگا کہ کپتان ڈگلس مجھے اور غلام عباس کو بلاتے ہیں۔ جب ہم گئے تو کپتان صاحب نے کہا کہ میرے پیر میں

بہت چوٹ آئی ہے ان کے ہمراہ ایک اور صاحب تھے جنہیں میں نہیں پہچانتا اور وہ ایک کوچ پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور ان کے شانے میں بہت گہرا زخم لگا ہوا تھا کپتان ڈگلس نے کہا۔ دو پالکیاں فوراً مع کہاروں کے بھجوا دیجئے تاکہ انگریزی لیڈیوں کو یہاں سے لیجاکر ملکہ کے پاس چھوڑ دیا جائے۔ اسی وقت مسٹر سمن فریزر صاحب کمشنر کمرے میں آئے اور کہنے لگے۔ بادشاہ کے یہاں سے دو توپیں منگواؤ۔ اور پھاٹک پر رکھوا دو۔ پھر مسٹر فریزر مجھے اور غلام عباس کو ہمراہ لئے ہوئے نیچے آئے جہاں سے وہ تو دروازے کی طرف چلے گئے۔ اور میں غلام عباس کو ہمراہ لئے ہوئے بادشاہ کے پاس مسٹر فریزر کا پیام سنانے کے لئے چلا گیا۔ پھر بادشاہ کی اجازت سے ہم نے لیڈیوں کے لئے دو پالکیاں پہونچوا دیں اور توپوں کے لئے بھی حکم دیدیا۔ لیکن بعد میں یہ خبر موصول ہوئی کہ سوار محل میں لاہوری دروازہ سے داخل ہو گئے ہیں۔ جہاں مسٹر فریزر توپیں لگانی چاہتے تھے۔ ہم سے یہ بھی کہا گیا کہ ان سواروں نے مسٹر فریزر کو قتل کر ڈالا ہے۔ اور کپتان ڈگلس کو قتل کرنے گئے ہیں۔ کہاروں نے بھی واپس آکر اس خبر کی تصدیق کی۔ انھوں نے بیان کیا کہ وہ مسٹر فریزر کو قتل ہوتے دیکھ آئے ہیں۔ جن کی لاش پھاٹک کے پاس پڑی ہے اور سپاہی پھاٹک کے اوپر کے رہنے والوں کو قتل کرنے چڑھ رہے ہیں۔ بادشاہ نے قلعہ کے دروازوں کو یہ سن کر بند کرنے کا حکم دیا لیکن جواب دیا گیا کہ پیدل یعنی اڑتیسویں رجمنٹ کے چند سپاہی جو قلعہ کے دروازوں کے گارد تھے۔ ایسا نہیں کرنے دیتے۔ تھوڑی دیر گزرتے بعد۔ ۵ سوار دیوان خاص تک چلے آئے اور گھوڑوں کو پائیں باغ میں باندھ دیا۔ پیدل رجمنٹ نے بھی آکر قلعہ کے دیوان خاص وعام میں جہاں جی چاہا بستر بچھا لیا۔ مجھے ٹھیک معلوم نہیں کہ کونسی رجمنٹ لیکن خیال ہے کہ دہلی کی تینوں رجمنٹیں تھیں۔ میرٹھ کی پیدل سپاہ اس روز دو بجے تک دہلی نہ پہونچ سکی وہ متفق ہو کر نہیں آئی۔ بلکہ جماعت در جماعت آکر دہلی کی رجمنٹ سے مل گئی۔ اور

بستر ے پھیلا دیئے۔ اس روز کوئی خاص دربار نہیں ہوا۔ لیکن بادشاہ دیوان خاص میں کوئی تین چار مرتبہ آئے۔ جہاں ہر طرف باغی پڑے ہوئے تھے۔ باغی سوار دن بھر اور رات بھر گروہ در گروہ آتے رہے۔ شام کو نمبر ۷۴ پیادہ رجمنٹ اندر آئی۔ اور قلعہ سلیم گڈھ پر قبضہ کرنے چلی گئی۔ جہاں دوسرے روز میگزین سے لاکر توپیں نصب کر دی گئیں تاکہ میرٹھ سے آنے والی انگریزی فوجوں کو راستہ میں ہی روک لیں۔ تین روز دن اور رات انگریزوں کے آنے کا خدشہ لاحق رہا۔ ذرا بگل کی آواز آئی اور باغی کیل کانٹوں سے درست ہو کر چوکنے ہوگئے۔ گیارہ مئی کو ملزم کے تین فرزندوں۔ مرزا مغل۔ مرزا خیر سلطان اور جوان بخت اور پوتے مرزا ابو بکر نے فوج پر اعلےٰ سردار ہونے کی درخواست کی۔ میں نے بادشاہ سے کہا کہ ابھی یہ لوگ کم عمر ہیں۔ اور ایسے منصبوں کا تجربہ بھی نہیں رکھتے۔ اور وہ اپنے فرائض کو نہ سمجھ سکیں گے۔ بہتر ہوگا کہ آپ انہیں عہدے نہ دیں۔ شہزادے اس بات سے بہت ناخوش ہوئے۔ اور مرزا مینڈھو، مرزا بختاور شاہ اور مرزا عبداللہ کو مع افسران فوج اپنی درخواست پر متفق کرنے کے لئے لگا نبھا۔ اور دو روز کے بعد وہ جبراً افسران اعلیٰ مقرر ہوگئے۔

سوال۔ تم نے کہا ہے کہ کپتان ڈگلس کے مکان پر دو پالکیاں روانہ کرنے کے لئے درخواست کی گئی تھی۔ جب انہوں نے سنا کہ کپتان موصوف اور مسٹر فریزر قتل کئے گئے تو کیا قاتلوں کی گرفتاری یا سزا میں سعی کی گئی تھی؟

جواب۔ جی نہیں وہاں ایسی گڑبڑ تھی کہ کچھ نہ کیا جا سکا۔

سوال۔ یہ ظاہر ہے کہ بادشاہ کے خاص ملازموں نے اس روز مسٹر فریزر کو اور کئی انگریزوں کو قتل کیا تھا۔ کیا یہ ملازمین بدستور اپنی جگہ پر بحال رہے اور تنخواہ پاتے رہے؟

جواب۔ میرے گوش گذار کبھی یہ بات نہیں ہوئی کہ بادشاہ کے ملازمین قتل میں شامل تھے لیکن یہ صحیح ہے کہ کوئی شخص اس وجہ سے کبھی برخواست نہیں کیا گیا۔

سوال۔ کیا تمہارا اس سے یہ مطلب ہے کہ عام طور سے معلوم نہیں ہوا کہ قتل کے مرتکب کون تھے؟

جواب۔ جی ہاں عام طور پر یہ بات معلوم نہ تھی۔ نہ میں نے سنا کہ قتل کس نے کیا۔

سوال۔ کیا اس کی کبھی تحقیقات کی گئی تھی؟

جواب۔ نہیں۔

سوال۔ غدر سے پہلے بادشاہ کے کتنے ہمراہی مسلح رہتے تھے؟

جواب۔ قریب قریب بارہ سو کے۔

سوال۔ کیا یہ آدمی فوج کے مختلف شعبوں میں تھے مثلاً توپخانہ، سوار، پیادے، وغیرہ؟

جواب۔ جی ہاں، اس میں توپخانہ، سوار، پیدل، سب شامل تھے،

سوال۔ بادشاہ کے پاس کتنی توپیں تھیں؟

جواب۔ قابل استعمال توپیں چھ تھیں اور نہیں جانتا کہ بیکار کتنی تھیں۔

سوال۔ گیارہ مئی کو غدر کے روز اس فوج سے کیا کام لیا گیا تھا؟

جواب۔ یہ خاص خاص دروازوں اور قلعہ کے خاص افسروں کے مکانوں کی حفاظت پر متعین کئے گئے تھے کچھ ان میں کے جن کا تقرر روپیہ کے بالعوض ہوا تھا بہت کم حاضر رہتے تھے تاہم انہیں ماہانہ تنخواہ گھر بیٹھے مل جایا کرتی تھی۔

سوال۔ اتنے انگریز بچے اور عورتیں کیونکر قلعہ میں لائے گئے اور مقید کئے گئے؟

جواب۔ باغیوں نے انہیں شہر اور شہر کے گرد و نواح سے گرفتار کیا تھا۔ اور چونکہ وہ قلعہ میں مقیم تھے لہذا ان قیدیوں کو بھی اپنے ہمراہ قلعہ میں لیتے آئے۔

سوال۔ کیا تمہارا اس سے یہ مطلب ہے کہ جس شخص نے جس عورت اور بچے کو پکڑا اُسے اپنی قید میں علیحدہ رکھا؟

جواب۔ جی نہیں۔ بلکہ انہوں نے اس امر کی اطلاع محافظ قید خانہ کو کی جس پر ان کو

حکم ملا کہ وہ ہر ایک انگریز کو باورچی خانہ میں لیجا کر قید کر دیں۔

سوال ۔ باورچی خانہ کو قید خانہ کس نے بنایا تھا؟

جواب ۔ بادشاہ نے یہ سمجھ کر کہ وہ بہت وسیع عمارت ہے ۔ باغیوں کو ہدایت کی کہ قیدیوں کو وہیں رکھا جائے۔

سوال ۔ غدر سے پہلے بادشاہ کے باڈی گارڈ کا کون افسر تھا؟

جواب ۔ محبوب علی خان۔

سوال ۔ کیا ان میں سے کسی نے گیارہ تاریخ کو سیگزین پر حملہ کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو کس کے حکم سے؟

جواب ۔ جی نہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ ان میں کا کوئی شخص کسی کے حکم سے حملہ کرنے گیا ہو۔ نہ میں یہ جانتا ہوں کہ کسی شخص نے حملہ کیا بھی یا نہیں لیکن جو کچھ میں کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ شہر کے باہر رہنے والے لوگ حملہ آور ہوئے ہونگے۔

سوال ۔ کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ فی الحال بادشاہ کا سفیر یا کوئی عزیز شاہ ایران کے دربار میں ہے۔ یا حال میں گیا ہے؟

جواب ۔ جی نہیں موجودہ حالت کی بابت میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن دو تین سال گزرے جب محمد باقر کے اخبار میں میں نے یہ پڑھا تھا کہ مرزا نجف ملزم کے بھائی شاہ ایران کے دربار میں گئے ہیں۔ جن کا استقبال نہایت تزک و احتشام سے کیا گیا۔

سوال ۔ کیا یہ شخص دہلی سے روانہ کئے گئے تھے؟

جواب ۔ میں نہیں جانتا۔ البتہ ان کے بھائی دو برس پیشتر بہت سے کاغذات دیکر سفیر بنا کر گورنمنٹ کے پاس کلکتہ روانہ کئے گئے تھے۔

سوال ۔ کیا حسن عسکری کے رشیدی قنبر کو ایران روانہ کرنے کی کوئی اطلاع تم عدالت کو نہیں دے سکتے؟ یہ بالکل صحیح ہے کہ ضروری کاموں میں تم پر بھی اعتبار کیا جاتا تھا۔

وصا تحریر کے متعلق نیز یقین کرلیا گیا ہے کہ جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس سے تم بخوبی واقف ہو؟
واب میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں نے عدالت سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی۔ لاکھ مجھ پر
تبار کیا جاتا تاہم میں نوکر تھا۔ بہت راز مجھ سے مخفی رکھے جاتے تھے بمثال کیلئے سنئے
بادشاہ نے اپنی بیوی تاج محل سے نکاح کرنے کی (جو قوم کی مسلمان ڈومنی تھی۔
ر نیچے طبقہ کی تھی۔ اور جس سے بعد میں بادشاہ کا نکاح ہوگیا) مجھ سے بالکل صلاح
یں لی تھی۔ نہ جواں بخت کی تخت نشینی کی سازش سے مجھے آگاہی تھی۔ اور ایسے
ی دیگر اہم معاملات کا حال ہے۔ لہذا میں نہیں کہہ سکتا کہ ملزم حسن عسکری اور
نیدی قنبر میں کیا گزرا۔
وال۔ کیا تم جانتے ہو کہ غدر سے پہلے بادشاہ نے اپنے رفقاء کی معرفت کمپنی کی دیسی
ج کے افسروں سے خط و کتابت یا پیام رسانی رکھی ہو؟
اب۔ جی نہیں۔ میں نہیں جانتا۔ یہ ممکن ہے کہ ان میں خط و کتابت ہوئی ہو۔ مگر
ے یقین نہیں ہے۔ کہ ایسا ہوا ہو۔

چار بج جانے سے عدالت کل گیارہ بجے تک کے لئے برخاست ہوگئی۔

تیرہویں روز کی کارروائی

یوم جمعرات ۱۱۔ فروری ۱۸۵۸ء

عدالت بدستور قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ۔ ممبران، مترجم، ڈپٹی جج، ایڈوکیٹ جنرل سب موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں لائے گئے۔

حکیم احسن اللہ خاں بھی عدالت میں طلب کئے گئے۔ اور گذشتہ اظہار کی
دہرائی کی گئی۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار دئے

سوال۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ پرچہ صادق الاخبار کو ملزم غدر سے پہلے بہت پڑھا کرتے تھے؟

جواب۔ وہ باقاعدہ نہیں پڑھتے تھے البتہ اتفاقیہ کوئی شہزادہ کسی مضمون کا کچھ حال بتا دیتا تھا۔

سوال۔ شہزادے مضامین متعلقہ ایران کو ضرور دلچسپی سے پڑھتے ہونگے اور کیا عموماً یہ بتایا جاتا تھا کہ انگریزوں کو ایرانیوں کے ہاتھ سے شکست ہوئی۔

جواب۔ میں نے خود وہ اخبار نہیں پڑھا نہ میں یہ جانتا ہوں لیکن عام طور پر بیان کیا جاتا تھا کہ انگریز ایرانیوں سے شکست کھا رہے ہیں اور شہزادے اس خبر کو ضروری سمجھ کر پڑھتے اور اس پر یقین رکھتے تھے۔

سوال۔ غدر سے پہلے کیا مسلمانوں کو یقین تھا کہ انگریزی عملداری ختم ہوجائیگی اور کیا شہزادوں کو بھی اس رائے سے اتفاق تھا؟

جواب۔ جی نہیں میں نے ایسا نہیں سنا۔

سوالات جرح از ملزم

سوال۔ تم نے بتایا ہے کہ بادشاہ کی ملازمت میں ۱۲۰۰ سپاہی تھے بادشاہ کی فوج کی تینوں ٹکڑیوں کی وردیاں بیان کرو اور مختلف رجمنٹوں کے کیا لقب تھے؟

جواب۔ دو پیدل رجمنٹیں تھیں۔ ہر ایک میں پانچسو آدمی تھے۔ ان کی وردیوں کا رنگ گہرا سیاہ اور خاکستری تھا انکے عمامے اور کمربند سرخ تھے وردیوں پر کوئی نشانات یا تمغے نہیں تھے جس سے مختلف ٹکڑیوں میں امتیاز کیا جاسکتا توپخانہ میں تقریباً ۴۰ آدمی تھے انکی وردی گہری نیلگوں عمامے اور کمربند سرخ ہوتے تھے انکی وردیوں پر بھی کوئی خاص تمغہ یا علامت نہیں رہتی تھی ملزم کا باڈی گارڈ سرخ کوٹ پہنتا تھا اور گہرے نیلگوں عمامے اور کمربند تھے۔

گواہ ہٹ جاتے ہیں

مسز آلڈویل زوجہ آنگو سٹیڈز آلڈویل گورنمنٹ پنشن خوار عدالت میں طلب کی گئیں اور انسے حلف لیا گیا

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا گیارہ مئی ۱۸۵۷ء کو تم دہلی میں تھیں؟

جواب۔ جی ہاں۔

سوال۔ تم کہاں رہتی تھیں اور تم نے کس وقت سُنا کہ دیسی فوجیں میرٹھ سے آئی ہیں؟

جواب۔ میں شہر کے اس حصہ میں رہتی تھی جسے دریا گنج کہتے ہیں اور میرٹھ کے سپاہیوں کے آنے کی خبر مجھے گیارہ مئی کو صبح آٹھ اور نو بجے کے درمیان ملی۔

سوال۔ اس روز جو کچھ تم نے دیکھا ہو بیان کرو؟

جواب۔ میرے ایک سائیں نے آکر بیان کیا کہ فوجیں بغاوت کرکے میرٹھ سے آگئی ہیں اور راہ میں جو انگریز ملتے گئے انہیں قتل کر ڈالا اور کہنے لگا کہ اپنی گاڑی تیار کرکے بھاگنے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہئے کیونکہ باغی دہلی کے انگریزوں کو بھی قتل کریں گے میں اس سے باتیں کر رہی تھی کہ ہمارے دوسرے دروازے کے ہمسائے مسٹر ڈلن نے آکر سائیں کے بیان کی تصدیق کی۔ اور مسٹر آلڈویل کو دریافت کرنے لگے تاکہ ان سے کچھ مشورت کر سکیں پھر وہ مسٹر آلڈویل کے پاس چلے گئے۔ اور یہ دونوں عرصہ تک باہم مشورہ کرتے رہے اور آخرکار یہ طے پایا کہ تمام قرب وجوار کے انگریز ہمارے مکان میں جو نہایت فراخ اور مستحکم تھا آکر مجتمع ہو جائیں اور جب تک دم میں دم ہے اپنی عزت و آبرو پر آنچ نہ آنے دیں۔ اس کے بعد مسٹر آلڈویل اور مسٹر ڈلن نزدیک کے ہسپتال کے گارد کے پاس گئے۔ اس گارد میں ہندوستانی پیدل سپاہی تھے اور ان سے اپنے ساتھ جدوجہد کرنے کے لئے دریافت کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ اس کے بدلے انگریز انہیں معقول معاوضہ دینگے سپاہیوں نے جواب دیا" جاؤ اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کرتے ہیں" اس وقت صبح کے ۸ بجے سے کچھ زیادہ وقت تھا۔ اور میرٹھ کے سپاہیوں نے پل تک عبور نہیں کیا تھا جو یہ کہا جا سکے کہ گارد کے سپاہیوں کو انہوں نے گانٹھ لیا ہوگا۔ اس کے بعد

انگریزوں نے جو ہمارے مکان میں جمع ہو رہے تھے۔ دروازوں کی ناکہ بندی کرنی شروع کی۔ اور عورتوں و بچوں کو چھت پر چڑھا دیا گیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ مع عورتوں اور بچوں کے کل تعداد تیس تھی۔ پھر ۹ بجے کے قریب باغیوں کو ہم نے پل عبور کرتے ہوئے دیکھا ان میں خاصی تعداد سواروں کی تھی۔ اور کچھ پیادے بھی تھے۔ باغیوں کا یہ گروہ ہمارے مکان کے زیر دیوار گزر رہا تھا جو لب دریا واقع تھا اور ان میں سے بعض نے ایک صاحب پر فیر بھی کیا تھا۔ جو چھت پر تھے پھر یہ جماعت جیلخانہ کی طرف چلی گئی اور ہم نے سمجھ لیا کہ وہ قیدیوں کو آزاد کریگی تھوڑی دیر بعد ہم نے سُنا کہ وہ شہر میں گھس گئے ہیں اور انگریزوں کو جہاں پاتے ہیں قتل کرتے ہیں اسی وقت شہر کا ایک مسلمان باشندہ جو پیشہ کا رنگریز تھا۔ خون آلود تلوار ہاتھ میں لئے کلمہ پڑھتا ہوا ہمارے مکان کے پاس آیا اور چلا کر کہنے لگا " انگریز کہاں ہیں" مسٹر فولن نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ مگر اس کے جواب نہ دینے پر مسٹر فولن نے گولی ماردی اور وہ مرگیا۔ صرف یہی ایک شخص تھا جو اس وقت تک ہماری سرحد میں داخل ہوا مگر اس کے بعد ہی پچاس ساٹھ شہری باشندے اس کے ہمراہ ہمارے دروازے پر اکٹھے ہوگئے گیارہ بجے کے قریب مسز فاؤلن ایک مسلمان کے ہاتھوں ہمارے مکان میں پہنچائی گئیں۔ انہیں شہری باشندوں نے زدوکوب کیا تھا جس سے ان کے سر میں کاری زخم آیا تھا اور ان کے مکان کا تمام اسباب لوٹ گھسوٹ کرلے گئے تھے پھر تین بجے تک کوئی بات قابل ذکر نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ میگزین اڑا دیا گیا۔ اسوقت میں نے مسٹر آلڈویل سے التجا کی کہ مجھے اور میرے تینوں بچوں کو مکان سے نکال دیں کیونکہ خدمتگاروں نے مجھ سے کہا تھا کہ باغی توپیں لینے گئے ہیں تاکہ یہاں لاکر نصب کریں اور میں پناہ گاہ ڈھونڈنے کے لئے بیقرار تھی۔ چنانچہ میں نے اور تینوں بچوں نے ہندوستانیوں کا سا لباس پہنا اور ڈولیوں میں سوار ہوکر مکان سے نکل گئے۔ اور بادشاہ کے

پوتے مرزا عبد اللہ کے مکان پر پہونچے۔ اس کی بہن اور اہلیہ نے ہماری بہت خاطر تواضع کی کیونکہ مسٹر آلڈویل کو اور مجھے وہ لوگ بہت عرصہ سے جانتے تھے۔ رات کے آٹھ بجے تک ہم وہاں رہے جب مرزا عبد اللہ آیا اور کہا کہ وہ ہمیں بہترین پناہ گاہ اور محفوظ مکان یعنی اپنی ساس کے مکان میں پہونچا دیگا۔ چنانچہ اسی وقت اس نے ہمیں وہاں پہنچا دیا مگر ہمارا کچھ اسباب اپنے پاس رکھ چھوڑا۔ اور کہنے لگا عام راستہ سے اس قدر سامان لے کر نکلنا بہت خطرناک ہے کل تم اپنے منشی کو روانہ کرنا میں وہ سامان اس کے ہاتھ بھیجدوں گا۔ میں نے دوسرے روز حسب وعدہ اپنے منشی کو دو سو روپیہ نقد اور کچھ چاندی کی طشتریاں مرزا عبد اللہ سے لیکر آنے کے لئے روانہ کیا لیکن مرزا نے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے اور ساتھ ہی ہمیں یہ پیام بھیجا کہ اگر اس کی ساس کے مکان کو فی الفور نہ خالی کر دیا جائے گا تو وہ لوگوں کو ہمارے قتل کے لئے روانہ کریگا سنے ۵ بجے شام کو اپنے چچا اور چند لوگوں کو دیکھنے کے لئے روانہ کیا کہ اگر ہم نہ چلے گئے ہوں تو وہ لوگ قتل کر دیں میں نے اس کے چچا کو تو نہیں دیکھا لیکن ملازموں کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں برہنہ تلواریں تھیں۔ میرے منشی کی والدہ ملامت کرنے لگیں۔ اور کہنے لگیں کیا یہی مرزا کی مہماں نوازی ہے؟ اس کا اگر یہی ارادہ تھا تو کیوں ہمیں مکان میں گھسنے دیا۔ کیا حفاظت اور پناہ گاہ کا وعدہ صرف قتل کے لئے کیا تھا؟ اس نے ان لوگوں سے یہ بھی کہا کہ اگر تم کو قتل کرنا ہی ہے تو پہلے مجھے کرو۔ میں نے انگریزوں کا نمک کھایا ہے اور انہیں قتل ہوتے نہیں دیکھ سکتی" پھر یوں کہنے لگی۔ مجھے قتل کرنے سے تم کو بہت ثواب ہوگا۔ کیونکہ میں سیدانی اور شیعہ ہوں۔ یہ بادشاہ کے خاندان کی طرف اشارہ تھا جو سنی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور سنی فرقہ نے حقیقتاً نبیؐ کے بچوں یا سیدوں کو شہید کیا تھا۔ لوگوں نے جواب دیا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو یقیناً کافر ہو جائینگے۔ البتہ انہوں نے

لے مڈم کو شائد معلوم نہیں کہ سنیوں نے سادات کو شہید نہیں کیا تھا۔

عیسائیوں کے قتل کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ پھر اس سے کہنے لگے کہ وہ مکان سے نکل جائے تاکہ وہ لوگ ہمیں قتل کردیں ورنہ ہمیں مکان سے باہر کردے تا سڑک پر لیجاکر ان کو ہلاک کیا جائے۔ آخر کار بصد وقت دوسرے روز صبح تک مکان خالی کردینے کی ہمیں اجازت ملی۔ رات کے وقت منشی میرے درزی کو بلاکر لایا۔ اور میں نے اس سے کوئی ایسی جگہ دریافت کی جہاں جاکر ہم لوگ روپوش ہوسکیں۔ جواب میں اس نے کہا کہ سنا گیا ہے کہ نواب احمد علی خاں انگریزوں کو پناہ دے رہے ہیں اور وہ ہمیں وہاں لیجاکر پوشیدہ کریگا پھر وہ سواری لانے کے لئے نواب کے ہاں گیا مگر ناکام واپس آیا اور کہنے لگا کہ نواب کے مکان میں انگریزوں کا روپوش ہونا باغیوں کو معلوم ہوگیا ہے اور وہ انکے مکان کے سامنے توپیں لگانا چاہتے ہیں۔ لہذا وہ ہمیں اپنے مکان میں رکھے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور ہم اس کے مکان میں رہنے لگے۔ ایک روز کہنے لگا کہ کئی عیسائیوں کو بادشاہ کے حضور میں حاضر کیا گیا انھوں نے اگرچہ حراست میں رکھ لیا مگر ان کی جان بخشی کردی ہے اور ہمیں بھی وہاں جانے کی ہدایت کی ہے بدھ کے روز سات اور آٹھ بجے شب کے درمیان درزی ایک باغی سوار قادر داد خاں کو بلالایا جس نے ہمیں قلعہ میں پہونچادیا اگرچہ باغیوں نے قسم کھائی تھی کہ انگریزوں کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے مگر وہ سوار درزی کا کسی زمانہ کا احسان مند تھا۔ اور اس وجہ سے ہماری حفاظت کا پختہ وعدہ کرلیا اور کہا کہ وہ زینہار بے ایمانی نہ کریگا۔ قلعے کے لاہوری دروازہ تک اس نے ہمیں پہونچادیا جہاں محافظ گارد کے ہاتھوں ہم لوگ قیدی بنائے گئے یہ لوگ پھر ہمیں مرزا مغل کے روبرو لے گئے جنہوں نے ہمیں بھی دوسرے قیدیوں کے ہمراہ رکھے جانیکا حکم دیا۔ مورخہ ۱۳ مئی یوم بدھ کی شب کو ہم مقید کئے گئے تھے۔ جہاں تک میرا خیال ہے مجھے کہنا چاہئے کہ قیدیوں کی تعداد عورت، مرد، بچے سب ملکر ۴۶ یا ۵۰ نفر تھی ان کے نام جہاں تک میں اور میرے بچے یاد رکھ سکے مندرجہ ذیل ہیں۔ مسز اسکلی اور تین بچے مسز گلن

مسز ایڈوارڈس اور دو بچے، مسز سولانی اور دو بچے، مسز شہن اور ایک بچہ، مسز کارٹ اور ان کی دختر، مسز اسٹینس، مسز کارچرین، مس آسٹینس، ماسٹر چارڈ شا، مس ایم ہنٹ، مس ای بیرسفارڈ، مس ایل رآلی، مس الائس شا، مس انتشا، مسٹر رابرٹس اور ایک لڑکا مسٹر کراڈ، مسٹر اسمتھ۔ کوئی ایک شخص اور تھا جس کا نام مجھے یاد نہیں۔ باقی عورتیں اور بچے تھے جن کے نام میں یاد نہ رکھ سکی۔ ہم ایک تاریک کوٹھڑی میں بند کئے گئے تھے۔ جس میں صرف ایک کھڑکی تھی۔ اس کے سوا کوئی دوسرا روزن نہیں تھا۔ وہ مقام کسی انسان کے رہنے کے لائق نہیں تھا اور ہمارے لئے تو بالکل نہیں۔ زبردستی اس میں ٹھونسا گیا تھا ہر شخص ہوا لینے کے لئے کھڑکی کے پاس کھڑا رہنا چاہتا تھا۔ اور وہ کھڑکی بھی جہاں سے روشنی اور ہوا آتی تھی ہمیں بند کرنی پڑی کیونکہ سپاہی اپنی بھری بندوقیں جن کے گھوڑے چڑھے ہوتے لیکر آتے تھے۔ اور بچوں کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے۔ بسا اوقات ہم سے پوچھتے کہ اگر بادشاہ ہماری جان بخشی کردے تو کیا ہم مسلمان ہونے اور ان کی لونڈیاں بننے کے لئے تیار ہیں لیکن بادشاہ کے خاص مسلح باڈی گارڈ کے سپاہی جو ہم پر مسلط تھے دیگر سپاہیوں کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ ہمیں زندگی کی بالکل امید نہ دلائی جائے اور کہتے تھے کہ ہم ٹکڑے ٹکڑے کرکے چیلوں اور کوؤں کو کھلائے جائیں گے ہمیں کھانا معمولی دیا جاتا تھا۔ البتہ دو مرتبہ بادشاہ نے ہمیں نہایت عمدہ کھانا بھیجا تھا۔ جمعرات کو چند سپاہی آئے اور کہنے لگے کہ" وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔ اور انہوں نے انگریزوں کے قتل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ جمعہ کو دوپہر تک کوئی واقعہ نہیں گذرا صرف بادشاہ کے ایک خاص ملازم نے کسی لیڈی سے کہا تھا (میں جانتی ہوں وہ مسز سٹینس تھیں) کہ اگر انگریزوں کی پھر حکومت ہوجائے تو ہمارے ساتھ کیسا سلوک کریں" لیڈی صاحبہ نے جواب دیا کہ "جس طرح تم نے ہمارے خاوندوں اور بچوں کے ساتھ کیا ہے" ۱۶ مئی یوم جمعرات کو سوا میرے اور میرے بچوں کے اور اس مسلمان عورت کے جو عیسائیوں کو کھانا دیتی

تھی۔ سب انگریزوں، بچوں اور عورتوں کو باہر نکال کر قتل کر دیا گیا۔

سوال۔ تم نے کیسے جانا کہ یہ لوگ سب کے سب قتل کر دیئے گئے اور یہ کیونکر ہوا کہ تم اور تمہارے بچے بچا دیئے گئے اور باقی سب کو قتل کر دیا گیا؟

جواب۔ درزی کے مکان سے جانے کے قبل میں نے ایک درخواست لکھ رکھی تھی اور میری خواہش تھی کہ میں خود جا کر ان کے حضور میں اسے پیش کروں گی۔ مگر جب میں قلعہ کے لاہوری دروازہ پر پہونچی۔ اور سپاہیوں نے جہاں اور چیزیں لیں تھیں یہاں یہ بھی چھین لی۔ میں نے اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں اور میرے بچے کشمیری مسلمان ہیں۔ اسی وجہ سے قید خانہ میں ہمیں کھانا علیحدہ ملا کرتا تھا۔ اور بادشاہ کے خاص ملازم ہمیں مسلمان سمجھتے تھے۔ چنانچہ بارہا انہوں نے ہمارے ہمراہ کھانا وغیرہ کھایا ہے غدر کے شروع سے میں نے مسلمانوں کے مذہبی کلمات یاد کر لئے تھے اور بچوں کو بھی یاد کرا دیئے تھے۔ چنانچہ ہم سب بڑی روانی سے اس کو پڑھ سکتے تھے اور مسلمان بنے رہنے سے ہماری جانیں بچ گئیں۔ سولہ مئی کی صبح کو بادشاہ کے خاص ملازمین چند پیدل سپاہیوں کو ہمراہ لئے ہوئے آئے۔ اور ہماری جماعت کو مخاطب کر کے کہا کہ عیسائی مکان سے باہر نکل آئیں اور پانچ مسلمان اندر ہی رہیں۔ بچوں اور عورتوں نے واویلا مچانا شروع کیا اور کہا کہ انہیں پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ قتل کئے جائیں گے لیکن مسلمانوں نے قرآن اور ہندوؤں نے جمنا کی قسم کھا کر کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ انہیں اور اچھی جگہ لیجا کر رکھیں گے اور جس میں وہ فی الحال مقید ہیں وہ میگزین بنایا جائیگا۔ غرضیکہ انہیں دم دلاسا دیکر وہ باہر لے گئے اور گنتی کی گئی۔ مجھے تعداد یاد نہیں۔ پھر ان کے گرد ایک رسا پھینکا گیا اور سب کو اکٹھا کر کے اس طرح جکڑا جیسے قیدیوں کو عموماً کہیں لیجاتے وقت جکڑتے ہیں پھر انہیں وہاں سے جدا کیا گیا یہاں تک کہ میری نظروں سے غائب ہو گئے میں نے سُنا ہے کہ صحن میں پیپل کے درخت کے نیچے چھوٹے حوض کے پاس لاکر کھڑے کر دیئے

گئے۔ سپاہیوں میں سے کسی نے بھی ان کے قتل میں حصہ نہیں لیا۔ صرف بادشاہ کے خاص ملازموں کی تلواروں سے قتل کئے گئے اور انہیں کو قیدیوں کے قتل کرنے کا استحقاق دیا گیا تھا۔ کیونکہ ان کے عقیدے میں کفار کو قتل کرنے سے بہشت ملتی ہے اور ان لوگوں کو بھی ملے گی۔ میں نے یہ جاروب کش کی عورت سے سنا تھا۔ اور تمام ایام غدر دہلی میں مجھے بارہا اس کی تصدیق ہوتی رہی۔ قتل کے بعد ہی دو توپیں داغی گئیں اور مجھ سے کہا گیا کہ یہ اظہار مسرت میں سر کی گئی ہیں۔ قتل کے ایک گھنٹہ بعد ایک پیر مرد جنہیں مفتی صاحب کہتے تھے میرے محافظوں سے آکر کہنے لگے کہ وہ ان پانچ قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو بچا لئے گئے ہیں۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ ہماری جان بخشی کر دی گئی۔ اور شاہی ملازموں سے کہا کہ ہمیں کسی محفوظ مقام میں پہونچا دیا جائے لیکن دن کے وقت کسی صورت سے نہیں۔ کیونکہ سپاہی اور شہر کے باشندے دیکھ لیں گے تو ہمیں مار ڈالیں گے۔ (مجھے یہاں یہ بتا دینا چاہئے کہ بعض لوگوں کو میرے عیسائی ہونے کا شبہ تھا) شام کو ہمیں درزی کے مکان میں پہونچا دیا گیا اور دوسرے شگل کو چیف پولیس افسر نے ہمیں وہاں گرفتار کر لیا۔ ہم قیدیوں کی طرح مرزا مغل کے سامنے حاضر کئے گئے۔ اور پولیس افسر نے ان سے کہا کہ ہم عیسائی ہیں۔ اور بھیس بدل کر رہتے ہیں۔ مرزا مغل نے حکم دیا کہ ہماری گردنیں ماردی جائیں لیکن اٹھتیویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے ہمیں آزاد کرا دیا۔ جب سپاہی شکست کھا کر واپس شہر میں آئے اور لوگ علانیہ کہنے لگے کہ ہمیں انگریزوں کے خلاف رہنے کی طاقت نہیں۔ خصوصاً ہندو سپاہیوں نے مسلمانوں کو ملامت کرنی شروع کی کہ "انگریزوں سے تمہارا یہ پہلا ہی مقابلہ ہے کیا اسی بھروسہ پر مذہب کے لئے لڑتے تھے وہ خود بھی افسوس کرتے تھے کہ ہم انگریزوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ وہ مسلمانوں کو مذہب کی آڑ میں دھوکہ دینے سے لعنت ملامت کرتے رہے۔ انہیں ہمیشہ یہی پس و پیش لگا رہا

کہ آیا دراصل انگریز گورنمنٹ ان کے مذہب میں دخل دیتی ہے یا نہیں؟ ہندو سپاہیوں کی کثیر تعداد کہنے لگی کہ اگر اسے جاں بخشی کا اطمینان ہو جائے تو وہ پھر انگریزوں کی ملازمت میں آنا چاہتے ہیں لیکن مسلمان ہمیشہ اس کے برخلاف کہتے رہے کہ بادشاہ کی ملازمت بہ نسبت گورنمنٹ کی ملازمت کے افضل تر ہے۔ اور نواب راجہ وغیرہ جرار فوجوں سے بادشاہ کی مدد کریں گے۔ اور وہ ضرور آخر کار کامیاب ہونگے۔

سوال۔ دہلی میں جب تم غدر کے زمانے میں مقیم تھیں تھیں ہندو اور مسلمان باغی سپاہیوں کے جذبات کا اندازہ کرنے کا کبھی موقع ملا تھا؟

جواب۔ جی ہاں۔ غدر کے زمانہ میں میں نے ہمیشہ مسلمانوں کو مسرور اور شاداں پایا ہے۔ محرم کے زمانہ میں مسلمان عورتیں اپنے بچوں کو دعا کرنا سکھاتی تھیں کہ ان کے مذہب کو فتح نصیب ہو اور ان دعاؤں میں عموماً انگریزوں پر لعن طعن کیا جاتا تھا

سوال۔ جب ہندو اور مسلمان دہلی میں متفق تھے کیا ان میں کوئی مذہبی مناظرہ یا تنازعہ ہوا تھا؟

جواب۔ مجھے خیال ہے کہ جب فوجیں پہلے پہل میرٹھ سے آئیں تو ہندوؤں نے بادشاہ سے عہد کرا لیا کہ شہر میں گاؤکشی نہ کی جائے اور یہ عہد برقرار رکھا گیا میں سمجھتی ہوں کہ تمام ایام غدر تک دہلی میں اس عہد کے سبب ایک گائے بھی نہیں کاٹی گئی۔ بقرعید کے موقعہ پر جبکہ مسلمان یقینی گائے کی قربانی کیا کرتے ہیں ایک بے چینی پھیل گئی تھی مگر مسلمانوں نے اس موقعہ پر بھی گائے کی قربانی نہیں کی۔ ذیں ستمبر کی صبح کو دیسی پوشاک پہنکر میں دہلی سے بھاگی اور اپنے تینوں بچوں اور دو ملازموں کو لیکر میرٹھ پہونچی۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

عدالت نے اظہار لئے

سوال۔ کیا تم جانتی ہو کہ انگریز خواتین کی ہندوستانی سپاہ یا باشندگان شہر نے

عصمت ریزی تو نہیں لی۔

جواب۔ جی ہاں۔

گواہ چلی جاتی ہے۔ چار بج جانے سے عدالت کل گیارہ بجے تک کیلئے ملتوی کر دی جاتی ہے۔

چودھویں روز کی کارروائی

یوم جمعہ ۱۲۔ فروری ۱۸۵۸ء

آج گیارہ بجے پھر عدالت قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ، ممبران، مترجم، ڈپٹی جج، ایڈوکیٹ جنرل تمام اراکین موجود ہیں۔

ملزم عدالت میں لائے گئے۔

مسٹر سی۔ بی۔ سانڈرس قائم مقام کمشنر اور لفٹننٹ گورنر کے ایجنٹ عدالت میں طلب کئے گئے۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا تم عدالت کو اس امر کی اطلاع دے سکتے ہو کہ کس وجہ سے شاہان دہلی گورنمنٹ برطانیہ و ہند کی رعایا اور پنشن خوار ہوئے؟

جواب۔ شاہ عالم شہنشاہ دہلی کی آنکھیں نکالے جانے اور غلام قادر کے ہاتھوں ہمہ قسم کی اذیتیں اٹھانے کے بعد ۱۷۸۸ء میں وہ مرہٹوں کے ہاتھ پڑ گئے۔ شہنشاہ دہلی کی حکومت پوری تھی گر دہلی میں ہی قید شدید یا خفیف میں رہے اور ۱۸۰۳ء تک مرہٹوں کے دست ستم کا آماجگاہ بنے رہے۔ جب جنرل لیک صاحب نے علیگڈھ پر قبضہ کر لیا تو برطانوی فوجیں لے کر دہلی پر بھی حملہ کیا۔ مرہٹہ افواج دہلی سے چھ میل کے فاصلہ پر مقابلہ کے لئے نکلیں گر جنرل لیک صاحب کے ہاتھوں شکست فاش

کھا کر بھاگ گئیں۔ جب شہر اور قلعہ مرہٹوں کے ہاتھ سے نکل کر گورنمنٹ کے ہاتھ آگیا۔ تو شہنشاہ شاہ عالم نے جنرل لیک صاحب سے انگریزی گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں آنے کی درخواست کی اور ۱۶ ستمبر جو ۱۸۵۷ء کے فاتحانہ قتل اور برطانوی افواج کے دہلی میں داخل ہونے سے کہیں زیادہ قابل یادگار ہے۔ شاہان دہلی گورنمنٹ برطانیہ کے پنشن خوار اور رعایا بن گئے۔ اور برطانوی حکمرانوں نے انہیں مرہٹوں کے ظلم و ستم اور قید بامشقت سے چھڑا کر عیش و آرام عطا کیا۔ ملزم نے ۱۸۳۶ء سے دہلی کی فرضی حکومت حاصل کی لیکن ان کا اقتدار خاص قلعہ والوں پر بھی نہیں تھا۔ البتہ اپنے مقربین کو خلعت فاخرہ اور خطابات دینے کی طاقت تھی۔ وہ اور ان کے اہل خاندان بے شک لوکل کورٹ سے بری تھے مگر گورنمنٹ عالیہ کے زیر نگیں تھے۔

سوال۔ کیا گورنمنٹ نے ملزم کے مسلح سپاہیوں کی کوئی حد مقرر کی تھی؟

جواب۔ ملزم نے لارڈ ہاک لینڈ سے درخواست کی تھی کہ جتنے ملازم وہ رکھنا چاہیں رکھنے دیئے جائیں۔ گورنر جنرل نے جواب میں اجازت دیدی کہ وہ اپنے وظیفہ میں سے تنخواہ دیکر جتنے ملازم رکھنے چاہیں رکھ سکتے ہیں۔

سوال۔ جو پنشن گورنمنٹ نے ملزم کے لئے منظور کی تھی بیان کر سکتے ہو کیا تھی؟

جواب۔ ان کا ایک لاکھ روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر تھا جس میں سے ۹۹۰۰۰ روپیہ دہلی میں اور ... لکھنؤ میں ان کے اہل خاندانوں کو ملتا تھا۔ نیز سرکاری اراضی سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ وصول کرنا بھی منظور تھا۔ اور دہلی کے مکانات کا کرایہ اور زمین کا معاوضہ بھی لیتے تھے۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ چلے جاتے ہیں۔

مسٹر پیٹرسن میجر دیسی پیدل نمبر ۵۴ عدالت کے روبرو حاضر کئے گئے اور شہادت دینے لگے

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا گذشتہ مئی کی گیارہویں تاریخ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب۔ جی ہاں۔

سوال۔ اس وقت جو کچھ تم نے دیکھا ہو بیان کرو۔

جواب۔ گیارہ تاریخ کو حسب معمول صبح کے وقت قواعد تھی۔ اور بعض احکام پڑھ کر سنانے تھے چنانچہ یہ بخیر و خوبی انجام پایا اور اس وقت تک غدر کا ذرا بھی شبہ نہ تھا لیکن نو بجے رجمنٹوں کو فی الفور تیار ہو کر جمنا کے پل پر جانے کا حکم ملا تاکہ رسالہ نمبر ۳ کے سوار جو میرٹھ سے بغاوت کر کے آرہے تھے۔ دریا کو عبور نہ کرنے پائیں۔ کرنیل رپلی نے پریڈ کے میدان میں مجھے حکم دیا کہ اپنی کمپنی گرنیاڈیرس اور کمپنی نمبر ایک دونوں کو مع دو توپوں کے ہمراہ لے کر پل پر جاؤں اور اس کی حفاظت کروں کرنیل مذکور نے مجھ سے یہ بھی کہہ دیا کہ جانے سے قبل کپتان ڈے ٹیزرس کے مکان پر جو راہ میں ملتا تھا جا کر ان کے احکام بھی حاصل کروں۔ کپتان ڈے ٹیزرس نے مجھے مع کمپنی کے صدر بازار میں ٹھیرنے کا حکم دیا۔ اور کہا کہ توپیں آلیں۔ پھر وہاں سے کوچ کرنا مگر پون گھنٹے تک میں ٹھیرا رہا۔ اور توپیں نہ آئیں۔ تو میں نے اپنے ماتحت لفٹنٹ وبرٹ کو تحقیق کرنے کے لئے روانہ کیا کہ کیا سبب ہے جو ابھی تک توپیں نہیں آئیں۔ اور اس خیال سے کہ توپیں ہمیں راہ میں مل جائیں گی اور وقت بھی بچ جائے گا۔ میں نے اپنے زیر کمان کمپنیوں کو مارچ کا حکم دیا۔ اور پل کی طرف روانہ ہوا۔ لفٹنٹ وبرٹ مجھے نصف راہ میں ملے اور کہا کہ ہندوستانی توپچی میگزین کو چھوڑ رہے ہیں لیکن توپیں بہر حال بہت جلد پہنچا دی جائیں گی۔ اور جب میں پل سے ڈیڑھ میل فاصلہ پر تھا توپیں پہونچ گئیں۔ کشمیری دروازہ سے سوگز آگے پہونچکر کپتان والس مل گئے جو اس ہفتہ فیلڈ آفسر تھے۔

انہوں نے مجھ سے کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو پل پر پہنچوں کیونکہ باغی سوار پہونچ چکے ہیں اور دیسی پیدل نمبر ۵۴ کے افسروں پر فیر کر رہے ہیں۔ میں نے فوراً اپنی کمپنیوں کو بندوقیں بھرنے کا حکم دیا۔ اور جب یہ ہو چکا تو کرنیل رپلی کشمیری دروازہ سے نکلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے کئی مقامات پر زخم آئے تھے۔ اور میجر فائٹ انہیں سنبھالے ہوئے تھے۔ میں پھر باغیوں کی سرکوبی کا تصور کر کے وہاں سے روانہ ہوا۔ لیکن راہ میں ایک بھی نہ ملا۔ نمبر ۵۴ پیدل رجمنٹ کی آٹھویں کمپنی کے سپاہی جو کرنیل رپلی کے زیر کمان پیشبندی کے لئے روانہ کئے گئے تھے وہاں موجود نہ تھے۔ صرف نمبر ۳۸ دیسی پیدل کے ۵۰ سپاہی بطور گارڈ لفٹنٹ پراکٹر کی سپردگی میں موجود تھے کپتان والس نے مجھ سے ذکر کیا کہ نمبر ۳۸ کے ان سپاہیوں نے چند گز کے فاصلہ پر کرنیل رپلی کو باغیوں کے ہاتھوں کٹتے دیکھا۔ ہر چند میں نے حکم دیا مگر کوئی بھی کرنیل کو بچانے کے لئے ایک قدم نہیں ہلا۔ نمبر ۵۴ نے بھی اپنے افسروں سے ایسا ہی شرمناک برتاؤ کیا۔ گرجا کے مغربی میدان میں میں نے کپتان اسمتھ کپتان بروز لفٹنٹ ایڈوارڈس لفٹنٹ واٹرفیلڈ اور میجر سرجنٹ کو مردہ پایا جو خاک پر پڑے ہوئے تھے یہ سب نمبر ۵۴ دیسی پیدل کے افسر تھے توپوں کو موقع بموقع نصب کر کے اور مختلف مقامات پر سنتریوں کو کھڑا کر کے میں نے لفٹنٹ وبرٹ سے مشورہ کیا کہ ہم چلکر ان مقتولوں کی لاشیں اٹھا لائیں لیکن کمپنی کے سپاہیوں نے ہمیں منع کیا کہ ابھی اس سے باز رہیں کیونکہ باغی سوار افسروں کی تلاش میں ہر طرف پھر رہے ہیں سپاہیوں نے یہ بھی کہا کہ وہ خود ان لاشوں کو اٹھا دینگے تھوڑی دیر کے بعد ایڈجوٹینٹ لفٹنٹ آس برن اور لفٹنٹ بٹلر جو شہریوں کے ہاتھوں زخمی ہو گئے تھے ہم سے آملے۔ انسائن انگلو بھی ہمارے پاس چلے آئے اسوقت کشمیری دروازہ کے گرد و نواح میں بالکل سکون تھا۔ بارہ بجے لائٹ کمپنی کا ایک سپاہی میرے پاس آکر کہنے لگا کہ حوالدار میجر نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ رجمنٹ کہاں

پھر میں نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سواروں کے
ں پر گولیاں چلانے سے یہ لوگ بھاگ نکلے اور سبزی منڈی میں جاکر جمع ہو گئے۔
نے اس سے کہا کہ انہیں جاکر کشمیری دروازہ آنے کا حکم دے۔ وہ سب بغیر کسی
فسر کے آگئے اور کہنے لگے کہ راستہ بھر باغی سواروں نے ان کا تعاقب کیا۔ اور
یے کہ ہم سے مل کر بغاوت میں حصہ لو۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے سپاہیوں
سے انگریز افسروں کی لاشیں اٹھوالیں۔ اب ہم میں نمبر ۵۴ میجر ایبٹ کے
ن مل گئی تھی۔ اور کپتان ڈیٹرز کی دو توپیں بھی ہمارے ہی ہمراہ تھیں۔ ایسا
گرتا ہوں کہ شاید اس وقت دو بجے تھے جبکہ ہمیں میگزین کی طرف سخت
ہ اور گولہ باری سنائی دینے لگی اور ساڑھے تین بجے تک یہ آوازیں آتی رہیں
یہ کہنا بھول گیا کہ جب میں کشمیری دروازہ پر پہونچا تو مسٹر گیلوے نے آکر
ہ کے گارد کو تقویت دینے کیلئے کہا۔ چنانچہ کئی سپاہی روانہ کر دیئے گئے۔
ولف بائی میگزین سے بھاگ کر ہم میں آئے۔ اور بیان کیا کہ کس طرح انہوں
ور چند انگریزوں نے میگزین کو اب تک بچائے رکھا۔ اور بادشاہ کا فوج بھیجنا
زین پر حملہ کرنے کے لئے سیڑھیاں روانہ کرنا وغیرہ بیان کرتے رہے ہم پانچ بجے
شمیری دروازہ پر مقیم رہے جب میں کھڑا تھا کہ اچانک ایک باڑھ ماری گئی جو میرے
نے سے گزر گئی اس میں نمبر ۳۸ کے کپتان گارڈن اور لفٹننٹ ریولی مقتول اور
۳ ہ کے لفٹننٹ اسپارن مجروح ہوئے پھر لائٹ کمپنی کے ایک سپاہی نے
ے شانے پر ہاتھ رکھکر کہا کہ بہتر ہوگا میں فوراً چلا جاؤں۔ ورنہ گولی سے ماردیا
ں گا۔ اور نمبر ۳۸ ہ کے سپاہیوں کو اپنی ماتحتی میں نہ پاکر اور اپنا ٹھہرنا لاحاصل سمجھ کر
نمبر ۳۸ کے ایک افسر کے پاس چلا گیا ہم شاہ راہ سے جا رہے تھے۔ مگر وہی لائٹ
ے کے سپاہی (صرف وہی جو میرے پاس کھڑا تھا) مجھ سے گلیوں میں سے جانے

کے نے کہنے لگا کیونکہ شاہراہ محفوظ نہیں تھی۔ چنانچہ ہم اسی کے نصیحت کے بموجب گلیوں میں سے برگیڈئر گریوز کے پاس پہونچے۔ اور جو کچھ دیکھا تھا اطلاع دیدی۔ وہاں دو توپیں اور دیسی پیدل نمبر ۳۸ کی ۳۰۰ سپاہ موجود تھی جو اس وقت تک نہایت وفاداری سے خدمات بجالا رہی تھی۔ مجھے وہاں پندرہ منٹ کا وقفہ ملا۔ جس کے درمیان میں سپاہ مذکور نے عہد کیا۔ کہ وہ ہماری رفاقت نہ چھوڑے گی اور جہاں ہم جائیں گے ساتھ چلے گی۔ چنانچہ وہ سپاہی ہمارے ساتھ ہو لئے۔ پہاڑی پر سے نیچے اُتر کر چھاونی کی سڑک پر چلنے لگے اور جب لائنوں میں پہونچے تو وہ لوگ ایک ایک دو دو کر کے اپنی جھونپڑیوں میں چلے گئے۔ اور پھر صورت نہیں دکھائی جب میں نے ان سے دریافت کیا تو کہا کہ پانی پیکر ابھی آتے ہیں۔ مگر ہتھیار وغیرہ وہ لے کر چل دیئے یہ حالت دیکھکر میں اپنے خاص مکان کے گارد میں پہونچا۔ اس وقت ساڑھے سات بجے تھے میں نے گارد کو اپنے ہمراہ چلنے کی ترغیب دی اور تقریباً آدھ گھنٹہ تک ان کی خوشامد کرتا رہا۔ آخر کار بہزار خرابی حوالدار میجر اور دو سپاہیوں نے میرا ساتھ دینا منظور کیا۔ چنانچہ ہم تینوں چل کھڑے ہوئے مگر تاریکی میں راستہ بھول گئے۔ اور صبح ہم نے اپنے آپ کو دہلی سے چار میل کے فاصلہ پر پایا۔ میں تین روز تک برف کے کھتوں کے قرب وجوار میں روپوش رہا۔ جو دہلی سے تین میل کے فاصلہ پر ہیں حوالدار اور سپاہی نے پہلے ہی روز صبح کھانا لانے کے بہانے سے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ دوسرا سپاہی دوسرے روز تنہا چھوڑ چکا تھا۔ آخر کار میں ایک فقیر کی مدد سے کرنال بھاگ گیا۔

سوال۔ کیا تمہیں اپنی رجمنٹ میں کوئی آثار معلوم ہوئے تھے جس سے ظاہر ہوا ہو کہ سپاہیوں کو میرٹھ کے باغیوں کی آمد کی اطلاع پہلے سے تھی؟

جواب۔ گیارہ مئی تک میں کوئی علامت یا نشانی محسوس نہیں کر سکا لیکن اب

مجھے ان لوگوں کی اس روز کی تمام عادات و اطوار سے یقین ہوا ہے۔ کہ انہیں بیشک پہلے سے معلوم تھا۔ ہنگامہ سے قبل اڑتی اڑتی خبریں ہمیں ملتی رہتی تھیں مگر اس کا سان و گمان بھی نہ تھا۔ لفٹنٹ ویبرٹ نے گذشتہ ستمبر میں مجھ سے کہا تھا کہ صوبہ دار میجر کریم بخش نے کپتان رسل کو گیارہ مئی سے دو ماہ قبل اطلاع کی تھی۔ کہ لوگ بہاری لائنوں میں آتے جاتے ہیں۔ اور سپاہیوں کو بغاوت کی تحریک کرتے ہیں۔ گذشتہ جون کی آٹھ تاریخ کو کپتان رسل با دلی کی سرائے میں مارڈالے گئے اور صوبہ دار میجر تا حال میرٹھ میں موجود ہے یہ مجھے یقین ہے۔ اور اب ثابت ہوتا ہے کہ جو خبریں کپتان رسل کو ملتی رہیں وہ بیشک غدر ہی کی بابت تھیں۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ جاتے ہیں۔

مکندلال سکریٹری سابق شاہ دہلی طلب کیا جاتا ہے اور اظہار لیا جاتا ہے

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال گذشتہ بغاوت کی اصلیت اور دیسی فوج کے بارے میں تم کچھ جانتے ہو؟

جواب۔ بادشاہ دہلی دو سال گذرے جب برٹش گورنمنٹ سے بدظن ہوگئے تھے اور طے کر لیا تھا کہ وہ آئندہ انگریزوں کی بالکل خاطر اور عزت نہ کیا کریں گے۔ مفصل حالات یہ ہیں۔ جب مرزا حیدر شکوہ اور مرزا فرید فرزندان مرزا خان بخش ابن مرزا سلیمان شکوہ لکھنؤ سے یہاں آئے تو شاہ حسن عسکری نے بادشاہ دہلی کو بادشاہ ایران کے پاس خط روانہ کرنے کی رائے دی۔ انہوں نے بتایا کہ اس خط میں یہ ہونا چاہئے کہ انگریزوں نے بادشاہ دہلی کو قیدی بنا دیا ہے اور تمام حقوق جو بادشاہ ہونے کی حیثیت سے انہیں حاصل ہونے چاہئیں سلب کر لئے ہیں۔ ولی عہد مقرر کرنا مسترد کر دیا ہے۔ پھر یہ تحریر کیا گیا تھا کہ کوئی ایسا ذریعہ حاصل کیا جائے جس سے

یہ معاملہ راہ پر آجائے۔ اور طرفین (شاہ ایران وشاہ دہلی) میں خط وکتابت ہوتی رہا کرے اور ملاقات بھی ہوا کرے۔ چنانچہ شیدی قنبر کو زاد راہ کے لئے ایک سو روپیہ محبوب علی خاں کی معرفت عطا کئے گئے۔ اور وہ خط مذکورہ لیکر ایران روانہ ہوگیا۔ اس کے بعد مرزا حیدر اور اس کا بھائی لکھنؤ واپس چلے گئے۔ جہاں سے انہوں نے بے مرزا نجف بادشاہ کے ایک دور کے رشتہ دار کو مرزا بلاقی فرزند مرزا مشرف الدین ابن مرزا آغا جان کے ہمراہ ویسا ہی ایک خط دیگر ایران روانہ کیا۔ تین سال ہوئے کہ چند پیدل سپاہی متعینہ دہلی معرفت مرزا علی جن کا کام عرضیاں وصول کرکے پیش کرنا تھا۔ اور حمید خاں جمعدار بادشاہ کے مرید ہوئے اس موقع پر بادشاہ نے ہر ایک مرید کو ایک ایک شجرہ مع تفصیل نام ان پیشواؤں کے جن کے ہاتھ پر وہ بعیت ہوئے اور اس میں اپنا بھی نام داخل کرکے اور ایک رومال رنگین سرخ علامت برکت کی عطا کی۔ لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ نے یہ سن کر تحقیقات کی اور فوجی لوگوں کا آئندہ مرید ہونا مسدود کردیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس روز سے بادشاہ اور فوج میں ایک قسم کا ارتباط ہوگیا تھا۔ گذشتہ بغاوت کے بیس روز قبل خبر موصول ہوئی تھی۔ کہ میرٹھ کی فوجیں علانیہ بغاوت کرنے والی ہیں لیکن یہ نہیں سنا گیا تھا کہ وہ یہاں آرہی ہیں۔ جب سوار یہاں پہونچے تو پہلے محل کی کھڑکیوں کے تلے آکر بادشاہ سے کہنے لگے۔ کہ وہ تمام انگریزوں کو قتل کرکے یہاں آئے ہیں۔ اور اب یہاں کے انگریزوں کو فی الفور قتل کرڈالیں گے۔ اور ملزم کو اپنا بادشاہ تصور کریں گے۔ اور پھر کہنے لگے۔ کہ تمام ہندوستان میں کوئی ایک انگریز بھی نہ بچ سکے گا۔ سب کے سب قتل کردیئے جائیں گے اور تمام فوج بادشاہ کے احکام بجالائے گی۔ بادشاہ نے کہا اگر ان کی یہی خواہش ہے تو انہیں آخری وقت تک ساتھ دینا ہوگا۔ اور اگر اس پر وہ رضامند ہوں تو شوق سے چلے آئیں اور تمام انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں

جب انہوں نے رضامندی ظاہر کی تو بادشاہ نے انہیں آنے دیا۔ وہ شہر میں گھس گئے مسلح باڈی گارڈ نے ان کا ساتھ دیا۔ قادر داد خاں نامی کابلی نے ریزیڈنٹ مسٹر فریزر کو قتل کیا۔ اسی وقت کچھ پیدل سپاہی مسلح باڈی گارڈ کے سپاہیوں کے ہمراہ قلعدار صاحب کی قیام گاہ میں گھس گئے اور انہیں قتل کر ڈالا۔ بعد ازاں جہاں کہیں انگریز ملتے گئے باغی انہیں قتل کرتے رہے۔ اسی روز تمام شہر میں منادی کرادی گئی کہ خدا حکمران جہاں ہے اور بہادر شاہ اس ملک کے تاجدار ہیں اور انہیں کامل اختیار حاصل ہے۔ دوسرے روز جب میرٹھ اور دہلی کی فوجیں آپس میں مخلوط ہوئیں تو بادشاہ تخت نشین ہوئے توپوں سے سلامی دی گئی اور افسروں کو ان کے اپنے مرتبے اور درجے کے موافق انعام بھی دیئے۔ دیوان خاص میں قدیم سے ایک نقرئی تخت رکھا ہوا تھا جس پر بادشاہ ایسے موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے لیکن ۱۸۴۲ء میں لفٹنٹ گورنر نے جب بادشاہ کے تحائف اور نذریں لینے کو ممنوع قرار دیا تو یہ تخت بھی بادشاہ کے نشستگاہ کے تہ خانہ میں بند کر دیا گیا تھا۔ اس وقت سے یہ تخت ۱۲ مئی تک بیکار رہا۔ اور اس روز اسے پھر باہر نکالا گیا۔ جس پر بادشاہ پھر بیٹھنے لگے۔

سوال۔ کیا گیارہ مئی سے قبل بادشاہ کو سپاہیوں نے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا تھا؟

جواب۔ مجھے معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی اطلاع بالا بالا ملزم کو پہونچی ہو لیکن بادشاہ کے ملازمین و مقربین اپنے خانگی کمروں کے پاس بیٹھ کر ذکر کیا کرتے تھے کہ فوج بہت جلد بغاوت کرنے والی ہے۔ جس کے بعد وہ قلعہ میں آئے گی۔ پھر بادشاہی حکومت از سر نو قائم ہو گی اور تمام قدیم ملازموں کو ترقیاں دیجائیں گی اور انعام و اکرام بخشا جائے گا۔

چار بج گئے کل گیارہ بجے تک کے لئے عدالت برخاست ہو گئی۔

پندرہویں روز کی کارروائی

یوم شنبہ۔ مورخہ ۱۳ فروری ۱۸۵۸ء

عدالت دیوان خاص قلعہ دہلی میں آج گیارہ بجے منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ ممبران۔ مترجم۔ ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم اپنے مختار غلام عباس کے ہمراہ عدالت میں لائے گئے۔

مکند لال سکریٹری بادشاہ سابق۔ عدالت میں طلب کیا گیا۔ اور گذشتہ اقرار کی بنا پر اظہار لیے گئے۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لیے

سوال۔ ایسی باتیں بادشاہ کے کون سے مصاحب کیا کرتے تھے؟

جواب۔ بسنت علی خاں اور ان کا تمام گروہ۔

سوال۔ غدر سے کتنے روز قبل وہ ایسی باتیں کیا کرتے تھے؟

جواب۔ چار روز

سوال۔ تمہارے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا حید شکوہ نے بھی شاہ ایران کی خط و کتابت میں حصہ لیا لیکن یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ بادشاہ نے مرزا حید شکوہ کی شکایت کی تھی کہ مرزا نے انہیں لکھنؤ میں بدنام کر دیا ہے اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟

جواب۔ یہ محض بناوٹ تھی جو سچے واقعات کو روشنی میں نہ آنے کے لیے کی گئی تھی تاکہ خدا نخواستہ بھانڈا پھوٹ جائے تو بطور ثبوت یہ پیش کیا جا سکے کہ فریقین میں اتحاد ہی نہیں حالانکہ پوشیدہ ہر دو فریق میں مصالحت تھی۔

سوال۔ لیڈیاں اور بچے جو قلعہ میں مقید تھے کس کے حکم سے قتل ہوئے۔

جواب۔ انہیں تین روز تک گرد و نواح سے اکٹھا کیا گیا۔ چوتھے روز پیادہ اور سوار سپاہی مرزا مغل کے ہمراہ بادشاہ کے خانگی کمروں کے پاس آئے اور بادشاہ سے قتل کی اجازت چاہی۔ بادشاہ اس وقت اپنے کمرہ خاص میں تشریف فرما تھے۔ مرزا مغل اور بسنت علی خاں اندر چلے گئے اور سپاہی باہر کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر تقریباً بیس منٹ بعد دونوں اندر سے واپس آئے اور بسنت علیخاں نے علانیہ چلا کر کہا کہ بادشاہ نے قیدیوں کے قتل کئے جانے کی اجازت دیدی ہے اور وہ لوگ انہیں لے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ کے مسلح سپاہیوں نے قیدی جن کی زیر حراست تھے انہیں مقتل کو پہنچایا۔ جہاں باغی فوجوں سے ملکر غریب قیدیوں کو قتل کر دیا گیا۔

سوال۔ تم کچھ اور جانتے ہو؟

جواب۔ لڑائی شروع ہونے کے بعد جو شخص کسی انگریز سپاہی یا افسر کا سر لاتا تھا دو روپیہ فی سر انعام پاتا تھا۔

سوال۔ کسی موقعہ پر کوئی سپاہی یا افسر قید کر کے زندہ بھی لایا گیا؟

جواب۔ جی نہیں۔

سوال۔ اس غدر سے قبل کیا مسلمانوں نے کبھی سازش کی تھی۔ یا ایسا فتنہ برپا کرنے کے لئے اتحاد کیا تھا؟

جواب۔ جونہی باغی آئے مسلمان، فی الفور ان سے مل گئے۔ کیا اس سے نہیں معلوم ہوتا کہ ان میں پہلے سے ربط ضبط تھا۔ لیکن اعلیٰ طبقہ نہیں تھا بلکہ ذلیل طبقہ جو ان سے ملا ہوا تھا۔

سوال۔ کیا مسلمانوں کے طبقہ اعلیٰ کے کسی شخص کا نام بتا سکتے ہو۔ جو گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف سازش میں نہ شریک ہوئے ہوں؟

جواب - میں جواب نہیں دے سکتا۔
سوال - وہ کون لوگ تھے جو بادشاہ کی خفیہ انجمن میں شریک ہوا کرتے تھے؟
جواب - خواجہ سرا محبوب علی خاں بادشاہ کے وزیر اعظم و پیرزادہ حسن عسکری بادشاہ کی محبوبہ ملکہ زینت محل ان کی دختر نانی بیگم۔ آغا بیگم۔ دوسری دختر ملازم بادشاہ کی بیوی اشرف النسا، یہ اراکین انجمن تھے۔ اور جب لکھنے کی ضرورت ہوتی تو بادشاہ کا دفتر خاص جو حکیم احسن اللہ خاں کی زیر ہدایت رہتا تھا اسے انجام دیتا دفتر مذکورہ میں ایک شخص اور تھا جو ذات کا کایستھ اور میر اہتمام تھا یعنی اسکا بھی نام مکندلال تھا۔
سوال - فارسی کاغذات نمبر ۲-۳- اور ۴ ضمن قتل میں ترتیب دیگر گواہ کو بتائے گئے اور پوچھا گیا کہ کیا وہ ان کا خط جانتا ہے؟
جواب - میں نہیں جانتا۔ وہ نئے دفتر میں جو صوبہ دار بخت خاں نے قائم کیا تھا۔ لکھے گئے ہونگے۔ اس میں ایک مولوی صاحب محرر تھے جو کاغذات تیار کر کے بادشاہ کی مہر ثبت کرنے کے لئے لاتے تھے۔
سوال - کیا تمہیں بادشاہ کی خفیہ انجمن میں کبھی شریک نہیں کیا گیا؟
جواب - جی کبھی نہیں۔
سوال - پھر تم کیونکر بادشاہ ایران کو مشن روانہ کرنے کے راز سے آگاہ ہوئے؟
جواب - اگرچہ میں بادشاہ کا ملازم تھا۔ مگر محبوب علی خاں کی اردلی میں رہا کرتا تھا اور ان سے کوئی کوئی راز کی بات معلوم ہو جاتی تھی۔
سوال - کیا قلعہ میں علی العموم سمجھا جاتا تھا کہ حسن عسکری کا اثر بادشاہ پر بہت ہے؟
جواب - جی ہاں صرف قلعہ ہی میں نہیں بلکہ تمام شہر میں مشہور تھا کہ پیر حسن عسکری اور محبوب علی خاں کا بادشاہ پر بہت اثر ہے
سوال - کیا بادشاہ کی کوئی لڑکی حسن عسکری کی مرید تھی۔ اگر تھی تو کیا ان میں کی

ایک وہ تو نہیں جن کا تم نے ابھی ذکر کیا ہے؟

جواب۔ بادشاہ کی ایک لڑکی مسماۃ نواب بیگم زوجہ مرزا زماں شاہ حسن عسکری کی مریدہ ہو گئی تھیں۔ مگر انہیں وفات پائے ہوئے عرصہ ڈیڑھ سال کا ہو گیا۔ دیگر دو جن کے نام میں نے لئے ہیں پیرزادہ مذکور کی علانیہ مریدہ نہ تھیں لیکن عقیدتمند تھیں اور بزرگی کی قائل تھیں۔

سوال۔ کیا کبھی سپاہیوں کو انگریزوں کے خلاف لڑانے کے لئے بادشاہ قلعہ سے باہر نکلے تھے؟

جواب۔ جی ہاں ہنگامہ کے دو روز بعد یعنی ۱۶۔ستمبر کو وہ ہوادار میں سوار ہو کر میگزین کی طرف چلے۔ اور دو سو گز پر ٹھہر گئے۔ وہاں ایک گھنٹہ توقف کیا اور واپس قلعہ میں چلے گئے۔ پیدل سپاہ کا دل بڑھانے کے لئے وہ نکلے تھے۔

سوال۔ تم جانتے ہو کہ ملزم کے اتنی تھوڑی دور چلکر ٹھہر جانا کیا معنی رکھتا ہے؟

جواب۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ وہ فوج کا دل بڑھانے گئے تھے اور لڑاکی فوجوں کو نکالنے کے لئے۔

سوال۔ کیا بادشاہ صادق الاخبار کو ہمیشہ پڑھتے تھے؟

جواب۔ میں ہمیشہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کی نسبت کچھ نہیں بتا سکتا۔ البتہ یہ اور دیگر اخبارات ان کے پاس آتے رہتے تھے۔

سوال۔ کیا غدر سے چند ماہ قبل مسلمانانِ دہلی میں انگریزی حکومت کے برخلاف جوش و نفرت تھی؟

جواب۔ میں نہیں جانتا۔

سوال۔ کیا تم صادق الاخبار پڑھا کرتے تھے؟

جواب۔ جی نہیں میں نے کبھی اسے نہیں پڑھا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

عدالت نے اظہار لئے

سوال۔ کیا علاوہ مکند لال کالستھ کے کسی اور ہندو کو بھی خفیہ انجمن میں شریک کیا جاتا تھا؟

جواب۔ جی نہیں کسی دوسرے ہندو پر اتنا اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔

سوال۔ تمہیں آگاہی ہے۔ کہ کوئی قاصد دہلی سے دیسی رجمنٹوں کے پاس غدر کے بعد بھیجا گیا ہو۔ تاکہ انہیں دہلی کی بغاوت میں شامل کرے۔ جو اس وقت وفادار گورنمنٹ تھیں؟

جواب۔ میں نہیں جانتا۔

گواہ جاتا ہے۔

کپتان ٹٹلر اڑتیسویں پیادہ رجمنٹ کے طلب کئے جاتے ہیں اور بیان کرتے ہیں۔

جج ایڈووکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا گذشتہ مئی کی گیارہ تاریخ کو تم دہلی میں تھے؟

جواب۔ جی ہاں۔

سوال۔ کیا اس روز تم نے کسی گاڑی کو دیکھا یا سنا تھا جو تمہاری رجمنٹ کی لائنوں میں گئی ہو۔ اگر دیکھا ہو یا سنا ہو تو مفصل بیان کرو؟

جواب۔ جی ہاں دس مئی یوم اتوار کی شام کو تین بجے کے قریب میں نے بگل کی آواز سنی اور گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ جو میرے دروازے کے پاس سے گزر رہی تھی میرے مکان کے پاس سے گاڑی کا گزرنا بالکل غیر معمولی تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے نوکر کو دوڑ کر دیکھنے اور اگر کوئی

میرے گھر مہمان آرہا ہو اسے لینے کے لئے روانہ کیا۔ وہ جاکر فوراً واپس آیا اور کہنے لگا کہ ہندوستانیوں کی ایک گارڈی لائنوں کی طرف جارہی ہے۔ چونکہ میرا مکان سرے پر تھا اور تین طرف سے جانے والے راستے میرے احاطے ہی میں سے تھے اور یہ گارڈی بھی وہیں سے گزر رہی تھی۔ مجھے خیال ہوا۔ کہ صوبہ دار میجر اور افسران رجمنٹ میرٹھ سے آئے ہونگے جو کورٹ مارشل ڈیوٹی پر گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے اسی ملازم کو لائنوں کی طرف روانہ کیا۔ اور کہا کہ صوبہ دار میجر کو ہمارا سلام دو۔ اور کہو کہ صاحب تم سے ملنا چاہتا ہے۔ نوکر نے تھوڑے عرصہ بعد واپس آکر کہا کہ اس گارڈی میں اپنی رجمنٹ کا کوئی افسر یا سپاہی نہیں ہے۔ بلکہ میرٹھ کے کئی سپاہی ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی اور رجمنٹ کے سپاہیوں کا ذکر کر رہا ہے۔

سوال۔ ۱۱ مئی کو تم نے کیا مشاہدہ کیا؟

جواب۔ گیارہ مئی کو صبح میں سمجھتا ہوں ۹ بجے ہونگے کہ میرا نوکر کمرہ میں دوڑا آیا اور کہنے لگا۔ کہ لفٹنٹ ہالینڈ نے پیام بھیجا ہے کہ باغی فوجیں دہلی آرہی ہیں۔ میں نے اپنی وردی پہنی اور ان سے ملنے کے لئے گیا۔ پھر ہم دونو ملکر ایڈجوٹنٹ لفٹنٹ گبیر کے پاس گئے۔ جہاں ہمیں کمانڈنگ رجمنٹ کرنیل ناوٹ۔ کپتان گارڈنر، برائگیڈ میجر کپتان نکول بھی ملے۔ اسی وقت یہ معلوم ہوا کہ باغی میرٹھ سے دہلی آرہے ہیں۔ اور مجھے فوراً لائنوں میں پہونچکر اپنی اور کپتان گارڈنر کی کمپنی لے کر مارچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ دوسو آدمیوں کو تیار کرکے اور ہر ایک کو بارود وغیرہ دے کر شہر کے باہر دریا کے کنارے نئے میگزین کے متصل ایک مکان ہے اس میں جاؤں اور کسی باغی کو دریا نہ عبور کرنے دوں۔ کپتان گارڈنر اور میں لائنوں میں پہونچے۔ ہمیں اسی وقت اپنی کمپنی کے سپاہیوں کے

تیور بدلے ہوئے نظر آئے۔ تھوڑی وقت کے بعد ہم ہر دو کمپنیوں میں سے سو سو آدمی منتخب کرنے میں کامیاب ہوئے۔ جب میگزین پہونچے۔ تو بارود وغیرہ لینے میں سپاہیوں کو بہت عرصہ ہوگیا۔ اور ہم باہر کھڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں دیر کی وجہ دریافت کرنے اندر گیا۔ تو خلاصیوں نے کہا "ہم کیا کریں وسپاہی جو بارود گولی لینے آئے ہیں۔ کارتوسوں اور ٹوپیوں کو زیادہ تعداد میں لینے کے لئے جھگڑ رہے ہیں اور ہم بغیر گنتی کئے دے نہیں سکتے۔ میں نے جوں توں سپاہیوں میں بارود تقسیم کردی۔ کارتوس اور ٹوپیاں تقسیم ہونے کے بعد بھی ہر شخص کارتوسوں کے بنڈل اٹھانے لگا مجھ پر عجیب انتشار طاری تھا۔ دیر ہو رہی تھی۔ لہذا میں نے ان لوگوں کو خیال میں رکھا جو مقدار سے زائد کارتوس لے رہے تھے۔ تا اس کی پاداش میں بعد کو کسی وقت سزا دی جائے۔ کپتان گارڈنر نے بھی ذکر کیا کہ ان کی کمپنی کے سپاہی مقدار سے زیادہ اسلحہ جنگ لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب کمپنیوں کو چلنے کا حکم دیا گیا۔ تو میں نے اور کپتان گارڈنر نے ان کی غیر معمولی حالت محسوس کی۔ وہ چلاتے ہوئے لائنوں سے نکلے اور راستہ بھر شور و غوغا مچاتے گئے۔ اور انہیں ہم بھی باز نہ رکھ سکے۔ مجھے یہاں ایک بات اور بتانی ہے جو پیشتر بتانا بھول گیا تھا۔ اسی روز صبح براگیڈ پریڈ تھی۔ جہاں الیشوری پانڈے ایک دیسی افسر کی سزا جنرل کورٹ مارشل پڑھے جانے کے بعد بولی جانے والی تھی۔ اس وقت میں نے تمام رجمنٹ میں غصہ اور ناراضگی کے آثار پائے اور گو یہ صرف چند سکنڈ تک رہا تاہم ہم لوگوں پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ یہ انوکھی اور ایسی بات تھی جو کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ جب ہم میگزین کے متصل مکان پر پہونچ گئے۔ تو میں نے مختلف مقامات پر سنتری قائم کئے۔ باقی ماندہ سپاہیوں نے اپنے ہتھیار زمین پر کھڑے کر دیئے۔ اور مکان کے اندر چلے آئے۔ گرمی شدت

بعض لوگ اپنے ہمراہ تربوز اور مٹھائی وغیرہ لائے تھے۔ چنانچہ ہم نے
موصوف نے بھی اس میں حصہ لیا۔ جب ہم کھا رہے تھے کہ سپاہیوں
یا کہا دیکھو شہر میں دمبدم بندوقیں چل رہی ہیں" اس کی تھوڑی دیر
پ کی بھی گرج سنائی دی۔ ہم کچھ نہ سمجھ سکے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ مگر
ڈنر نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لئے کتنی خوشی کی بات ہے کہ سب فوجیں بگڑ بیٹھیں
سپاہ اب تک وفاداری سے احکام بجا لا رہی ہے۔ ہمیں کچھ کچھ یقین
میں بھی غالباً ویسا ہی ہنگامہ برپا ہے۔ جیسا کہ انبالہ وغیرہ میں تھا۔ پھر
ہا کہ ہمارے سپاہی تمازت آفتاب میں چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنائے اپ
ے کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں اندر آنے اور یوں اپنے آپ کو دھوپ
کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے جواب دیا کہ" ہم دھوپ ہی میں رہنا پسند کرتے
ے نے پھر تاکید کی مگر وہ ٹال گئے۔ پھر میں ایک ٹولی میں جو دوسرے کمرے
یا۔ اور دیکھا کہ ایک ہندوستانی سپاہی اپنے ہم چشموں سے کہہ رہا تھا
قت و حکومت ایک وقت معینہ تک رہتی ہے۔ یہ ان کتابوں میں لکھا ہے
تعجب ہے جو انگریزی عملداری بھی برلب اختتام ہی ہو" قبل ازیں کہ میں
کو قید کرتا شہر کا میگزین اڑ گیا۔ اور پھر دونوں کمپنیوں کے سپاہیوں
ماریں۔ اپنے ہتھیار اٹھائے۔ اور" برٹھی راج کی جے ہو" کے نعرے مارتے
رف بھاگ گئے۔

کیا۔ ۱۱ مئی سے پہلے تم نے کوئی ایسی بات دیکھی تھی جس سے معلوم ہو کہ
رجمنٹ کی سپاہ گورنمنٹ سے بدظن تھی؟
نہیں دیکھی۔
کیا کوئی اور بات تمہاری نظر سے گذری تھی جس سے یہ معلوم ہو کہ دہلی کے

ہنگامہ کی قبل اس کے مشتعل ہونے کی امید تھی؟

جواب۔ جی ہاں۔ میرا ایک پرانا خدمتگار تھا جو ہمارے خاندان میں ۲۶ برس تک رہا اور وہ غدر سے کچھ روز پہلے رخصت پر جانے والا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم ضرور واپس آنا۔ نوکری تمہارے لئے موجود ہے۔ اس نے نہایت غمگین لہجہ میں کہا "بہت بہتر جناب بشرطیکہ آپ کا چولہا بدستور سلگتا رہے"۔ یعنی بشرطیکہ تمہارا خاندان مجھے نوکری دینے کے لئے زندہ و قائم رہے۔ پھر وہ چلا گیا۔ اور آج تک اس کی خبر نہیں ہے۔ غدر سے دس روز پہلے اس نے یہ کہا تھا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ جاتا ہے۔

سارجنٹ فلیمنگ سابق سارجنٹ بازار دہلی طلب کئے جاتے ہیں۔ اور شہادت دیتے ہیں۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا غدر سے کچھ پہلے تمہارا لڑکا ملزم کے بیٹے جواں بخت کے گھوڑوں کو پھرانے اور دوڑ لانے پر مقرر تھا؟

جواب۔ جی ہاں اس نے پانچ سال تک یہی کیا۔

سوال۔ تمہارے لڑکے کی کیا عمر تھی؟

جواب۔ اس کی عمر تقریباً انیس سال کی تھی۔

سوال۔ غدر سے کچھ روز قبل کیا اس نے ملزم کے لڑکے جواں بخت کے بدکلامی کرنے کی شکایت کی تھی؟

جواب۔ اپریل ۱۸۵۷ء کے آخر میں ایک روز وہ مسٹر فریزر کے دفتر سے آیا جہاں وہ اکثر لکھا کرتا تھا۔ اور مجھ سے کہا کہ وہ وزیر اعظم کے مکان پر گیا تھا۔ جہاں ملزم کا لڑکا

جواں بخت بھی اسے مل گیا۔ اور جواں بخت نے اس سے کہا کہ وہ پھر اس طرف قدم نہ رکھے۔ ہم ملازم نہیں رکھنا چاہتے۔ کافروں کی صورت دیکھنی ہمیں جائز نہیں ہے اور تھوڑے روز بعد سب کافر قدموں کے نیچے رگڑے جائیں گے پھر جواں بخت نے اس پر تھوک دیا۔ اسی وقت میرے لڑکے نے مسٹر فریزر سے ذکر کیا جنہوں نے اُسے جھڑک دیا۔ اور کہا وہ ایسی مزخرفات نہیں سُننی چاہتے۔ اس کے بعد دومی کو وزیر اعظم نے میرے لڑکے کو تنخواہ دینے کے لئے بلوایا اور موقع پر پھر جواں بخت نے اس کو بہت گالیاں دیں اور کہا کہ تھوڑے دن کے بعد وہ اس کا سر اُتارے گا۔ میرا لڑکا اسی جگہ غدر میں مارا گیا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ جاتا ہے۔

عدالت ساڑھے تین بجے سے منگل ۲۴-فروری تک کیلئے ملتوی کردی جاتی ہے۔ تاکہ اور گواہ حاضر ہوسکیں اور مترجم چند ضروری کاغذات کا ترجمہ کرسکیں۔

سولھویں روز کی کارروائی

یوم منگل مورخہ ۲۴-فروری ۱۸۵۸ء

دیوان خاص قلعہ دہلی میں عدالت آج منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ ممبران مترجم۔ ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم معہ اپنے مختار غلام عباس عدالت میں حاضر کئے گئے۔

دیسی پیدل نمبر ۰ا کے کپتان مارٹینیو عدالت میں طلب کئے گئے اور بیان کرنے لگے۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ کیا مئی ۱۸۵۶ء تک تم انبالہ چھاؤنی میں بندوق بازی سکھاتے تھے؟
جواب۔ جی ہاں۔
سوال۔ کیا ہندوستانی پیدل کا ہر ایک سپاہی تمہارے پاس سیکھنے کے لئے آتا تھا؟
جواب۔ ہر ایک دیسی پیدل تو نہیں بلکہ صرف نمبر ۴۴ رجمنٹ کے چار سپاہی آتے تھے۔
سوال۔ کیا ان لوگوں سے اور تم سے کبھی چپاتیوں کی نسبت کوئی تذکرہ ہوا تھا۔ جو دیہات میں تقسیم کی گئی تھیں؟
جواب۔ جی ہاں کئی سپاہیوں سے اور کئی بار اس معاملہ کا ذکر کرنے کا مجھے موقعہ ملا میں نے ان سے دریافت کیا کہ چپاتیوں کے بارے میں وہ کیا رائے رکھتے ہیں کہ کس نے تقسیم کیں اور کیا تھیں ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ وہ بسکٹ کی شکل و صورت کی تھیں اور کہتے ہیں کہ گورنمنٹ کے حکم سے تقسیم کی گئیں گورنمنٹ نے اپنے ملازموں کو اس مطلب سے تقسیم کیں کہ ان سب کو جبراً یہی کھانا کھانا ہوگا۔ اور سب کو عیسائی مذہب اختیار کرنا ہوگا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک کہاوت بھی بنائی ہے۔ کہ "ایک کھانا اور ایک مذہب ہوگا"
سوال۔ جہانتک تمہیں معلوم ہے کیا عام طور سے تمام سپاہیوں میں یہی خیال پھیلا ہوا تھا؟
جواب۔ انبالہ کے جتنے سپاہی تھے میں نے جہانتک دیکھا ان سب میں یہی خیال موجود پایا۔
سوال۔ کیا وہاں کوئی خبر تھی کہ گورنمنٹ نے آٹے میں پسی ہوئی ہڈیاں ملا دی ہیں۔ تاکہ سب لوگ بے دھرم ہو جائیں؟
جواب۔ جی ہاں میں نے ابتدا ئی ماہ مارچ میں ایسا سنا تھا کہ تمام گورنمنٹ کے مال گودام کا آٹا ہڈیاں ملا ہوا ہے تاکہ سپاہیوں کے ایمان میں خلل پڑ جائے۔
سوال۔ کیا تم جانتے ہو کہ سپاہیوں کو اس کا یقین کامل تھا؟

جواب۔ میں نے کئی سپاہیوں کے خطوط دیکھے جنہیں بانوالے سپاہی دلیری سے میرے ہاتھ میں لاکر رکھ دیتے تھے۔ ان میں صاف ایسا ہی کچھ تحریر ہوتا تھا۔ اور لکھنے والوں کو یقین واثق تھا کہ ضرور ایسا ہی ہے۔

سوال۔ کیا سپاہی کوئی اور سبب بتاتے تھے جس کے باعث انہیں تکلیف پہنچی ہو؟

جواب۔ وہ یہی سبب بیان کرتے تھے کہ گورنمنٹ ہمیں بے دھرم کرنا چاہتی ہے۔

سوال۔ کیا گورنمنٹ پر کبھی یہ اعتراض بھی کیا جاتا تھا کہ وہ کیوں ہندو بیوگان کے ازدواج ثانی پر زور دیتی ہے؟

جواب۔ جی ہاں وہ بیان کرتے تھے کہ وہ ہمارے سوشل حقوق پر حملہ کرتی ہے۔

سوال۔ کیا الحاق اودھ کے وقت ان میں سے کسی نے کچھ کہا تھا کہ گورنمنٹ تمام خودمختار ریاستوں کو نابود کرنا چاہتی ہے؟

جواب۔ انبالہ میں تو شاذ و نادر ہی یہ مضمون زیر بحث رہتا تھا کیونکہ یہ ان لوگوں کے مذاق کے موافق نہیں تھا۔ البتہ غدر سے تقریباً ایک ہفتہ بعد کرنال کے نمبر ۳ کے چند سوار ذکر کرتے تھے۔ جب میں نے ان کے ہمراہیوں کی بغاوت کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے "تم لوگوں نے ہندوستان پر فتح پالی ہے۔ اور اس کی ہر ایک چیز کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتے ہو۔ اور اب تم نے ہمارے مذہب پر بھی حملہ کیا ہے۔ میں اس زمانہ میں کرنال میں کسرٹ میں آفسر مقرر تھا۔ اور نمبر ۳ کے یہ سوار وہ تھے جو باغی نہیں ہوئے تھے۔

سوال۔ کیا کبھی سپاہیوں نے انگریزی مشنری کی نسبت بھی کبھی شکایت کی تھی جو ہندوستانیوں کو عیسائی کرتی تھی؟

جواب۔ کبھی نہیں اپنی عمر بھر میں کبھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان میں ایک شخص کا خیال بھی اس طرف نہ جاتا تھا۔ ان میں اس کا احساس ہی نہیں تھا۔

سوال۔ انبالہ میں جب سپاہیوں کو کارتوس استعمال کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ کیا واقعی ان کارتوسوں میں چربی تھی؟

جواب۔ میگزین سے نکر آئے تو بالکل نہیں تھی۔ اگر چربی ہوتی تو انہیں ہاتھ نہ لگانے دیا جاتا۔ انہوں نے خود کارتوسوں میں گھی مل دیا تھا۔ جو جوش دیا ہوا مکھن ہوتا ہے اور ہر جگہ سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

سوال۔ کیا ہندو اور مسلمانوں کے جذبات میں نمایاں فرق تھا؟

جواب۔ جی ہاں مسئلہ کارتوس پر مسلمان خندہ زنی کرتے تھے۔ اور ہندوؤں کو شکایت رہتی تھی کہ ہمارا دھرم لگاڑا جا رہا ہے۔ مگر الحاق اودھ کی بابت جن کو رنج تھا۔ میں نہیں جانتا وہ ہندو تھے یا مسلمان۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

عدالت نے اظہار لئے

سوال۔ کیا تم نے اپنے محکوم سپاہیوں میں غدر سے پہلے کوئی آثار پائے تھے یا نہیں جو کچھ گزرنے والا تھا اس کی خبر پہلے ملی تھی؟

جواب۔ جی ہاں انہوں نے مجھ سے صاف کہہ دیا تھا کہ ایک غدر ضرور ہو گا۔ جس کی ابتدا بنگلوں میں آگ لگ جانی تھی پہلی آتشزدگی اس روز وقوع میں آئی۔ جبکہ ہم نے انفیلڈ کارتوس استعمال کئے تھے اور تقریباً دس مئی تک متواتر آتشزدگی کے حادثات وقوع میں آتے رہے۔ ہم نے ۱۷ اپریل سے انفیلڈ کارتوس استعمال کرنے شروع کئے تھے اور اگرچہ گورنمنٹ نے بلوائیوں کا پتہ لگانے کے لئے گرانقدر انعام مقرر کیا تھا۔ تاہم کوئی شخص تلاش کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ اور یہ بجائے خود ان کی ناراضگی اور فساد برپا کرنے کی بین علامت ہے۔ میں نے علانیہ فوجی صدر مقام انبالہ کو یہ اطلاع دیدی تھی اور کپتان سیٹمیس ہیکر اسسٹنٹ ایڈجوٹنٹ

جنرل آف دی آرمی کو بھی اطلاع کر دی تھی۔

گواہ جاتا ہے

مسز فلیمنگ زوجہ سارجنٹ فلیمنگ عدالت میں طلب کی گئیں اور شہادت دینے لگیں۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔ گذشتہ اپریل کے خاتمہ پر کیا تم ملزم کی بیگم زینت محل کے مکان میں تھیں۔ اور کیا تم نے ملزم کے بیٹے جواں بخت کو وہاں دیکھا تھا؟

جواب۔ جی ہاں۔

سوال۔ اس موقعہ پر کیا گزرا بیان کرو؟

جواب۔ میں اس کی سالی کے ہمراہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اور جواں بخت اپنی بیوی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس وقت میری اپنی لڑکی مسز اسکلی بھی موجود تھی جب میں جواں بخت کی سالی سے گفتگو کر رہی تھی تو مسز اسکلی نے مجھ سے کہا "اماں جان تم سنتی ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تھوڑے روز اور میں پھر جواں بخت تمام انگریزوں کو اپنے پیروں سے روندیگا۔ اور اس کے بعد ہندوؤں کو قتل کریگا۔ میں یہ سنکر جواں بخت کی طرف پلٹی اور اس سے دریافت کیا کہ "یہ تم نے کیا کہا"۔ اس نے جواب دیا۔ "صرف مذاق کر رہا ہوں"۔ میں نے کہا جیسا تم کہتے ہو اگر یہی ہونا ہے تو پہلے تمہارا ہی سر اتار اجائے گا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ ایرانی دہلی آرہے ہیں۔ اگر وہ قتل کریں گے تو میں تمہیں اور تمہاری لڑکی کو بچا لوں گا۔ پھر رہا کر دوں گا۔ میں جانتی ہوں وسط اپریل ۱۸۵۷ء میں یہ واقعہ ہوا تھا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں۔

گواہ جاتی ہے۔

نقول اخبارات - چنی لال اخبار نویس از ۱۱ تا ۲۰ مئی جو اس کے مکان سے برآمد ہوئیں۔ اور ضبط کی گئیں۔ عدالت میں پڑھی گئیں۔ پھر ان کا ترجمہ پڑھ کر سنایا گیا اور ذیل میں درج کیا گیا۔

بیان واقعات دہلی از ۱۱ تا ۲۰ مئی رقم زدہ بشکل ڈائری از چنی لال اخبار نویس

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کی شب کو مسٹر فریزر کے پاس ایک خط آیا۔ جس میں پیدل اور سواروں کی بغاوت کی اطلاع دی گئی تھی۔ لیکن وہ اس وقت کچھ بندوبست نہ کرسکے اور صبح کو خبر آئی کہ نمبر ۳ سواروں کا رسالہ اور دو پیادہ رجمنٹوں نے کارتوس کی وجہ سے فساد برپا کیا ہے اور دہلی آرہی ہیں۔ مسٹر فریزر نے فی الفور اپنے اردلی کے سوار کو جو وہاں حاضر رہتا تھا نواب جھجر کے ایجنٹ کو بلانے کے لئے دوڑایا۔ سرتھیوفلس مٹکاف بھی اسی وقت شہر میں آئے اور چیف پولیس آفسر شہر کے دروازوں پر پولیس گارد متعین کرنے اور انہیں بند کردینے کا حکم دیا جسکی فی الفور چیف پولیس آفسر نے تعمیل کی۔ مسٹر فریزر بھی فی الفور اپنی بگھی میں سوار ہوکر شہر میں آئے اور جھجر کے سواروں کو اور اپنے خاص دستہ کو ہمراہ لائے اسوقت یہ تحقیق ہوچکا تھا۔ کہ کچھ سوار پل پر پہونچ گئے ہیں۔ اور محافظ پل کو جو محصول وصول کرتا تھا قتل کرکے اس کا مکان جلا ڈالا ہے۔ پھر ایک سپاہی قلعہ دار سے بہت گستاخی سے پیش آیا اور ان پر فیر کیا لیکن نشانہ خطا کرگیا۔ یہ سپاہی قلعہ کی کھڑکیوں کے نیچے جمع ہوگئے اور بادشاہ سے عرض کی کہ ہم دین کیلئے لڑتے ہیں اس لئے ہمارے واسطے دروازے کھلوا دیئے جائیں۔ بادشاہ نے فی الفور قلعہ دار صاحب کو خبر بھیجی کہ چند باغی میرٹھ سے آئے ہیں اور ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کررہے ہیں یہ سنتے ہی کپتان ڈگلس فوراً بادشاہ کے پاس آئے اور سواروں کو مخاطب کرکے کہنے لگے کہ "تم کیوں پریشان کررہے ہو" پھر انہیں چلے جانے کے لئے کہا انہوں نے

جواب دیا کہ وہ کپتان ہی سے سمجھیں گے۔ مسٹر فریزر پھرتے ہوئے کشمیری دروازہ پہونچے اور گارد سے گفتگو کرتے رہے۔ دوران گفتگو میں انہوں نے سپاہیوں سے کہا کہ تم ایسٹ انڈیا کمپنی کے تربیت یافتہ ہو اس لئے میں تم سے مدد چاہتا ہوں اور تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ چند باغی فوجیں میرٹھ سے آئی ہیں اور آمادہ فساد ہیں۔ لہذا میں تم سے نہایت اعلیٰ انتظام کا متمنی ہوں مگر ان لوگوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارا کوئی بیرونی دشمن ہوتا تو اس سے بیشک ہم جنگ و جدال کر سکتے تھے مسٹر فریزر وہاں سے چند اصحاب کے ہمراہ کلکتی دروازہ چلے گئے۔ اور مناسب بندوبست کرنے میں مصروف ہوگئے۔ مسٹر فریزر کی اردلی کے جمعدار جوالا سنگھ نے ان سے شہر چھوڑ دینے کے لئے کہا اور کہا کہ مسلمان بغاوت پر آمادہ ہیں مسٹر فریزر نے جواب دیا کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ تمام شہر کی دوکانیں بند ہو چکی تھیں۔ اور یہ خبر ہر طرف بجلی کی طرح کوند گئی تھی۔ ریویرینڈ مسٹر جیننگس و دیگر اصحاب قلعدار صاحب کے مکان کے دریچے میں کھڑے ہوئے میرٹھ سے آنے والے سواروں کو وہیں سے دیکھ رہے تھے۔ کپتان ڈگلس بھی اپنی بگھی میں سوار ہوئے اور کلکتی دروازہ مسٹر فریزر کے پاس پہونچے۔ اور انہیں ایک خط پڑھنے کے لئے دیا۔ پھر مسٹر فریزر نے اپنی اردلی کے سواروں کو ہشیار رہنے کا حکم دیا۔ مسلمانان بھلنی بازار۔ راج گھاٹ پہونچے اور باغیوں سے کچھ عہد و پیمان کر کے اندر آجانے کے لئے دروازہ کھول دیا۔ باغیوں نے شہر میں گھستے ہی مکانات میں آگ لگا دی اور انگریزوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ دریا گنج کے تمام مکانات کو آگ لگا دی۔ اور انگریزوں کو قتل کر دیا۔ اور اس کے بعد ڈاکٹر چمن لال کو جو ہسپتال کے سامنے کھڑے تھے ہلاک کر ڈالا۔ پھر مسلمانان شہر نے سواروں کو خبر دی کہ مسٹر فریزر کلکتی دروازے پر

ہیں وہ فوراً وہاں پہونچے اور پستولوں سے فیر کرنے لگے۔ وہ انگریز جو وہاں موجود تھے گھائل ہوکر گر پڑے۔ مسٹر فریزر کی اردلی کے سواروں نے بوجہ مسلمان ہونے کے باغیوں کی ذرا مزاحمت نہیں کی۔ مگر مسٹر فریزر نے زبردستی ایک گارد کے سپاہی کی بندوق چھینی اور ایک باغی کو ہلاک کر دیا پھر مسٹر فریزر کپتان ڈگلس بگھی میں سوار ہوکر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے اول الذکر تو اپنے کمرہ پر چڑھ گئے مگر موخر الذکر چڑھنا چاہتے ہی تھے کہ باغی سواروں اور بادشاہ کے مسلح مصاحبوں نے دوسری سیڑھی پر انہیں ہلاک کر دیا۔ پھر ان کے قاتل اوپر چڑھ گئے جہاں کپتان ڈگلس ریورینڈ مسٹر جیننگس ان کی دختر اور ایک صاحب پر ہاتھ صاف کیا۔ انہیں قتل کرنے کے بعد تمام مسلمانان شہر و قلعہ کمروں میں گھس گئے اور سارا مال و اسباب لوٹ کھسوٹ کرلے گئے سر تھیوفلس میٹ کاف برہنہ شمشیر ہاتھ میں لئے ہوئے گھوڑے پر سوار چاندنی چوک بازار کی طرف جا رہے تھے جن کے پیچھے کئی باغی سوار لگ گئے۔ اور مسٹر موصوف اجمیری دروازہ سے باہر نکل گئے جہاں موچی رہا کرتے تھے اور جو انہیں بھاگتا دیکھکر خود بھی لاٹھیاں لے لےکر گھروں سے نکل آئے۔ دہلی کی تینوں پیدل رجمنٹیں باغیوں سے مل گئیں۔ اور اپنے افسروں کو کثیر تعداد میں قتل کرکے شہر میں گھس گئیں پھر باغیوں نے دریا گنج اور سپجر اسکنر کے مکان وغیرہ میں جہاں انگریزوں کو پایا فوراً تہ تیغ کر دیا اس کے بعد شہر کے مسلمانوں اور کچھ ہندوؤں سے ملکر انہوں نے بڑے پولیس اسٹیشن اور بارہ چھوٹے اسٹیشنوں کو تاراج کر دیا۔ سڑکوں کی تمام لالٹینوں کو توڑ ڈالا چیف پولیس افسر تو روپوش ہو گئے مگر اسسٹنٹ چیف پولیس افسر زخمی ہوئے اور فرار ہو گئے باغیوں نے جس وقت بنک پر حملہ کیا تو دو صاحب اور تین لیڈیاں مع دو بچوں کے چھت پر چڑھ گئے ایک مفسد درخت پر چڑھا تو ایک صاحب نے اسے گولی ماردی یہ دیکھکر باغی آگ بگولہ ہو گئے اور طیش میں آکر بنک گھر میں آگ لگا دی اور مسلمانوں نے

ان صاحبوں اور لیڈیوں کو لاٹھیوں سے کچل کچل کر مار ڈالا۔ اور پھر تمام شہر میں فتحمندانہ نعرے لگاتے پھرتے رہے۔ راجہ بلب گڈھ ایک ریلوے افسر سے ملاقات کرنے گئے اور دس بجے واپس آگئے۔ تینوں رجمنٹوں نے خزانہ لوٹ لیا۔ اور آپس میں تقسیم کرلیا۔ نیز جوڈیشیل کورٹ اور کالج کو لوٹ لیا۔ اور ان تمام عمارات میں آگ لگادی سواروں کا رسالہ چھاؤنی پہونچا اور وہاں کی عمارتوں میں بھی آگ لگادی اتنا کرنے کے بعد میرٹھ سے آئی ہوئی سواروں کی رجمنٹ اور پیادہ رجمنٹ دہلی کی تینوں رجمنٹوں کے ساتھ بادشاہ کے پاس پہونچیں اور ان کی سرپرستی و منتظمی کی ملتجی ہوئیں اور بادشاہ سے ان کی حکومت تمام قلمرو ہند میں قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ان کی دلی آرزو یہی ہے۔ اور ان پر لطف و کرم فرمایا۔ پھر سلیم گڈھ میں مقیم رہنے کا حکم فرمایا اور ظاہر کیا کہ تمہاری بدولت تمام بازار اور دوکانیں بند ہوگئیں۔ پس فوراً لوٹ مار بند ہونی چاہئے۔ پیادہ اور سوار سپاہیوں نے جب یہ سنا کہ بعض انگریز اپنی عورتوں کو لیکر میگزین میں چلے گئے ہیں تو دریا گنج سے دو توپیں لے آئے اور ان میں پتھر بھر کر میگزین کے دروازوں پر فیر کئے انگریز بھی اندر سے گولیاں چلاتے اور ترکی بہ ترکی جواب دیتے رہے۔ یکایک میگزین جل اٹھا اور شہر کے بہت آدمی ہلاک ہوگئے۔ قرب و جوار کے صدہا مکانات لوٹ پھوٹ کر برابر ہوگئے میگزین کے اندر سے مرد و عورت نکلکر دریا کے رُخ بھاگے جنہیں سواروں نے دوڑ کر قتل کردیا۔ ان سب میں سے صرف تین سارجنٹ اور دو میمیں زندہ گرفتار کرکے بادشاہ کے حضور میں لائی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک سارجنٹ نے بادشاہ سے اپنے اور اپنے ہمراہیوں کے لئے پناہ چاہی۔ کیونکہ انہیں پورا یقین تھا کہ باغی ضرور قتل کرڈالیں گے۔ بادشاہ نے انہیں عبادت خانہ میں رکھنے کا حکم دیا۔ غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ قبل راجہ نہر سنگھ اپنی عورت، بھائی، سالے

لو اور مسٹر سنر وکو جو تبدیل لباس میں تھے لے کر بلب گڈھ لے کر روانہ ہو گئے پیادہ سپاہ نے سالگ رام خزانچی کے مکان پر دھاوا کیا۔ مگر مکان کے دروازے بہت مضبوط تھے جنہیں وہ توڑ نہ سکے۔ یہاں تک کہ نصف شب گذر گئی۔ غرض بہزار خرابی انہوں نے اندر جانے کا راستہ بنایا اور مسلمانان شہر کے ہمراہ اندر گھسے تمام مال و اسباب لوٹا اور چلتے بنے۔ کچھ سارجنٹ چھاؤنی سے توپیں لئے جا رہے تھے۔ مگر باغی سواروں نے دیکھتے ہی چھڑالیں اور پھر جہاں کی وہ تھیں وہیں رکھ آئے۔ قلعہ میں ۲۱ توپوں سے سلامی دی گئی اور رات بھر تمام شہر میں بے چینی اور ہنگامہ برپا رہا۔ لوٹ مار اور آتشزدگیاں عمل میں آتی رہیں۔

منگل ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ دیوان خاص میں آئے جہاں امرا و روٴسا نے مجرا عرض کیا نمبر ۵۴ رجمنٹ کے صوبہ داروں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ کوئی شخص روزانہ رسد پہنچانے کے لئے مقرر کر دیا جائے رام سہائے مل اور دیوانی مل پانچسو روپیہ روزانہ کی رسد مثلاً دال۔ چنا۔ آٹا۔ وغیرہ فراہم کر کے رجمنٹوں میں پہونچانے کے لئے مقرر ہوئے چار انگریز صاحبان محمد ابراہیم ولد علی محمد تاجر کے مکان میں روپوش ہیں اتنا سنتے ہی سوار دوڑ گئے۔ انگریزوں کو ڈھونڈھ نکالا اور چشم زدن میں قتل کر دیا جسکے بعد اس تاجر کے مکان کو بھی انگریزوں کے چھپانے کی پاداش میں جلا ڈالا۔ ایک انگریز عورت ہندوستانی لباس میں الینبورت تالاب کے پاس سے گزر رہی تھی۔ جسے سواروں نے قتل کر ڈالا۔ پیدل سپاہی زبردستی تمام شہر کے حلوائیوں کی دوکانوں پر جا پڑے۔ اور دکان میں کچھ بھی نہ چھوڑا۔ بادشاہ یہ خبر سن کر بہت متاثر ہوئے معین الدین خاں سابق پولیس افسر پہاڑ گنج کو حاکم شہر مقرر کیا اور ایک پیدل رجمنٹ ہمراہ دیکر چیف پولیس اسٹیشن پر روانہ کیا اور تاکید کی کہ فوراً جاتے ہی قتل و خونریزی بند

کی جائے۔ مرزا نے کہیں آ کر بادشاہ سے کہہ دیا کہ سپاہی اس وقت چاوڑی بازار لوٹ رہے ہیں۔ بادشاہ نے فوراً تمام رجمنٹوں کے صوبہ داروں کو حکم دیا کہ شہر میں سے فوجیں ہٹالی جائیں۔ اور ایک رجمنٹ قلعہ کے پاس اور ایک دہلی دروازے پر رہے باقی ایک ایک دو دو دستہ ہر دروازہ مثلاً اجمیری دروازہ۔ لاہوری دروازہ۔ فراشخانہ کشمیری دروازہ وغیرہ پر مامور کیا جائے اور ایک کمپنی دریا گنج بازار میں رکھی جائے۔ اور فرمایا کہ بادولت کو اپنی رعیت کی غارتگری ہرگز منظور نہیں۔ پیدل اور سواروں نے کوچہ ناگر سیٹھ کو لوٹنے کا قصد کیا۔ مگر باشندوں نے مکانات کے دروازے بند کر لئے۔ اور اندر سے سپاہیوں پر پتھر اور اینٹ برسائے جس سے سپاہ پسپا ہو کر واپس چلی گئی۔ کئی کلرکوں نے عورتوں کے ساتھ راجہ کلیان سنگھ کشن گڑھ والے کے ہاں پناہ لی۔ سوار ان کی تلاش میں وہاں پہونچے اور بندوقوں اور پستولوں سے فیر کرتے رہے۔ انگریزوں نے بھی فیر کئے جس سے باغی غضبناک ہوئے۔ اور دو توپیں لاکر ان پر فیر کرنا چاہا مگر کلرک زمین دوز کوٹھڑیوں میں چھپ گئے۔ بادشاہ نے مرزا مغل کو شہر کے قتل و غارت کو فرو کرنے کا حکم دیا۔ مرزا مغل ہاتھی پر سوار ہو کر چیف پولیس اسٹیشن پہونچے اور اعلان کیا کہ جو شخص لوٹ مار کرتا ہوا پایا جائیگا۔ اسکی ناک اور کان کاٹے جائیں گے اور اگر دوکاندار اپنی دوکانیں نہ کھولیں گے اور سپاہیوں کو سامان دینے سے انکار کریں گے تو جرمانہ اور قید کے مستوجب ہونگے۔ علیا حضرت ملکہ تاج محل حراست سے آزاد کی گئیں۔ دو انگریز چیف پولیس اسٹیشن کے سامنے جاتے ہوئے قتل کر دیئے گئے وہ ہندوستانی لباس پہنے ہوئے تھے۔ دو پیدل رجمنٹیں اور کچھ توپیں لے کر بادشاہ شہر میں نکلے۔ وہ ہاتھی پر سوار تھے۔ اور ان کے پیچھے مرزا جوان بخت بیٹھے تھے۔ اعلیٰحضرت نے عام راستوں کی دوکانیں کھلوانے اور ضروریات فوج کو پورا کرنے اور سپاہیوں کو سودا دینے کی دوکانداروں کو تاکید کی

اور پھر قلعہ میں واپس تشریف لے گئے۔ حسن علی نے بوساطت حکیم احسن اللہ خاں ایک سنہری مہر بادشاہ کو نذر کی۔ اور اعلیٰ حضرت نے انہیں لائق سمجھ کر اپنی مصاحبت میں رکھ لیا۔ مرزا منیر الدین کو خلعت فاخرہ اور دہلی کی گورنری دی گئی مرزا نے چار روپے بطور نذرانہ پیش کئے۔

بروز۔ بدھ ۱۳ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ عبادت خانہ میں تشریف لائے۔ نواب محبوب علی خاں و دیگر روسا نے نذریں پیش کیں۔ ناظر حسن مرزا کو مرزا امیر الدین کے لانے کا حکم دیا گیا۔ ناظر نے واپس آکر کہا کہ مرزا بیمار ہیں اس وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتے۔ مرزا منیر الدین چیف پولیس آفسر شہر سے کہا گیا کہ فوج کو رسد نہیں روانہ کی گئی ہے لہذا اس کے بندوبست میں دیر نہ کی جائے۔ حسن علی خان حاضر تھے بادشاہ نے ان سے فرمایا۔ "فوج قلعہ میں جمع ہو گئی ہے۔ کیا کرنا چاہئیے"؟ خان موصوف نے جواب دیا کہ یہ سپاہی اپنے مالکوں کے قاتل ہیں۔ ان پر چنداں اعتبار نہ کیا جائے۔ شاہ نظام الدین پیرزادہ اور بڈھن صاحب فرزند نواب محمد خاں مرحوم کو مدبرین کی کانفرنس میں شریک کرنے کا حکم دیا گیا۔ مرزا مغل مرزا خیر سلطان۔ مرزا عبد اللہ وغیرہ پیادہ رجمنٹوں کے کرنیل مقرر ہوئے اور انہیں فی الفور ہر ایک کو دو توپیں ہمراہ لے کر کشمیری۔ لاہوری۔ اور دہلی دروازوں پر حفاظت کے لئے جانے کا حکم ملا۔ شاہ نظام الدین نے کہا کہ سواروں نے نواب میر حمید علی خان کو اس الزام کی بنا پر گرفتار کر لیا ہے۔ کہ ان کے مکان میں انگریز چھپے ہیں۔ حالانکہ میر صاحب نے انہیں یہاں تک یقین دلایا کہ اگر ایک انگریز بھی نکل آئے تو انہیں خود کو قید کر لیا جائے۔ اس پر بادشاہ نے شاہ نظام الدین کو پیدل و سواروں کے ہمراہ جا کر مکان کی تلاشی لینے کے لئے روانہ کیا۔ حسب حکم شاہ نظام الدین اور مرزا ابوبکر وہاں گئے مگر کسی انگریز یا اینگلو انڈین کو نہیں پایا۔ یہ دیکھ کر سواروں نے لوٹا

ہوا مال واپس کر دیا۔ اور میر صاحب کو رہا کر دیا۔ مرزا ابو بکر سواروں کی رجمنٹ کے کرنیل مقرر کئے گئے۔ خبر پہونچی کہ کشن گڈھ کے راجہ کلیان سنگھ کے مکان میں ۲۹ نفر مرد عورت اور بچے یوروپین چھپے ہیں۔ یہ سنتے ہی سواروں اور پیادوں نے انہیں جاکر قید کیا اور بندوقوں کی باڑھ مار کر ہلاک کر ڈالا۔ کچھ سوار کرنیل اسکنر کے مکان میں گھس گئے اور ان کے لڑکے جوزف اسکنر کو چیف پولیس اسٹیشن کے سامنے لاکر مار ڈالا۔ کسی کی ترغیب سے پیدل اور سوار نارائن داس ورام چرن داس ڈپٹی کلکٹر کے مکان میں یہ بیان کرکے گھس گئے کہ یہاں انگریز چھپے ہیں۔ اور لوٹ مار کرکے چلتے بنے کچھ سپاہیوں نے قاضی بنوں اور ان کے لڑکے کو شہید کر دیا۔ دو انگریز ہندوستانی لباس پہنے بدر رو دروازہ سے باہر جا رہے تھے انہیں دیکھتے ہی مار ڈالا گیا۔ بادشاہ نے ہر ایک رجمنٹ کو مصارف کے لئے چار سو روپے عطا کئے۔ چیف پولیس آفسر نے شہر میں اعلان کر دیا کہ جن لوگوں کو ملازمت کی خواہش ہو وہ اپنے ہتھیار لیکر فوراً چلے آئیں اور جو شخص کسی انگریز کو اپنے مکان میں چھپائیگا اس سے مجرموں کے مانند برتاؤ کیا جائیگا۔ نواب احمد علی خاں و دلیداد خاں ساکنان ملاگڑہ عند الطلب حاضر ہوکر کورنش بجا لائے اور انہیں روزانہ حاضر دربار ہونے کا حکم فرمایا گیا۔

بادشاہ نے خاص خاص تاجران غلہ کو طلب کیا۔ اور نرخ کم کرکے تمام اجناس بازار میں فروخت کرنے کا حکم دیا۔ میرزا منیر الدین خاں نے دو سو آدمیوں کو "دریا سڑک" پر انتظام قائم کرنے کے لئے مامور کیا۔ سکھوں نے لال کنوئیں کے کسی دودکاندار کا مکھن چرالیا تھا۔ انہیں گرفتار کیا گیا۔ قلی خاں اور سرفراز خاں مع دیگر لٹیروں کے جنہوں نے تیلی واڑہ و سبزی منڈی میں ڈاکہ زنی کی تھی گرفتار کر لئے گئے۔

بروز جمعرات ۔ ۱۴ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ کمرہ خاص سے برآمد ہوکر عبادت خانہ میں تشریف لائے ناظر حسن مرزا

کپتان ... ولدار علی خاں حسن علی خان اور مرزا منیر الدین ۔مرزا ضیاء الدین اور مولوی صدر الدین حاضر ہوکر آداب بجالائے مولوی صاحب نے ایک طلائی مہر پیش کش کی بادشاہ نے انہیں عدالت دیوانی وجوڈیشل کورٹ کا منصف مقرر کیا مگر مولوی صاحب نے عرض کی کہ مجھے معافی دیجائے حسب الحکم خزانچی سالگ رام حاضر ہوا اور ایک اشرفی نذر کی بادشاہ نے دریافت کیا خزانہ میں کتنا روپیہ تھا؟ اس نے کہا کہ مجھے خبر نہیں پھر بادشاہ نے فرمایا کہ کسی اپنے نوکر کے ذریعہ ہمیں اطلاع دینا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا "بہت بہتر ہے" حسن علی خاں نے رحمت علی خاں کو باریاب کرایا اور انہوں نے ایک اشرفی نذر کی ، بادشاہ نے دریافت کیا "یہ کون ہیں" جواب دیا گیا کہ نواب ... فیض ... حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ رئیس ...

محمد علی خاں ... حاضر دربار نہ ہوسکے ۔پھر ایجنٹ نے جے پور جانے کا ارادہ ظاہر ... دریافت کے حکم سے فی الفور ایک مراسلہ راجہ رام سنگھ والی جے پور کے نام لکھا ... رئیس ... فوج لیکر دربار میں حاضر ہوا اور ایجنٹ کو لیجانے کے لئے دیدیا گیا ہے اس لئے ... وہ بہت جلد جے پور پہونچ جائیگا۔ اس کے بعد نواب عبدالرحمن ... کیا تو لی جھجر۔ بہادر جنگ خاں والی دادری۔ اکبر علی خاں والی پاٹودی۔ راجہ ... سنگھ رئیس اعظم بلب گڈھ حسن علی خاں رئیس دوجانہ۔ نواب احمد علی خاں والی ...رخ نگر کے نام فی الفور حاضر دربار ہونے کے جدا جدا احکام روانہ کئے گئے۔ مرزا ...ن الدین خاں ومرزا ضیاء الدین خاں کو ضلع جھرکہ وگوڑگانوہ کی نظامت عطا کی گئی ان ... گم ... نمنڈی تیلی واڑہ۔ راجپوزہ ... وغیرہ کی دوکانوں میں ...

حضور میں پانچ روپیہ نذ...
درخواست کی اور ان کی د...
ایک سنار نے ...

ہ زنی کرتے ہیں۔ مرزا مغل کو ان گوجروں کی کارروائیوں

مرزا ابوبکر اپنی رجمنٹ لیکر گاؤں مذکور میں پہونچے اور اسے لوٹ کر جلا دیا۔

داروغہ اراضی سرکاری متعلق ریاست لکھنؤ نے ایک طلائی مہر مش۔۔۔ کی ایک

سپاہی انبالہ سے جاسوسی کرنے دہلی میں آیا تھا۔ اُسے گرفتار کرکے ۔۔۔ دشاہ

میں پیش کیا۔ اعلیحضرت نے حکم دیا کہ قید خانہ میں رکھا جائے۔ چند ۔۔۔ پیادہ

اور صوبہ دار جوتہ پہنے ہوئے دربار شاہی کے فرش پر چلے آئے۔ ۔۔۔ دشاہ

ں نگاہ غضب سے دیکھا۔ اور بہت ناراض ہوئے۔ چنانچہ منیر الدین ۔۔۔

افسر کے نام حکم جاری کرایا کہ نمبر ۳۰ دیسی پیادہ رجمنٹ کو یہاں سے نکال

ں کی طرف ہٹا دو۔ اور سبزی منڈی وپہاڑی ورنگ کو ان کی لباس پہنے

رکھو۔ میرٹھ سے چار آدمیوں نے آکر کہا کہ انگریزی فوجیں راجاہ نے ۔۔۔

ب یہاں پہونچکر تمہیں پوری پوری سزا دینگی۔ سپاہ اس خبر سے شہر میں ۔۔۔

اور ان چار د ۔۔۔ آفیسہ نگکنسہ سیکشن کو ہٹ ۔۔۔ اور

۔۔۔ کے مانند برتاؤ کیا جا ۔۔۔

شیں دفن کردینے اور بقیہ مردوں، عورتوں اور بچہ ۔۔۔ کورنش بجا

کا حکم ملا۔ اور انہوں نے اس کی فی الفور تعمیل کی۔ گوجروں ۔۔۔

ن کا تمام فرنیچر لوٹ لیا۔ اور کمشنری اور لفٹنٹ گورنر کے ایجنسی کے

دھجیاں دھجیاں کر ڈالا۔

جمعہ ۱۵ مئی ۱۸۵۷ء

شاہ کمرہ خاص میں تشریف رکھتے تھے۔ مولوی عبدالقادر نے ایک مجوزہ

ں کی۔ جو انہوں نے بابت تنخواہ افواج مرتب کی تھی۔ اعلیحضرت نے

ب کو ایک دوشالہ عطا کیا۔ اور نواب محبوب علی خاں کا مددگار مقرر

ں کے بعد مولوی صاحب ہاتھی پر سوار ہوکر مکان واپس گ

ں تشریف لائے ناظر حسن مرزا

شیو سنگھ والی سمنوت نے اپنے ایجنٹ کی معرفت کچھ اور بات بادشاہ کی نذر کیں بادشاہ
نے فی الفور ایجنٹ کو ایک حکم تحریری دیا کہ راجہ بہت جلد دربار میں حاضر ہوں غلام نبی
خاں داروغہ توپ خانہ محل میر ضیا علی سوار کے ہمراہ جو مسٹر فریزر کی اردلی میں تھا حاضر دربار
ہوا اور آداب بجا لا کر عرض کی کہ پچاس سوار جو نواب جھجھر نے روانہ کئے تھے پہونچ گئے
ہیں مگر نواب صاحب خود بوجہ بدامنی ریاست کے حاضر نہیں ہو سکتے مولوی احمد علی
راجہ نہر سنگھ والی بلب گڈھ کے سفیر بنکر آئے اور ایک روپیہ نذر کیا اور راجہ کا خط پیش
کیا جس میں راجہ نے لکھا تھا۔ کہ گوجروں نے لوٹ مار مچا رکھی ہے۔ لہذا بوجہ بدامنی
ملک ابھی حاضر نہیں ہو سکتا۔ ریاست میں کامل بندوبست ہو جائے تب حاضر دربار
ہونگا راجہ کو فوراً حاضر دربار ہونے کے احکام روانہ کئے گئے۔ خبر پہونچی کہ روہتک کا
مجسٹریٹ فرار ہو گیا ہے اور خزانہ وہیں ہے جسے لوگ لوٹنے والے ہیں یہ بھی خبر ملی کہ
گوڑگانوہ کا خزانہ لوٹ لیا گیا۔ یہ خبر سنکر بادشاہ نے ایک پیادہ رجمنٹ اور چند سواروں
کو روہتک کا خزانہ لانے کا حکم دیا۔ اور عبدالکریم کے نام حکم جاری کیا کہ پانچ سو پیدل
سپاہی اور ایک رجمنٹ سوار بھرتی کئے جائیں اور پیدل سپاہیوں کو پانچ روپیہ اور
سواروں کو بیس روپیہ تنخواہ ملے گی۔ ۲۰۰ آدمی بات کہتے میں بھرتی کر لئے گئے۔
عبدالقادر پنسار نے بادشاہ کے معائنہ کے لئے چند کا غذات پیش کئے اور کہا
کہ وہ ان کا بندوبست کرے گا۔ سواروں کے افسران کے نام بادشاہ نے
ایک حکم جاری فرمایا کہ مرزا ابوبکر کرنیلی سے برطرف کر دیئے گئے اور ان لوگوں کو
ان کا حکم نہ ماننا صرف بادشاہ کا حکم ماننا چاہیئے۔ قاضی فیض اللہ نے بادشاہ کے
حضور میں پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ اور چیف پولیس افسر شہر مقرر کئے جانے کی
درخواست کی اور ان کی درخواست منظور کی گئی۔
ایک سنار نے اپنے ایک ہم پیشہ شخص کو جس سے دیرینہ دشمنی تھی قتل کر دیا

اور گرفتار کر لیا گیا۔ جے سنگھ پورہ کے میواتیوں نے ریلوے افسر کے مکان پر ڈاکہ ڈالا اور ۴۰۰۰ روپیہ نقد و دیگر اشیاء لیکر فرار ہوگئے۔ سوار اور پیدل جے سنگھ پورہ کو تاراج کرنے کی غرض سے جاتے ہی تھے کہ لالہ بدھا سنگھ سفیر جے پور نے ایک درخواست اس مضمون کی گزرانی کہ بادشاہ باشندگان جے سنگھ پورہ کو امان دیں۔ اس درخواست کی بنا پر ایک حکم جاری کیا گیا کہ کوئی پیادہ یا سوار بادشاہ کی اجازت لئے بغیر جے سنگھ پورہ نہ جانے پائے۔ خبر پہونچی کہ پیدل اور سوار سپاہی سڑکوں پر ننگی تلواریں لئے گشت کرتے پھرتے ہیں اور خوف کے مارے کوئی دوکان نہیں کھولی گئی ہے۔ حکم ہوا کہ سوا قلعہ کے پھاٹکوں کے اور کہیں بھی کوئی شخص برہنہ تلوار لے کر نہ نکلے جھجر کے سواروں کے کمانڈنگ کو مہتاب باغ میں رہنے کا حکم ہوا۔ اطلاع کی گئی کہ ۴ کشتیاں گندم و دیگر اجناس سے لدی ہوئی صبح راجی داس اگروال کی آئی ہیں۔ اس پر دلوالی مل کے نام حکم جاری کیا گیا کہ تم غلہ مذکورہ کو اتروا کے ہمارے ہاں لے آؤ۔ دو پیدل سپاہیوں نے خفیہ طور پر راجی داس اگروال کے یہاں دو سو روپیہ امانت رکھ دیئے تھے کہ لکھنو چل کر لے لیں گے کسی طرح ان دونو سپاہیوں میں نقیض پیدا ہوگئی۔ اور راز سب پر عیاں ہوگیا۔ تو اسی وقت ایک دستہ سپاہ روپیہ لینے کے لئے روانہ کیا گیا۔ اور ساہوکار نے فوراً روپیہ ادا کر دیا۔ شہر کے تاجروں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔

سواروں اور پیدلوں نے باہم سازش کی اور بادشاہ کے پاس دیوان خاص میں آکر کہا کہ انہیں الاؤنس اور کپڑے ٹھیک طور پر نہیں ملتے۔ اس کا بندوبست کر دیا جائے۔ اور شکایت کی کہ حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں انگریزوں سے مل گئے ہیں۔ پھر حویلی لال کنوں میں گئے اور پیرزادہ شاہ نظام الدین کو اس الزام میں گرفتار کر لیا کہ ان کے مکان میں دو انگریز لیڈیاں روپوش ہیں۔ شاہ نظام الدین نے دریافت کیا کہ تمہیں کس نے خبر دی ہے تو سپاہیوں نے کسی شخص کو لاکر کھڑا کیا

جو رامپور کا رہنے والا تھا اور جس نے کہا کہ میں نے صرف اڑتی ہوئی خبر سنی ہے شاہ نظام الدین نے سواروں سے کہا کہ اگر کوئی انگریز ولیڈی برآمد ہوجائے تو تمہیں میرا تمام مال لوٹ لینے کی اجازت ہے اور اگر تم اس تہمت کے در پردہ صرف لوٹنے کی غرض سے آئے ہو تو اس کا تمہیں اختیار رہے میں تمہارے فعل کا مزاحم نہیں ہوں یہ سنکر سوار خاموش ہو رہے محبوب علی خاں نے قرآن کی قسم کھائی کہ میں انگریزوں سے نہیں ملا۔ سپاہیوں نے آغا محمد کا مکان لوٹ لیا۔

بروز شنبہ ۱۶ امئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ دیوان خاص میں تشریف لائے اور دربار منعقد کیا حکیم احسن اللہ خاں آغا سلطان تقسیم کنندہ تنخواہ۔ کپتان ولدار علی خاں۔ رحمت علی خاں و دیگر روسا حاضر ہوکر آداب بجالائے۔ پیادہ اور سوار سپاہی اپنے افسروں کو ساتھ لے کر دربار میں آئے اور ایک خط پیش کیا جس پر حکیم احسن اللہ خاں اور نواب محبوب علی خاں کی مہریں ثبت تھیں۔ پھر شکایت کی کہ ہم نے یہ خط دہلی دروازہ پر پکڑا ہے جسے حکیم صاحب اور نواب صاحب نے انگریزوں کو روانہ کیا تھا۔ اس میں لکھا ہے کہ انگریز لوگ فوراً چلے آئیں۔ ہم شہر میں داخل کرا دیں گے اور زینت محل بھی انگریزوں سے ملی ہوئی ہیں اس طرح پر کہ جواں بخت تخت نشین کرا دیا جائے گا۔ اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ تمام فوج و سپاہ کو تمہارے قبضہ میں کرا دیا جائے گا۔ خط مذکورہ احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں کو بھی دکھایا گیا جسے دیکھکر انہوں نے کہا کہ یہ جعلی ہے۔ پھر اپنی انگوٹھیاں اتار کر سپاہیوں کے آگے پھینکدیں اور کہا کہ یہ کاغذ ان کا نہیں ہے اور اس کی ثبت شدہ مہریں جعلی ہیں چنانچہ انہوں نے قسمیں بھی کھائیں کہ یہ کاغذ انکا نہیں ہے مگر سپاہیوں کو پھر بھی یقین نہیں آیا کسی نے سپاہیوں کو خبر دی کہ نہر کی چادر کے نیچے بہت انگریز روپوش ہیں۔ سنتے ہی مرزا ابوبکر سپاہیوں کو ہمراہ لے کر چادر پر

پہونچے پستول کے کئی فیر کئے مگر وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ پھر پیدل اور سواروں نے تلواریں کھینچ لیں اور حکیم احسن اللہ خاں کو گھیر لیا۔ انہیں پورا یقین تھا کہ وہ ضرور انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور آپس میں کہنے لگے یہی وجہ تھی کہ جو اس نے انگریز قیدیوں کو قتل ہونے سے بچانا چاہا تھا۔ تاکہ جب انگریز آجائیں۔ تو قیدیوں کو ان کے حوالہ کر دیا جائے اور سپاہیوں کو قتل کرادے ان کا شک یہاں تک بڑھا کہ وہ قید خانہ میں سے تمام انگریزوں کو جو عورتوں بچوں سمیت ۵۲ تھے باہر نکال لائے۔ اور حوض کے پاس قتل کرنے کے ارادے سے بٹھا دیا۔ شہزادہ مرزا منجھلے نے انھیں اس فعل قبیح سے باز رکھنا چاہا اور کہا کہ شرع اسلامی میں عورتوں اور بچوں کا قتل حرام ہے۔ اس پر سپاہیوں نے مرزا کو بھی قتل کرنا چاہا مگر مرزا خوف زدہ ہوکر بھاگ گیا پھر انہوں نے قیدیوں کو نیچے بٹھا کر پستول کا ایک فیر کیا مگر گولی بادشاہ کے ایک ملازم کو جا لگی جو پیچھے کھڑا تھا اس کے بعد بادشاہ کے مسلح مصاحبوں نے آکر انگریز مردوں بچوں اور عورتوں کو تلواروں سے قتل کر دیا جب یہ ہو رہا تھا اسی وقت دو سو مسلمان حوض پر کھڑے ہوئے مقتولوں کو لعنت کر رہے تھے۔ اثنائے قتل میں بادشاہ کے ایک مصاحب کی تلوار ٹوٹ گئی قتل کے بعد لاشوں کو دو گاڑیوں میں بھر کر دریا پر لے گئے۔ اور بہا دیا۔ اس واقعہ سے شہر کے ہندوؤں میں ہلچل پھیل گئی۔ اور انہوں نے کہنا شروع کیا کہ ان پوربیوں کو جنہوں نے ایسا پاپ کیا ہے کبھی انگریزوں پر فتح نصیب نہ ہوگی۔ پھاٹکوں کے گارد تبدیل کئے گئے۔ کسی نے سواروں کو خبر دی کہ خزانچی متھرا داس کے مکان میں انگریز چھپے ہوئے ہیں جو چودھری کے کوچہ میں رہتا ہے انہوں نے فی الفور جاکر تلاشی لی۔ مگر کسی انگریز کو نہ پاکر واپس چلے آئے اس موقعہ پر انہوں نے کسی کو کچھ تکلیف نہ دی ایک حکم سید داؤد خاں کے نام تحریر کیا گیا کہ جمنا کے مشرقی ساحل پر گوجروں نے مفسدہ پردازی پھیلا رکھی ہے اس کا فوراً تدارک کیا جائے۔ لاہوری دروازہ کے

دوکانداروں نے شکایت کی کہ کاسی ناتھ ان کے حلقہ کا پولیس آفسر بطور رشوت ۱۰۰۰ روپیہ طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وہ نہ دینگے تو باندھ کر چیف پولیس اسٹیشن پر پہنچائے جائیں گے۔ حکیم احسن اللہ خاں نے فوراً قاضی فیض اللہ کو پولیس آفسر مندرجہ بالا کی گرفتاری کا حکم روانہ کیا۔

بروز اتوار ۱۷ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ خاص کمروں میں تھے کہ پیدل و سوار اپنے افسروں کو ہمراہ لیکر آئے اور عرض کی کہ انہوں نے سلیم گڈھ کو مستحکم کر لیا ہے اعلیحضرت تشریف لے چلکر ملاحظہ فرمائیں بادشاہ ہوادار پر سوار ہو کر سلیم گڈھ تشریف لے گئے۔ وہاں مشاہدہ کیا کہ توپوں کو کس طریقے سے نصب کیا گیا ہے اور پھر سپاہیوں کو اپنے متفق الرائے ہونے کا یقین دلاکر اور انہیں زینت محل و احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں پر بدگمانی نہ کرنے اور اعتماد رکھنے کی نصیحت کرکے واپس آگئے۔ سپاہیوں کا دل بڑھانے کے لئے بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ کسی انگریز کو گرفتار کرکے لائیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے قتل کرونگا یہ سنکر فوجیں مطمئن ہو گئیں اور حکیم احسن اللہ خاں کی بیگناہی کا سب کو پورا پورا یقین آگیا۔ پل پر ایک شخص گرفتار کیا گیا جس کے پاس سے میرٹھ کے کسی انگریز کا خط برآمد ہوا۔ پیدل سپاہ نے اسے توپ کے منہ سے باندھ دیا۔ اور بہت دیر تک یونہی لٹکائے رکھا۔ باغیوں نے دیوان خاص کو مکان بنا رکھا تھا۔ انہیں وہاں سے نکال کر اسے صاف کیا گیا۔ اور قالینوں و فانوسوں وغیرہ سے آراستہ کیا گیا۔ مرزا امین الدین خاں و مرزا ضیاء الدین خاں حسب الحکم حاضر دربار ہوئے اور کورنش عرض کی۔ انہیں روزمرہ حاضر ہونے کا حکم ہوا تو بیماری کا بہانہ کیا پھر بادشاہ نے فوج بڑھانے کے لئے کہا جس کو انہوں نے منظور کر لیا۔ اور وعدہ کیا کہ وہ ایسا کرینگے بادشاہ نے انہیں فرمایا کہ تم کو ملک کا زرخیز حصہ عطا کیا جائیگا

اگر بادولت کے احکام کی پوری پوری تعمیل کروگے اس کے بعد ارادت خاں و میر خاں برادران نواب مصطفےٰ خاں والی جہانگیر آباد۔ اخبار خاں و دیگر نامی اصحاب حاضر دربار ہوئے اور ہر ایک نے دو دو روپیہ نذر گزرانے۔ پیدل رجمنٹ کیلئے کرنیلوں کا تقرر زیر بحث رہا۔ گڑھی ہر سروپ سے ایک سوار آیا اور خبر دی کہ کئی لاکھ روپیہ ضلع گوڑگانوہ کی آمدنی کا پیدل کی ایک کمپنی اور سواروں کی حفاظت میں دہلی آرہا ہے مگر اسی علاقہ میں . . ۳ میواتیوں اور گوجروں نے خزانے پر حملہ کیا ہے اور لوٹنا چاہتے ہیں چنانچہ سپاہیوں اور لٹیروں میں لڑائی ہو رہی ہے یہ سنکر بادشاہ نے مولوی محمد بکر کو دو کمپنی پیدل اور ایک رسالہ سوار ہمراہ لیکر گوجروں سے مقابلہ کرتے اور خزانہ بحفاظت لے آنیکا حکم دیا۔ مرزا مغل کے ایک خاکروب کو جاسوس ہونے کے الزام میں سپاہیوں نے پکڑ لیا اور بہت بری طرح زدوکوب کیا۔ بہرکیف مرزا مغل کے حکم پر اسے رہا کر دیا گیا۔ ایک رپورٹ کی گئی کہ جے سنگھ پورہ کے میواتی جنہوں نے ریلوے سپرنٹنڈنٹ کا مکان لوٹا تھا۔ زخمی ہو گئے ہیں۔ اور انگریزوں کے ملازم ہیں موضع مذمولی کے زمینداروں نے حاضر ہو کر ایک ایک روپیہ نذر کیا۔ اور اپنی وفاداری اور فرمانبرداری کا پورا یقین دلایا۔ بادشاہ نے زمینداروں سے کہا کہ اپنے موضع میں عمدہ انتظام رکھا جائے۔ اگر یہ نہ ہوگا تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ ٹھہرائے جائیں گے۔

بادشاہ کے دو قاصد جو خبر لانے کے لئے روانہ کئے گئے تھے واپس آئے اور خبر لائے کہ تقریباً . . . اسپاہی مع چند انگریز مردوں عورتوں اور بچوں کے صدر بازار میں جمع ہوئے ہیں۔ اور سورج کنڈ میں قلعہ بندی کی ہے جہاں ہاتھیوں سے کھنچوا کر توپیں نصب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ میرٹھ سے سلیم پور تک سڑک پر گوجر لوٹ مار کر رہے ہیں اور میرے ساتھ بھی بدسلوکی سے پیش آئے۔ بادشاہ

نے جمنا کے پل پر پیدل کی دو کمپنیوں کو متعین کیا۔حکیم عبدالحق نے حاضر ہو کر پانچ روپیہ نذر کئے۔رڑکی سے خندق کھودنے والوں کی پانچ کمپنیاں میرٹھ گئیں۔انگریزوں نے ان سے اپنا کام لینا چاہا مگر وہ رضا مند نہ ہوئے۔اور انگریزوں نے ان پر حملہ کرکے کئی آدمیوں کو مقتول و مجروح کر دیا۔جو باقی بچے وہ بھاگ کر دہلی چلے آئے مہاراجہ نرندر سنگھ والی پٹیالہ، راجہ رام سنگھ والی جے پور، راجہ صاحب الور و راجگان جودھ پور۔کوٹہ بوندی وغیرہ کے نام حاضر دربار ہونے کے کئی فرمان جاری کئے گئے دو بجے دیوان کشن لال کے مکان کے برآمدہ سے گر کر مر گئے رپورٹ کی گئی ہے کہ فوجیں انبالہ سے آ رہی ہیں اس کے سوا ہر طرف امن و امان ہے۔

بروز پیر مورخہ ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ اپنے کمرہ خاص سے برآمد ہو کر دیوان خاص میں تشریف لائے اور تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ پانچوں رجمنٹوں کے بینڈ باجے آئے۔ اور انگریزی طرز پر باجہ بجایا گیا۔ بادشاہ نے مستحقین کو حسب مراتب ہتھیار و خلعات فاخرہ عطا کئے اور عہدے دیئے۔مرزا مغل کو کمانڈر انچیف افواج۔مرزا کوچک سلطان مرزا خیر سلطان۔مرزا مینڈو۔ و دیگر فرزندوں کو رجمنٹوں کا کرنیل مقرر کیا اور اپنے پوتے مرزا ابوبکر کو سواروں کی رجمنٹ کا کرنیل مقرر کیا۔مرزا مغل نے دو اشرفیاں اور دیگر شہزادوں نے ایک ایک اشرفی اور ایک ایک روپیہ عہدے عطا کرنے کے شکریہ میں گذرانے حسن علی خاں حاضر ہوئے اور مجرا عرض کیا انہیں روزانہ دربار میں آنے کی ہدایت کی گئی۔جسے بالمواجہ انہوں نے منظور کیا۔ پھر بادشاہ نے ان سے فوج بڑھانے کے لئے کہا اور بہت سا علاقہ دینے کا وعدہ کیا۔ مگر انہوں نے کہا کہ وہ ایسا نہ کریں گے۔ بلکہ صرف حضور کی خدمت کیا کریں گے دو سوار جو خط لیکر الور روانہ کئے گئے تھے واپس آئے اور کہنے لگے کہ ہزار یا گوجر

نہیں جانے دیتے۔ مزدوروں اور خندق کنوں کے افسر حاضر ہوئے اور کہا کہ انکی پانچ کمپنیاں روڑکی سے میرٹھ آرہی تھیں۔ جہاں تمام انگریز مع اپنی عورتوں کے کمین گاہ میں جسے دمدمہ کہتے ہیں محصور ہیں اور انہوں نے مزدوروں کو دہلی آنے سے باز رکھنے کی کوشش بہتیری کی اور میرٹھ میں رکھ کر ان سے کام لینا چاہا۔ تنخواہوں میں اضافہ کرنے کی طمع دلائی۔ مگر مزدوروں نے انگریزوں کی بات نہ مانی جس پر قریب تین بجے کے ایک باڑھ بندوقوں کی ان پر ماری گئی جس سے ۲۰۰ سے کچھ زائد آدمی ہلاک ہوئے اور باقی ماندہ بھاگ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کو سلیم گڈھ میں ٹھیرنے کا حکم ملا۔ نواب محبوب علی خان نے رامجیداس گودام والا۔ رامجی داس اگروال۔ سالگرام خزانچی وشل اس کے دیگر مہاجنوں کی ایک فہرست بنائی اور ملازموں کے ہاتھ سے ان کے پاس روانہ کی اور یہ لکھ دیا کہ چونکہ فوج کے روزانہ مصارف ۲۵۰۰ روپیہ ہیں پس سب ملکر وہ پانچ لاکھ روپیہ فراہم کرکے مصارف فوج کی کفالت کریں۔ اس پر تمام سوداگر محبوب علیخاں کے پاس گئے اور کہا کہ غدر کے روز ان کا تمام سامان ونقدی لوٹ لیا گیا ہے اب وہ کہاں سے روپیہ لائیں؟ رامجی داس نے کہا کہ اگر محبوب علی خاں دوسرے مہاجنوں سے لے لیں گے تو میں بھی بلا عذر دیدونگا۔ مرزا ابوبکر سواروں کی رجمنٹ لیکر چندراول اور وزیرآباد کے گوجروں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے مگر ان کے جانے کے قبل ہی گوجر فرار ہو چکے تھے۔

بروز منگل۔ مورخہ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ کمرہ خاص میں سے دیوان خاص میں تشریف لائے دو سوار میرٹھ سے آئے اور اطلاع دی کہ ایک فوج جس میں پیدل و توپخانہ شامل ہے کئی لاکھ روپیہ لیکر بریلی اور مراداآباد سے میرٹھ پہونچی ہے۔ انگریزوں نے ان سے میرٹھ کی

فوجوں کے باغی ہو جانے اور انگریزوں کے قتل کر ڈالنے کی شکایت کی جس پر بریلی کی فوج نے جواب دیا کہ انگریزوں نے بھی تین سو مزدوروں اور خندق کھودنے والوں کو مار کر اپنا حوصلہ نکال لیا ہے اور کچھ شک نہیں جو وہ ہم سے بھی ایسا ہی برتاؤ کریں۔ یہ جواب سن کر انگریز اپنے مورچوں پر چلے گئے اور گولہ باری شروع کی جس کا جواب مرادآباد و بریلی کی فوجوں کی طرف سے بھی ترکی بہ ترکی دیا جانے لگا۔ خدا کا فضل ہمارے شامل حال رہا چنانچہ ہم نے ایک فیر ایسا کیا جس سے دشمنوں کی پناہ گاہ بالکل جل گئی بادشاہ اور تمام فوج یہ سنکر بہت خوش ہوئی اور اپنی خوشی کے اظہار میں سلیم گڈھ میں پانچ فیر توپوں کے کئے۔ اس کے بعد یہ خبر آئی کہ گڑھی سر سرو میں گوڑ گانوہ کا مجسٹریٹ بھاگتے بھاگتے سترہ ہزار روپیہ رکھ گیا تھا۔ چنانچہ ایک سو سوار اور دو کمپنیاں پیدل اس روپیہ کو لے آئی ہیں حکم دیا گیا کہ اسے خزانہ میں داخل کرو۔

بیجا بائی کا بھیجا ہوا سوار آیا اور عرض کی کہ ہماری مالکہ نے دریافت کیا ہے کہ انگریزوں اور ان کی عورتوں کو قتل کیا گیا ہے یا نہیں۔ انہیں ان خبروں پر یقین نہیں ہے وہ مستند شہادت چاہتی ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہاں جتنے انگریز تھے وہ سب قتل کر دیئے گئے اور اپنے دو سوار اور مراسلہ شاہی اس کے ہمراہ دیکر گوالیار روانہ کیا۔ اور زبانی بھی کہہ دیا کہ بائی صاحب سے کہدینا کہ تمام فوج لیکر یہاں چلی آئیں اور اپنی وفاداری کا ثبوت دیں اس کے بعد بادشاہ نے دیوان خاص میں دربار کیا اور ایک خلعت فاخرہ مع ایک چاندی کی دوات کے اور ایک خطاب "وزیر اعظم ممالک مفتوحہ" . . . . . . [1] کو عطا کیا مرزا نے اس اعزاز کے شکریہ میں دس طلائی مہریں پیش کیں۔ بادشاہ نے ایسا ہی ایک خلعت اپنے فرزند مرزا اختاور شاہ کو نمبر ۲۸ دیسی پیدل کا کرنیل مقرر کرتے

[1] نام نہیں ہے غالباً جواں بخت جو اس وقت مقرر کیا گیا تھا اس عہدہ پر ممتاز کیا گیا ہوگا

وقت عطا کیا۔ مرزا نے دو طلائی مہریں اور پانچ روپے بطور شکر یہ نذر کئے پھر اعلیحضرت نے ہر ایک معزز کردہ کرنیل کو ایک جفت نقارہ دیا۔ ناظر حسن مرزا کو کنور اجیت سنگھ پٹیالہ والہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ کنور صاحب نے حاضر ہو کر ایک طلائی مہر نذر کی۔ انہیں بھی ایک خلعت عطا کیا گیا جس کے بعد میں انہوں نے پانچ روپے پھر پیش کئے بادشاہ نے فرمایا وہ کنور صاحب کو بہت عرصہ سے جانتے ہیں جب سے کہ وہ دہلی میں رہا کرتے تھے۔ احمد مرزا اور فرزند حکیم عبدالحق حاضر ہوئے اور پانچ پانچ روپیہ نذر کئے احمد اخبار علی خاں کا روانہ کردہ رسالدار حاضر ہوا اور دو روپے اپنی طرف سے نذر کئے اور ایک عرضی اخبار علی خاں کی پیش کی جس میں لکھا تھا کہ ریاست کا پورا بندوبست کرنے کے بعد فوراً حاضر دربار ہونگا۔ نتھو درزی کے مکان میں دو انگریز مرد اور تین لیڈیاں دو بچے پوشیدہ تھے جنہیں سواروں نے جا کر گرفتار کر لیا اور بیچارے درزی کے مکان میں آگ لگا دی بادشاہ نے ان قیدیوں کو سپاہ کی زیر حراست رکھا اعلیحضرت سلیم گڈھ تشریف لے گئے تھے جہاں تمام فوجوں نے سلامی دی نمبر ۳۰ پیدل نے کہا کہ میرٹھ کے مورچوں کے جل جانے کی خبر انہیں صحیح نہیں معلوم ہوتی ان کا ارادہ خود جا کر مورچوں کو اڑا دینے کا ہے بادشاہ نے فرمایا اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے اور کہا کہ اپنے جنرل مرزا مغل کے احکام کی ہر حال میں تعمیل کرو۔ اور ان کے بغیر حکم کوئی کام نہ کرو۔ ایک حکم قاضی فیض اللہ چیف پولیس افسر شہر کے نام جاری کیا گیا کہ جمنا کے پل کی دو کشتیاں الگ ہو گئی ہیں لہذا سو مزدوروں کو مرمت کے لئے روانہ کرو۔ خبر پہونچی کہ علمائے دین نے تمام شہر کے مسلمان باشندگان کو جمع کر کے انگریزوں سے جہاد کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ کفار کو قتل کرنے سے اجر عظیم ملتا ہے ہزاروں مسلمان ان کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور جب بادشاہ نے یہ خبر سنی تو ان لوگوں کو خبر بھیجی کہ جن سے تم جہاد کرنا چاہتے ہو وہ سب مارڈالے گئے

اور حکم روانہ کیا کہ علم سرنگوں کر دیا جائے۔ خود مولوی صدرالدین جامع مسجد گئے اور دیر تک عالموں سے بحث کرتے رہے۔ اور جھنڈا بلند کرنے کو بیکار ثابت کیا۔ غلہ و نمک وغیرہ کی کئی گاڑیاں شہر سے باہر کپڑی گئیں اور اندر لائی گئیں۔

بروز بدھ مورخہ ۲۰۔ مئی ۱۸۵۷ء

بادشاہ کمرۂ خاص میں سے برآمد ہوئے دیوان خاص میں دربار منعقد کیا محمد سعید حاضر ہوئے اور انہوں نے سلام علیک کی۔ بادشاہ نے کہا کہ کیا انہی (مولوی) نے انگریزوں سے جہاد کرنے کا علم بلند کیا تھا؟ لیکن جب وہ سب قتل ہو چکے تو پھر ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ وہ ہندوؤں کے برخلاف جہاد کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ وہ ہندو اور مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں اور وہ ہندوؤں کے برخلاف کوئی مذہبی جنگ نہیں کرنی چاہتے۔ پھر کہا کہ عیسائیوں کو اگر کہتے ہو تو وہ تمام قتل کر دیئے گئے اس کے بعد ہندو افسران فوج حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ مسلمان باشندوں نے ان کے برخلاف اسلامی علم بلند کیا ہے لیکن بادشاہ نے انہیں یہ کہکر مطمئن کر دیا کہ ان کا مقصد صرف انگریزوں کا قتل تھا۔ افسروں نے بیان کیا کہ ایک شخص جو میگزین میں ملازم تھا تانبے کی چھوٹی توپ چرا لیگیا تھا اسے پل پر گرفتار کیا گیا ہے بادشاہ نے اسے توپ سے اڑا دینے کی سزا مقرر کی۔ مرزا امین الدین خاں۔ مرزا ضیاءالدین خاں حسن علی خاں اور رحمت علیخاں حاضر ہوئے اور مجرا عرض کیا۔ بادشاہ نے مہربانی فرما کر ایک ایک دستی چوب عطا کی جس کے شکریہ میں ہر ایک نے پانچ روپیہ نذر کئے۔ مرزا مغل کو حکم موصول ہوا کہ چار توپیں اور چار پیدل رجمنٹیں لیکر میرٹھ جائیں اور انگریزوں کے مورچوں اور پناہ گاہ کو اڑا دیں۔ مرزا مغل نے جواب میں کہا کہ ہمارے ہمراہ مرزا امین الدین خاں۔ مرزا ضیاءالدین خاں حسن علیخاں جنہوں نے بڑی بڑی

خاگیریں حاصل کی ہیں بھیجے جائیں اور انگریزوں کے قتل کرنے کا مرزا صاحب نے وعدہ کیا اس جواب کو سنکر تمام ۔ ُوسا چپ ہو گئے اور کسی نے جانے کیلئے "ہاں" "نہیں" کی ۔ بادشاہ نے یہ حالت دیکھکر مرزا ابو بکر کو فوج لیکر جانے کا حکم دیا اور نواب محبوب علیخاں اور حکیم احسن اللہ خاں کو فوج کے میرٹھ تک مصارف کا انتظام کر دینے کا حکم دیا ۔ پیدل سپاہیوں نے میرٹھ سے ایک گاڑی آتی دیکھکر اس پر حملہ کیا اور زیور لوٹ لیا بعض سپاہیوں نے مبارک باغ میں جو چھاؤنی کے عقب میں تھا جستجو کی اور دو انگریزوں کو چھپے ہوئے پا کر قتل کر دیا ۔ افسران فوج نے آکر درخواست کی کہ پانچ انگریز عورتیں مقید ہیں ہمارے حوالہ کر دیجائیں ۔ بادشاہ نے مولوی محبوب علی صاحب کو از روئے شرع مسئلہ بتلانے کا حکم کیا مولوی صاحب نے شرعی مسئلہ ان کے سامنے پیش کر دیا کہ اسلام میں عورتوں کا قتل جائز نہیں ہے پھر بادشاہ اپنے کمرہ خاص کی خفیہ انجمن میں جہاں ملکہ اور رکندلال سکرٹری تھے تشریف لے گئے ۔

چار بج گئے ۔ عدالت کل گیارہ بجے تک کے لئے برخاست کی جاتی ہے ۔

سترھویں روز کی کارروائی

یوم چہار شنبہ مورخہ ۲۴ ۔ فروری ۱۸۵۸ء

عدالت قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں منعقد ہوئی ۔

پریسیڈنٹ ممبران ۔ مترجم ۔ ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں ۔

ملزم مع اپنے مختار غلام عباس حاضر کئے گئے ۔

اقتباسات اخبار صادق الاخبار فارسی زبان میں پڑھے گئے پھر ان کا ترجمہ پڑھا گیا ۔ جو ذیل میں درج ہوا ۔

۶ ۔ جولائی ۱۸۵۷ء ایک حکم جس پر مہر شاہی ثبت تھی بنام کمانڈر انچیف جاری

کیا گیا جس میں فوج کے روزانہ الاؤنس کی بابت تحقیقات کی ہے اور حکم دیا ہے کہ تمام فوجی امور کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے۔

۷- جولائی ۱۸۵۸ء۔ ایک مراسلہ راجہ گلاب سنگھ والی کشمیر نے اس اطلاع کے لئے کہ ان کا اقتدار حکومت لاہور و لاہور کے قرب و جوار میں مستحکم ہو گیا ہے بھیجی۔ اور ایک دوست محمد خان کی درخواست ہے کہ حاضر دربار ہونا چاہتا ہوں۔ ہر دو درخواستیں جنرل بہادر کے پتہ پر موصول ہوئی ہیں جن کے جواب میں مراسلات جاری کرنے کا حکم دیدیا گیا ہے۔

۹- جولائی ۱۸۵۸ء۔ خبر موصول ہوئی ہے کہ بختیار خان نے ایک فوج تیار کر کے دشمنوں سے لڑنے کیلئے روانہ کی ہے۔ جو جوہر مردانگی دکھا رہی ہے۔ قاصد دمبدم فتح کی خبریں لا رہے ہیں۔

۱۱- جولائی ۱۸۵۸ء۔ اقتباس کورٹ گزٹ (سراج الاخبار) یہ سب پر روشن ہو چکا ہے کہ بادشاہ نے دربار منعقد کرنا شروع کر دیا ہے آج رؤسا و معززین کو باریاب فرمایا گیا بلعون دشمنوں کی نقل و حرکت اور انتظامات جنگ کا مشورہ اور بہادران شاہی کی کارگزاریاں بادشاہ اور اہل دربار کی واقفیت کیلئے پڑھ کر سنائی گئیں۔ غلام نبی خان کے نام حکم جاری ہوا کہ نواب جھجر کا مکان واقع محلہ دریا گنج مجروحین کیلئے صاف کرا کر رکھا جائے۔ مجاہدین کے خرچ کیلئے کچھ روپیہ عنایت کیا گیا۔

۱۲- جولائی ۱۸۵۸ء۔ سید علی و محمد علی رؤساء بنارس کی ایک درخواست وصول ہوئی۔ انہوں نے لکھا تھا کہ مردود کفار کی بڑی تعداد انہوں نے قتل کر دی ہے اور اب حضور اقدس کی خدمت میں مشرف ہونا چاہتے ہیں۔ فی الفور عنایت نامہ سے سرفراز فرمایا گیا۔

۱۳- جولائی ۱۸۵۸ء جنرل بہادر نے عرضی روانہ کی کہ بحکم خدا آگرہ فتح کر لیا گیا

اکیس توپوں سے بادشاہ کو سلامی دی گئی۔ باجے والوں نے انگریزی باجہ بجایا۔ انگریزی سارنگیاں۔ ڈھول۔ شہنائیاں وغیرہ خوشی کے اظہار میں بجائی گئیں۔ دو جاسوس مع انگریزی خطوط کے گرفتار کئے گئے اور تحقیقات کی غرض سے مرزا مغل کے پاس روانہ کئے گئے۔ افسران جھانسی رجمنٹ کی ایک درخواست قتل کفار کے متعلق موصول ہوئی جس کا جواب ارسال فرمادیا گیا۔

۱۵۔ جولائی ۱۸۵۷ء حسین بخت خاں کو ایک شاہی مراسلہ روانہ کیا گیا کہ جھانسی کی فوج سے ملیں جو کل صبح آکر اجمیری دروازہ کے باہر قیام کرے گی۔

۱۶۔ جولائی ۱۸۵۷ء۔ افسران جھانسی فوج حاضر ہوئے اور اپنی وفاداری کے اظہار میں تلواریں اور بندوقیں زمین پر ڈالدیں۔ بادشاہ نے شفقت فرمائی۔ اور سردست ۲۰۰۰ روپیہ خرچ کے لئے عنایت کیا۔

۱۷۔ جولائی ۱۸۵۷ء۔ ایک اطلاع موصول ہوئی کہ پیدل کی دو رجمنٹیں انبالہ سے حاضر ہوئی ہیں۔ مرزا مغل کو حکم دیا گیا کہ گذشتہ آئی ہوئی رجمنٹوں میں کہیں انکو بھی ٹھہرادیا جائے۔

۱۸۔ جولائی ۱۸۵۷ء قبرستان میں کئی جاسوسوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔

۲۔ اگست ۱۸۵۷ء ایک عرضی گورنر جنرل کی طرف سے موصول ہوئی کہ غنیم پسپا ہو رہا ہے۔ اس پر ایک حکم لکھا گیا کہ عرضی ہذا داخل دفتر کی جائے۔

۴۔ اگست ۱۸۵۷ء۔ جنرل سدھاری سنگھ۔ افسران پنج فوج و دیگر ممتاز افسران حاضر ہوئے۔ مجرا عرض کیا۔ اور میدان جنگ سے دفعیہ کفار کی تدابیر پیش کیں بادشاہ ان سے بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

۵۔ اگست ۱۸۵۷ء۔ بادشاہ نے دو احکام جاری فرمائے۔ ایک نواب ولیداد خاں کی درخواست کا جواب جس میں لکھا گیا کہ انگریزوں۔ کو سامنے سے ہٹادینے

کے بعد افواج روانہ کی جائیں گی۔ دوسرا راجہ الور کے نام کہ خراج مع عرضی فی الفور روانہ کرو۔

۶۔ اگست ۱۸۵۷ء بادشاہ افواج کی مردانگی و شجاعت کے کارنامے سن رہے تھے کہ معاً خبر آئی کہ دلیر فوج نے مورچوں پر قبضہ پانے کی عزت حاصل کی فوراً فوج اور بارود اِن کی ہمت افزائی کے لئے بھیجنے کا حکم دیا گیا۔

۷۔ اگست ۱۸۵۷ء خبر موصول ہوئی ہے کہ ہماری سپاہ مورچوں میں جاکر نہایت دلاوری سے غنیم سے برسرپیکار رہے۔ شام کے وقت افسوسناک خبر ملی کہ میگزین واقع محلہ چوڑی والہ میں یک بیک آگ لگ گئی جس سے صدہا وہاں کے کام کرنے والے مرد و عورت جلکر کوئلہ ہوگئے۔ اور بارود نے عمارت کو بالکل مسمار کردیا۔ پیدل سپاہ جو ہمیشہ ایسے مواقع سے فائدہ اٹھاتی رہتی ہے یہ سنا تو بگڑ گئی۔ اور جناب وقارالملک[1] (طبیب شاہی) پر میگزین میں آگ لگانے کا جھوٹا الزام لگا کر ان کے مکان کا صفایا کردیا۔ جو چیز جس کے ہاتھ آئی لیکر چلدیا۔ نیز ہمسایوں کے مکانات لوٹے گئے۔ بادشاہ یہ سنکر بہت غضبناک ہوئے اور حکیم صاحب کو بہت تسلی تشفی دی اور اعلان کردیا کہ حکیم صاحب کا جو کچھ مال جس شخص نے لیا ہو فی الفور لاکر یہاں حاضر کردے۔ پھر آنحضرت نے یہ دعا پڑھی۔

میرے دشمن ہر طرف سے جمع ہوکر طاقت پکڑ رہے ہیں۔
یا خدا علی مشکل کشا کے طفیل (مدد کر)
تو نے میری مدد کے لئے غیبی فوج روانہ کی ہے۔
پس تجھی سے میں فتح و ظفر کی دعائیں مانگتا ہوں۔

اقتباسات سراج الاخبار جو اصلی فارسی میں پڑھے گئے پھر ان کا ترجمہ ذیل میں درج ہوا

---

[1] حکیم احسن اللہ خاں ۱۲

روز منگل مورخہ ۲۵۔ اگست ۱۸۵۷ء صبح صادق سے طلوع آفتاب
، مذہبی مراسم کی ادائیگی میں وقت صرف ہوا۔ وقار الملک (طبیب) کو نبض شاہی
بنے کی عزت نصیب ہوئی۔ پھر بادشاہ مسند شاہی پر جلوہ افروز ہوئے اور ممتاز شرفا
دربار شاہی میں باریاب ہونے کی عزت بخشی۔ انہوں نے بیحد ادب و احترام
ظہار کیا۔ اعلیحضرت نے دو فرمانوں کا معائنہ کیا۔ جو دفتر خاص میں تیار کئے گئے
،۔ ایک بہادر علی خاں حسن علی خاں، درگا پرشاد۔ بھوپ سنگھ۔ افسران فوج پشاور
نام تھا جس میں انہیں تاکید کی تھی کہ مع فوج فی الفور دربار شاہی میں حاضر ہوں
منقول خزانہ بھی ہمراہ لیتے آئیں۔ دوسرا بنام شہزادہ مرزا محمد کوچک جس میں تحریر تھا۔
صیرآبادی فوج کی تنخواہ تقسیم کردیجائے بعد ملاحظہ شاہی ان پر مہر خاص ثبت کی گئی
حکم شاہی سے انہیں روانہ کردیا گیا۔ پھر اعلیحضرت نے ان درخواستوں پر توجہ مبذول
ی۔ اول تناور علیخاں پسر محمد عبدالغفار خاں سکنہ مصطفےٰ آباد عرف رامپور کی درخواست
میں وفاداری اور خیرخواہی کا اعتراف کیا گیا تھا۔ اور تحریر تھا کہ دربار شاہی
، حاضر ہونے کی خواہش ہے۔ دوم راجہ نہر سنگھ والی بلب گڈھ کی جس میں
عت شعاری۔ خیرخواہی، وفاداری کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور میر فتح علیخاں
معرفت روانہ کی گئی تھی۔ سوم وارث محمد خاں بھوپالی کی درخواست میں ۵۶
یزوں کو قتل کردینے کی خبر درج کی ہوئی تھی۔ اور ایک اعلان کی کاپی بھی درخواست
، ساتھ شامل تھی جو باشندگان شہر و ملک کو کفار کے قتل کی تحریص و ترغیب دلانے
سے تقسیم کیا گیا تھا۔ نیز ایک فرمان شاہی مانگا تھا۔ چہارم کاشی راؤ مل کروالی اندور
، درخواست جس میں انہوں نے محبت وفاداری جتائی تھی۔ اور خیرخواہی بادشاہ
اعتراف کیا تھا۔ اور اپنے عزم بالجزم سے مطلع کیا تھا۔ جو انہوں نے انگریزوں
، قتل پر کیا تھا۔ اور پانچ انگریزوں کے سر روانہ کئے تھے۔ پنجم محمد امیر خاں

پسر غلام محمد خاں ابن عبد الصمد خاں رئیس دوجانہ کی ایک درخواست تھی متذکرہ بالا درخواستوں کو پڑھ کر اعلیٰحضرت نے حکم دیا کہ بعد مزید غور ان کا جواب لکھا جائے افسران فوج نے دربار شاہی میں حاضر ہو کر کہا کہ محمد بخت خاں گورنر جنرل بہادر حضور کی فوج ظفر موج کے ہمراہ دشمنان دین سے لڑنے تشریف لے گئے ہیں۔ اور بہت جاں فشانی دکھا رہے ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے کمک ارسال کرنی ضروری ہے۔ اسی وقت ایک حکم جاری کیا گیا کہ ایک دستہ فوج اور روانہ کر دیا جائے۔

اس کے بعد اعلیٰحضرت کمرۂ خاص میں تشریف لے گئے دوپہر کو خاصہ تناول فرمایا جس کے بعد دل بہلاتے رہے۔ پھر آپ نے نماز فریضہ ادا کی اور اس میں اتنے عرصہ مصروف رہے کہ عصر کا وقت آگیا۔ اور عصر کی نماز بھی آپ نے پڑھی۔ دن ختم ہونے کے قریب وقار الملک (طبیب شاہی) کو نبض دکھانے کی عزت عطا فرمائی۔ بعد ازاں سیر و تفریح کی غرض سے سلیم گڑھ باغ تشریف لے گئے سلیم گڑھ سے واپس ہو کر اپنے کمرۂ خاص میں چلے گئے۔ افسران فوج مقیم تیلی واڑہ حاضر ہوئے اور عرض کی۔ کہ انہیں مدد نہیں پہونچائی گئی۔ پھر حضور دیوان خاص میں برآمد ہوئے اور دربار کیا مگر ذرا ہی بہت خفا اور ناراض ہو کر واپس تشریف لے گئے۔ غروب آفتاب کے بعد حاضرین دربار کو جانے کی اجازت مل گئی۔

بروز بدھ ۲۶۔ اگست ۱۸۵۷ء۔

صبح سے طلوع آفتاب تک اعلیٰحضرت وظائف میں مشغول رہے جس کے بعد وقار الملک (طبیب شاہی) کو نبض دکھائی۔ پھر تخت پر رونق افروز ہوئے معزز عمائد نے چاند کے گرد ہالہ کے حلقہ کی طرح اعلیٰحضرت کو گھیر لیا۔ افسران فوج نے آکر عرض کی کہ فوجیں غنیم سے مقابلہ کر رہی ہیں اور داد شجاعت دے رہی ہیں لہٰذا ان کے لئے کمک ارسال کی جائے۔ احکام جاری کئے گئے کہ تمام پیدل و سوار بہم پہونچائیں

بعدہ بادشاہ نے ان تین احکام کا ملاحظہ کیا۔ جو دفتر خاص میں تیار کئے گئے تھے اور مہر شاہی ثبت کر کے فوراً روانہ کرنے کی ہدایت کی۔

حکم اول۔ بنام افسران افواج کہ نصف فوج نجف گڑھ کے مورچہ پر اور نصف نیلی واڑہ کے مورچہ کو روانہ کی جائے۔

حکم دوم۔ بنام مرزا محمد ظہور الدین بہادر کہ محاصرہ کیا جائے۔ اور فوج کو اپنے اختیار کامل میں رکھا جائے۔

حکم سوم۔ بنام ٹھاکر چمن سنگھ برائے طلبی برادران ٹھاکر مذکورہ

شہزادہ محمد عظیم بہادر کی ایک درخواست موصول ہوئی جس میں اپنی مشکلات کا اظہار تھا۔ جو غنیم کی فوجوں کے اچانک آپڑنے سے پیش آئی تھیں اور سپاہ و توپخانہ کی کمک مانگی تھی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک مراسلہ شاہی درخواست کے جواب میں لکھ دیا جائے۔ پھر بادشاہ دربار سے اٹھکر اپنے کمرۂ خاص میں تشریف لے گئے۔ دوپہر کو خاصہ تناول فرمایا اور پھر آرام کیا۔ نماز ظہر سے فارغ ہو کر ذکر وشغل میں مصروف ہوگئے۔ پھر عصر کی نماز پڑھی۔ غروب آفتاب کے قریب اعلیحضرت مع اپنے تمام ارکین کے باغ سلیم گڑھ برائے تفریح تشریف لے گئے شام کو واپس آئے اور کمرۂ خاص میں تشریف لے گئے۔

بروز جمعرات ۲۷۔ اگست ۱۸۵۵ء

علی الصباح اٹھکر اور فرائض مذہبی کو انجام دیکر اعلیحضرت نے طبیب شاہی وقار الملک کو نبض دکھائی۔ پھر اعلیحضرت سریر آرائے ہند ہوئے جبکہ ان کے مشہور فرزندوں اور عمائد دربار نے مجرے عرض کئے۔ پھر بلدیو سنگھ کندے کش نے نذر گزرانی تو اعلیحضرت نے بے انتہا الطاف و شفقت سے ایک دوشالہ عطا کیا۔ اور اس نے بعد میں نذر بطور شکر پیش کی۔ جو قبول کرلی گئی بادشاہ نے حسب ذیل

چھ فرمانوں کا جو دفتر خاص میں تیار کئے گئے تھے۔ ملاحظہ کیا۔ پھر حکم دیا کہ مہر شاہی لگا کر روانہ کردیئے جائیں۔

اول حکم ۔ بنام مرزا محمد خضر سلطان بہادر کہ انہیں چندہ وصول کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ اور اس معاملہ میں کوئی مانع نہ ہوگا۔

دوم حکم ۔ بنام مرزا مغل بہادر و مرزا خضر سلطان بہادر اور افسران فوج اور ممبران کورٹ کہ راجی داس اگروال سے روپیہ دو مرتبہ وصول کرلیا گیا ہے۔ اب کسی حالت میں مطالبہ نہ کیا جائے۔

حکم سوم ۔ بنام مرزا عبدالحسن عرف مرزا عبداللہ بجواب درخواست امیر خاں ساکن دوجانہ جسے دربار میں حاضر ہونے کی ہدایت کی گئی تھی۔

فرمان چہارم بنام کاشی راؤ ہلکر والیٔ اندور جن کو دربار میں مدعو کیا گیا تھا۔

حکم پنجم ۔ راجہ نہر سنگھ رئیس بلب گڑھ کے نام کہ ابلق گھوڑا پہونچ گیا اور تم فوج کی چھیڑ چھاڑ سے خوف نہ کھاؤ۔

فرمان ششم ۔ بنام تناور علی خاں پسر عبداللہ خاں رامپوری معرفت فتح علیخاں لکھا گیا جس میں انہیں حاضر دربار ہونے کا ارشاد ہوا تھا۔

کچھ سواروں نے افواج شاہی کی کارگزاریاں اور خصوصاً فوج پنچ کے کارنامے سنانے شروع کئے اور علاقہ نجف گڈھ کے کسانوں کا ساتھ دینا بھی بیان کیا۔ طبیعت ناساز ہوجانے کی وجہ سے اعلیحضرت نے طبیب شاہی کو طلب کیا۔ اور محلسرا میں تشریف لے گئے۔ دوپہر کو اعلیحضرت نے خاصہ تناول فرمایا پھر آرام کیا۔ اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر ذکر و شغل میں مصروف ہوگئے کہ عصر کا وقت آگیا۔ پھر نماز پڑھی طبیب شاہی نے جو حاضر تھے دواء المسک بارد تیار کرکے دی۔ دن ختم ہونے کے قریب تمام حاضرین دربار کو جانے کی اجازت ملی۔

جمعہ ۲۸۔ اگست ۱۸۵۷ء

صبح بعد ادائے فرائض مذہبی اعلیحضرت نے طبیب شاہی کو نبض دکھائی۔ پھر دیوان خاص میں تشریف فرما ہوئے۔ جہاں رؤسا و عمائد نے مجرے عرض کئے خواجہ اسمعیل خان ایک باشندہ کالپی آگے آئے اور باریاب ہونے کے بعد موافق معمول نذر پیش کی۔ اعلیحضرت پر ناتوانی و ضعف غالب آگیا۔ آپ اُٹھکر کمرۂ خاص میں چلے گئے۔ دوپہر کو خاصہ تناول فرمایا پھر آرام کیا پھر حسب معمول ظہر و عصر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد حکیم صاحب کا تیار کردہ نقوع بار دپیا۔ اس روز دربار برخاست رہا حسب ذیل احکام "بحکم" شاہی مہر ثبت کرکے جاری کئے گئے۔

(۱) بنام محمد شفیع برگیڈئر و دیگر اشخاص بجواب درخواست کہ اعلیحضرت ان سے ناراض یا خفا نہیں ہیں۔ اور نہ پیچ کی فوج پر انہیں کسی قسم کا اشتباہ ہے۔

(۲) بنام مرزا رحمت بہادر کہ امام باڑہ کا کرایہ ادا کر دیا جائے۔ جو ایک مدمو سومہ "نیاز نذر" کے خرچ کے لئے وقف ہے۔

(۳) بنام احمد علی خاں رئیس فرخ نگر جنہیں چند توڑے دار بندوقیں بھیجنے کی ہدایت کی گئی۔

(۴) بنام بہادر جنگ ۱۴۔ اونٹوں کی ان کی حدود میں چوری ہو جانے کی اطلاع ایک درخواست عبداللطیف خاں رئیس خانپور کی موصول ہوئی جس میں انہوں نے اپنی ناسازئ طبیعت کا عذر کیا تھا۔ اور پھر کبھی دربار میں حاضر ہونے اور کئی ہاتھی ہمراہ لانے کا وعدہ کیا تھا۔

عدالت ایک بجے برخاست ہوگئی۔ اور مزید کارروائی ۲۷۔ فروری گیارہ بجے تک کے لئے ملتوی رکھی گئی۔ تاکہ گواہ مسٹر ایورٹ حاضر ہو سکیں۔

اٹھارہویں روز کی کارروائی

یوم شنبہ مورخہ ۲۷۔فروری ۱۸۵۸ء

آج گیارہ بجے قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں عدالت منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ۔ممبران۔مترجم۔ڈپٹی جج۔ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم مع مختار غلام عباس عدالت میں لائے گئے۔

جان ایوریٹ رسالدار سابق بیقاعدہ سواران نمبر ۴ رجمنٹ وحال کانسٹبلری فورس طلب کئے گئے اور شہادت دی۔

جج ایڈوکیٹ نے اظہار لئے

سوال۔کیا گیارہ مئی ۱۸۵۷ء کو تم دہلی میں ہی تھے؟

جواب۔جی ہاں۔

سوال۔پھر تم نے غدر کے متعلق کیا دیکھا۔بیان کرو؟

جواب۔صبح بوقت ۹ بجے میرٹھ سے آنیوالے باغی شہر میں داخل ہوگئے اور خوف پیدا ہوگیا کہ وہ تمام انگریزوں اور عیسائیوں کو قتل کریں گے نصف گھنٹہ بعد میگزین کی سمت سے بندوقوں کی آوازیں آنے لگیں۔شام تک بوجہ بیمار ہونے کے میں باہر نہ نکل سکا۔کیونکہ میں دہلی میں بیماری کی رخصت لے کر آیا تھا۔لیکن میں جس مکان میں رہتا تھا وہ کرایہ کا تھا اور میرے لئے محفوظ مقام نہیں تھا۔میں نے خود کو محفوظ نہ پاکر اس مکان کو شام کے وقت چھوڑ دیا۔اور رات کی تاریکی میں کرنل اسکنر کے احاطہ میں چلا گیا جہاں شب بسر کی۔دن نکلتے ہی میں مرزا عظیم بیگ (جو بے قاعدہ سواروں کے ایک پنشن یافتہ افسر تھے) کے مکان پر پہونچا۔اور ان سے اپنے مکان میں دن بھر کیلئے پناہ دینے اور پھر کسی طرح شہر سے باہر پہنچا دینے کی درخواست کی۔انہوں نے مجھے

اپنے مکان میں رکھا۔ اور کہا کہ وہ ایسا کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں ان کے مکان میں ایک دن اور ایک رات رہا۔ دوسرے روز وہ کہنے لگے۔ کہ میری روپوشی کی خبر ہمسایوں کو ہو گئی ہے۔ مسٹر جارج اسکنر بھی انہیں کے مکان میں روپوش تھے۔ مرزا عظیم بیگ ہم جن کے یہاں رہتے تھے۔ بادشاہ کے پاس ہماری حفاظت کے لئے گارد لینے گئے۔ انہوں نے ایک گھنٹہ بعد خبر بھیجی کہ طبیب شاہی احسن اللہ خاں بوجہ عیسائیوں کو پناہ دینے کے ان سے بہت ناخوش ہوئے ہیں (کیونکہ احسن اللہ خاں مرزا صاحب کے قرابت دار تھے) اور ہمیں فوراً ان کے (مرزا کے) مکان سے نکل جانا چاہئے۔ میں تو فی الفور وہاں سے نکل گیا لیکن مسٹر جارج اسکنر وہیں زنانخانے میں چھپے رہے۔ میں سردار بہادر کے مکان سے قریب دو سو گز گیا ہوں گا کہ مجھے باغی سپاہی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں نزدیک کی مسجد میں یہ خیال کرکے چھپ رہا کہ یہاں باغی مجھے نہ دیکھ سکیں گے لیکن جونہی باغی پاس آئے کسی نے مجھے پہچانکر انہیں پکارا۔ اور کہا کہ ایک عیسائی مسجد میں چھپا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے گرفتار کیا اور عظیم بیگ کے مکان پر جاکر جارج اسکنر کو بھی ماخوذ کرلیا ہمیں کوتوالی پہنچایا گیا لیکن قبل ازیں کہ ہم کوتوالی پہونچیں نمبر ۱۱ لائٹ کیولری کے سوار دوڑتے ہوئے آئے۔ اور سپاہیوں سے دریافت کیا تم کون ہو جو قیدیوں کو لئے جارہے ہو؟ کیا یہ عیسائی ہیں؟ جس کے جواب میں انہوں نے کہا "ہاں" تو کچھ سواروں نے پستولیں تان لیں اور کہا "کیوں ناحق کوتوالی لئے جارہے ہو؟ انہیں کیوں نہ قتل کردیا جائے؟" سپاہیوں نے جواب دیا۔ "کوتوالی یہاں سے کچھ دور نہیں ہے۔ وہاں لئے چلتے ہیں۔ وہاں جو جی میں آئے کرنا۔" سپاہیوں نے کوتوالی میں جاکر رپورٹ کی کہ وہ دو انگریزوں کو گرفتار کرکے لائے ہیں۔ مگر کوتوال (چیف پولیس افسر) نے ان کی طرف مطلق التفات نہیں کیا

ایک سوار مسٹر جارج اسکنر کے پاس آیا۔ اور ان کے بال پکڑ کر کوتوالی سے گھسیٹتا ہوا پچاس قدم تک لے گیا۔ جہاں دیوار کے سہارے بٹھا کر گولی ماردی اور دو سواروں نے بھی گولیاں چلائیں جبکہ وہ بیجان ہو کر گر پڑے میں کوتوالی کے پاس سہما ہوا کھڑا تھا کہ سوار میرے پاس بھی آئیں گے۔ مگر مسٹر اسکنر کو قتل کرنے کے بعد وہ قلعہ کی طرف بھاگ گئے۔ پھر مجھے کوتوالی کے حوالدار نے جا کر ان قیدیوں میں بیٹھنے کا حکم دیا جو وہاں موجود تھے۔ میں مع چالیس مرد، عورت اور بچوں کے وہاں پچیس روز تک رہا۔ جس کے بعد ہمیں ایک مولوی اسمٰعیل نامی کی شہادت پر کہ ہم سب مسلمان ہیں اور اگر مسلمان نہ بھی ہوں تو اب ہو جائیں گے رہا کر دیئے گئے۔ جنہوں نے یہ بھی کہا کہ جو لوگ بہ خوشی خاطر مذہب اسلام قبول کرنا چاہیں۔ انہیں قتل کرنا حرام ہے۔ غرضیکہ ہم رہا تو ہو گئے۔ مگر شہر سے باہر نہ نکلنے دیا۔ پھر میں ایک افریقی "موجود" نامی کے ہاں چلا گیا۔

سوال ۔ اس شخص سے تمہاری کبھی کی ملاقات یا دوستی تھی؟

جواب میں اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ کرنیل اسکنر کی ملازمت میں رہا ہے مگر ۱۸۴۲ء میں اس نے ملازمت چھوڑ دی تھی۔

سوال ۔ غدر کے زمانہ میں یہ افریقی کس کی ملازمت میں تھا؟

جواب ۔ اس وقت سے بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔

سوال ۔ کیا اس نے تمہیں کمپنی کی ملازمت چھوڑ کر بادشاہ کی ملازمت کرنے کیلئے کہا یا ترغیب دی۔

جواب ۔ جی ہاں غدر سے تین روز قبل اس نے کہا تھا۔ میں اپنی سواری کے لئے گھوڑا خرید رہا تھا۔ وہ میرے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ میں آپ سے تخلیہ میں کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ ایک گوشہ میں گیا تو اس نے مجھ سے

کہا کہ "تم کمپنی کی ملازمت چھوڑ کر بادشاہ کی ملازمت کر لو" پھر کہنے لگا "میں دوستانہ طریقہ سے تمہیں نصیحت کرتا ہوں"۔ میں نے جب سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ موسم گرما میں تم ہر جگہ روسیوں کو پاؤ گے" میں اس کی تجاویز پر ہنس پڑا اور اس سے پھر کبھی ملنے کے لئے نہ گیا کیونکہ میں اپنے کام میں بیحد مشغول تھا۔ یہ گفتگو ۹۔ مئی روز یکشنبہ ۱۸۵۷ء کو ہوئی تھی۔ مگر وہ پھر میرے پاس نہیں آیا۔ اور جب میں کوتوالی سے رہا ہوا تو اس کے پاس پہونچا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا۔ کیا میں تم سے چلے آنے کو نہیں کہتا تھا؟" اور پھر اس نے مجھ سے ذکر کیا کہ ایک افریقی قنبر نامی غدر سے دو سال قبل قسطنطنیہ روانہ کیا گیا ہے۔ اور یہ شخص دہلی سے مکہ جانے کے بہانے روانہ ہوا تھا لیکن بادشاہ دہلی کا سفیر بنکر روسیوں سے کچھ امداد طلب کرنے گیا ہے۔ اور قنبر نے دو سال بعد دہلی واپس آنے کا وعدہ کیا ہے۔

سوال۔ غدر کے زمانہ میں جب تم موجود کے پاس رہتے تھے کیا تمہیں کچھ خبریں ملتی تھیں؟

جواب۔ خصوصیت سے غدر کی بابت تو نہیں البتہ وہ نوکری سے شام کے وقت مکان پر آتا تھا اور دن بھر کے کوائف و حالات مجھے سنا دیتا تھا۔ ایک موقعہ پر اس نے کہا کہ بادشاہ نے اپنے تمام امراء و فرزندان کو دربار عام میں جمع کیا اور کہا کہ "جب سے غازی الدین نگر کی لڑائی ہوئی ہے آئے دن تم لوگوں میں نا اتفاقیاں پھیلتی جاتی ہیں اور یہ بہت خطرناک امر ہے۔"

اس نے کہا پھر بادشاہ نے یہ کہا کہ "اب سب کو متفق ہو کر انگریزوں کو نکال دینے کی کوشش کرنے کا وقت ہے۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو یاد رکھو کہ اگر برٹش فوج دوبارہ دہلی میں داخل ہو گئی تو خاندان تیموریہ کے کسی نفس واحد کو بھی زندہ نہ چھوڑے گی۔" موجود دس یا بارہ افریقیوں کا افسر اور بادشاہ کے خاص ملازمین میں سے تھا جو ہر وقت ان کے پاس کھڑے رہتے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بیانات

ضرور صحیح ہونگے۔

سوال۔ کیا اس شخص (موجود) نے کبھی روپیہ یا کوئی اور شے کمپنی کی ملازمت ترک کردینے کی غرض سے دی؟

جواب۔ جی نہیں۔

سوال۔ کیا تم جانتے ہو کہ متذکرہ بالا تحریک بادشاہ یا کسی قلعہ والے کے ایما سے تھی؟

جواب۔ میں اسے ایسا نہیں سمجھتا۔ میں نے تو صرف اسکی ذاتی بیوقوفی پر محمول کیا تھا۔

سوال۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ کمپنی کے کسی دوسرے ملازم کو بھی بادشاہ کی ملازمت میں آنے کی ترغیب دی گئی تھی؟

جواب۔ مجھے علم نہیں۔

سوال۔ کیا کبھی اپنی رجمنٹ کے سپاہیوں کو تم نے چپاتیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا جو غدر سے قبل گاؤں گاؤں میں تقسیم ہوئی تھیں؟

جواب۔ جی نہیں۔ میں اس زمانے میں اپنے گاؤں میں رخصت پر تھا۔ اور جو کچھ میں نے ان کی نسبت سنا وہ یہ تھا۔ کہ چپاتیاں تقسیم ہو رہی ہیں۔ اور کوئی شخص اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔

سوال۔ گیارہ مئی سے کتنے عرصہ پیشتر سے تم دہلی میں تھے؟

جواب۔ تیرہ یا چودہ روز۔

سوال۔ کیا اس وقت تم نے لوگوں کو تذکرہ کرتے سنا تھا کہ دہلی میں کوئی حادثہ ہونے والا ہے؟

جواب۔ جی نہیں۔ میں بیمار تھا۔ اور اہل دہلی سے بہت کم ملتا تھا۔

سوال۔ تم نے کہا ہے کہ "موجود" غدر کے بعد کہتا تھا کہ روسی ہر جگہ آجائیں گے کیا تم جانتے ہو کہ باشندوں کا بھی یہی یقین تھا۔

ب۔ جی ہاں مجھے خیال ہے کہ تھا جب مسلمانوں سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوتا تو ان
تریر کا ماخذ یہی ہوتا تھا۔ کہ وہ روسیوں کو موسم گرما تک آیا ہی سمجھتے ہیں۔
ل۔ غدر سے پہلے اہل رجمنٹ اور دیسی افسران میں اور تم میں کمپنی کی ملازمت
بت کبھی گفتگو ہوئی تھی؟
ب۔ ایک مسلمان نمبر ۱۴ بیقاعدہ سواروں کا افسر جس کا نام مرزا محمد تقی ہے
تا کہ اس کی کتابوں میں لکھا ہے کہ انگریزی عملداری بہت جلد نیست ہو جائیگی
ں پشاور میں تھا۔ اور مجھے ٹھیک معلوم نہیں ہے۔ کہ آیا اس نے ۱۸۵۵ء میں
ا یا ۱۸۵۶ء میں۔
ل۔ کیا تم نے کبھی کسی شخص کو انگریزی حکومت کے خاتمہ کی مدت بتاتے ہوئے اور یہ
اہے کہ روزمرہ کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی حکومت قریب الاختتام ہے؟
ب۔ جی نہیں۔
ل۔ کیا تم اندازہ لگا سکتے تھے کہ انگریزوں سے ہندوؤں کو زیادہ نفرت تھی
انوں کو؟
ب۔ مسلمانوں کو۔
ل۔ کیا کبھی تم نے سنا تھا کہ شاہ ایران فوج لیکر ایران سے آرہا ہے؟
ب۔ جی نہیں۔ ان مضامین پر میں ان سے کبھی بحث نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ
ی اخبارات سے مجھے خبریں ملتی رہتی تھیں۔
ل۔ کیا تم جانتے ہو کہ روسیوں کی آمد کا چرچہ ہندوستانیوں میں غدر
ہلے بھی ہوتا تھا؟
ب۔ جی نہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ مجھے ایسی گفتگو کرنے یا سننے کا
قعہ نہیں ملا۔

ملزم جرح سے انکار کرتے ہیں

عدالت نے اظہار لئے

سوال۔ جب تم دہلی میں تھے کسی طرح بھی یہ خبر تمہارے کانوں میں پڑی تھی کہ ملزم بیدلی سے باغیوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ کیا تم بھی یہی سمجھتے ہو؟

جواب۔ میں صرف وہی بتا سکتا ہوں جو میں نے سنا ہے۔ پہلے بادشاہ بیدل تھے مگر جب انہوں نے خود کو اس میں گھرا ہوا پایا تو شامل ہو گئے۔ یعنے پندرہ روز کے بعد شامل ہوئے۔ یہ صرف افواہ ہے اور میں اس کی حقانیت کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔

گواہ جاتے ہیں۔

غلام عباس ملزم کے مختار کو انکی گذشتہ شہادت کی یاددہانی کی جاتی ہے۔

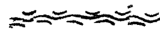
جج ایڈوکیٹ اظہار لیتے ہیں

سوال۔ ان بارہ کاغذوں کو دیکھو اور کہو کہ آیا تم ان کے اصلی ہونے کا یقین رکھتے ہو یا نہیں؟

جواب۔ وہ جن کے سروں پر پنسل سے تحریر شدہ احکام ہیں فی الواقعہ اصلی ہیں کیونکہ بادشاہ کے تحریری احکام ان پر موجود ہیں۔ دیگر کاغذات کو بھی اصلی سمجھنے میں مجھے کلام نہیں جن پر پنسل سے دستخط ہیں وہ بھی اصلی ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ بادشاہ کے دستخط ہیں۔

پھر مترجم ان کاغذات کو پڑھتا ہے اور ان کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

چار بج گئے۔ عدالت یوم بدھ مورخہ ۳ مارچ تک کے لئے برخاست ہو جاتی ہے تاکہ مترجم کو دیسی اخبارات کے اقتباس و دیگر دستاویزوں کے ترجمہ کرنے کی مہلت مل سکے۔



انیسویں روز کی کارروائی

یوم بدھ مورخہ ۳۔ مارچ ۱۸۵۸ء

آج پھر قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں عدالت منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ، ممبران جوری مترجم ڈپٹی جج، ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں

ملزم اور ان کے مختار غلام عباس عدالت میں لائے گئے۔

مندرجہ ذیل اٹھارہ کاغذات اصل مترجم نے پڑھے اور انکا ترجمہ پڑھا گیا۔

(اخباروں کے اقتباسات علیحدہ ایک مجموعہ میں چھاپے گئے ہیں اس واسطے یہاں درج نہیں کئے۔ حسن نظامی)

بیسویں روز کی کارروائی

یوم جمعرات مورخہ ۴ مارچ ۱۸۵۸ء

کل کی کارروائی کے سلسلہ میں آج پھر گیارہ بجے عدالت منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ ممبران مترجم۔ ڈپٹی جج۔ ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم اپنے مختار غلام عباس کے ہمراہ عدالت میں لائے گئے۔

ملزم نے اب عدالت میں اپنی تحریری جواب دہی پیش کی جسے مترجم نے پڑھا۔

عدالت ساڑھے بارہ بجے برخاست ہوگئی۔ اور منگل مورخہ ۹۔ مارچ کی پیشی مقرر ہوئی۔ تاکہ ترجمہ کرنے اور ڈپٹی جج ایڈوکیٹ کو اسکا جواب دینے، اور شہادتوں کا خلاصہ کرنے کی مہلت ملے۔



اکیسویں روز کی کارروائی

یوم منگل مورخہ ۹۔ مارچ ۱۸۵۸ء

عدالت آج پھر دیوان خاص قلعہ دہلی میں منعقد ہوئی۔

پریسیڈنٹ۔ ممبران، مترجم، ڈپٹی جج، ایڈوکیٹ جنرل سب حاضر ہیں۔

ملزم ان کے مختار غلام عباس کے ہمراہ لائے گئے۔

اب جج ایڈوکیٹ ملزم کی جوابدہی کو پڑھتے ہیں۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے

جواب تحریری از بہادر شاہ سابق بادشاہ دہلی۔

اصل حقیقت یہ ہے۔ غدر کے روز کی مجھے پہلے سے خبر نہیں تھی۔ آٹھ بجے کے قریب باغی سوار دفعتاً آ گئے اور محل کی کھڑکیوں کے نیچے شور وغل مچانے لگے انہوں نے کہا کہ وہ انگریزوں کو قتل کر کے میرٹھ سے آئے ہیں اور اپنے ایسا کرنے کا یہ عذر پیش کیا کہ ان سے گائے اور سؤر کی چربی سے بنے ہوئے کارتوسوں کو منہ میں رکھ کر دانتوں سے کاٹنے کے لئے کہا گیا تھا۔ جو سراسر ہندو اور مسلمانوں کے دھرم کو ستیاناس کرنا تھا۔ میں نے یہ سن کر قلعہ کے دروازے بند کرا دیئے۔ اور فی الفور قلعہ دار کو اس امر کی اطلاع پہونچا دی۔ وہ خبر سنتے ہی خود میرے پاس آئے۔ اور جہاں باغی جمع تھے جانا چاہا۔ اور دروازہ کھول دینے کی درخواست کی۔ میں نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھا۔ بہرکیف جب دروازہ نہ کھولنے دیا تو وہ اوپر گئے۔ اور برآمدہ میں کھڑے ہو کر سپاہیوں سے کچھ کہا۔ جسے سنتے ہی وہ لوگ چلے گئے۔ اس کے بعد قلعہ دار یہ کہکر کہ وہ ہنگامہ کو روکنے کا بندوبست کریں گے میرے پاس سے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد مسٹر فریزر نے دو توپوں کے لئے اور قلعہ دار نے دو پالکیوں کے لئے خبر بھیجی۔ اور کہا کہ ان کے پاس دو لیڈیاں ٹھہری

ہوئی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ انہیں محلسرا میں پہونچا دیا جائے میں نے دو پالکیاں روانہ کیں۔ اور حکم دیدیا کہ توپیں بھی بھیجدی جائیں۔ اس کے بعد میں نے سنا کہ پالکیاں پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ مسٹر فریزر قلعدار اور وہ لیڈیاں سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ اسے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ کہ باغی سپاہ دیوان خاص میں گھس آئی عبادت خانہ میں بھی ہر طرف پھیل گئی۔ اور مجھے چاروں طرف سے گھیر کر پہرہ متعین کر دیا۔ میں نے ان کا مطلب دریافت کیا اور چلے جانے کے لئے کہا جس کے جواب میں انہوں نے خاموش کھڑے رہنے کو کہا اور کہا کہ جب انہوں نے اپنی زندگیوں کو خطرہ میں ڈالا ہے۔ تو اب اپنی طاقت کے موافق سب کچھ کر کے چھوڑیں گے۔ خوف کھا کر کہ کہیں میں نہ قتل کر دیا جاؤں۔ میں نے منہ سے اف تک نہ کی۔ اور چپ چاپ اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ شام کے وقت یہ نمک حرام کئی انگریز مرد و عورت کو گرفتار کر کے لائے جنہیں انہوں نے میگزین میں پکڑا تھا۔ اور ان کے قتل کا قصد کرنے لگے۔ میں نے باز رہنے کی درخواست کی۔ اور اس وقت تو میں ان انگریزوں کی جان بچانے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر باغی سپاہیوں نے انہیں اپنی ہی زیر حراست رکھا۔ متواتر دو موقعوں پر انہوں نے انگریزوں کے قتل کا قصد کیا۔ اور میں نے منت و سماجت کر کے باز رکھا۔ اور قیدیوں کی جانیں بچالیں۔ آخری وقت اگرچہ میں مفسد بلوائیوں کو حتے المقدور باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر انہوں نے میری طرف مطلق التفات نہیں کیا۔ اور ان بیچاروں کو قتل کرنے باہر لے گئے۔ میں نے انہیں قتل کے لئے کچھ بھی حکم نہیں دیا۔ مرزا مغل۔ مرزا خضر سلطان۔ مرزا ابوبکر اور میرا ایک خاص مصاحب بسنت سپاہ سے مل گئے تھے۔ انہوں نے میرا نام شاید لیا ہو۔ لیکن مجھے علم نہیں کہ انہوں نے کیا کہا۔ نہ میں یہ جانتا ہوں۔ کہ میرے خاص مصاحبین میرے حکم

سے سرتابی کر کے قتل میں شریک ہوئے ہوں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ مرزا مغل سے مرعوب ہو کر کر گزرے ہونگے۔ نیز قتل کے بعد تک مجھے اس کے متعلق کسی نے خبر نہیں دی۔ بعض گواہان نے شہادت میں میرے ملازمین کا مسٹر فریزر اور قلعدار کے قتل میں شریک رہنا بیان کیا ہے۔ میں اس کا بھی وہی جواب دیتا ہوں۔ یعنی میں نے انہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اگر انہوں نے ایسا کیا۔ تو اپنی آزاد مرضی سے کیا۔ مجھے اس کا بھی علم نہیں اور یہ بات بھی مجھے نہیں بتائی گئی۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو میرا گواہ ہے کہ میں نے مسٹر فریزر یا اور کسی انگریز کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ مکندلال و دیگر گواہان نے کہا ہے کہ میں نے حکم دیا ہے۔ غلط کہا ہے۔ مرزا مغل و مرزا خضر سلطان نے احکام دیئے ہوں تو تعجب نہیں کیونکہ وہ سپاہ سے مل گئے تھے۔ بعدازاں فوجیں مرزا مغل مرزا خضر سلطان اور مرزا ابوبکر کو میرے سامنے لائیں۔ اور کہا کہ "ہم انہیں اپنا افسر بنانا چاہتے ہیں" میں نے ان کی درخواست رد کر دی۔ لیکن جب سپاہ ضد کرنے لگی۔ اور مرزا مغل غصہ ہو کر اپنی والدہ کے مکان میں چلا گیا۔ تو میں سپاہیوں کے خوف سے ساکت رہ گیا۔ اور پھر طرفین کی رضامندی سے مرزا مغل کمانڈر انچیف افواج مقرر ہوا۔ میری مہر کے ثبت شدہ اور دستخط کئے ہوئے احکام کی نسبت معاملہ کی اصل حالت یہ ہے کہ جس روز سے سپاہ آئی۔ انگریزی افسروں کو قتل کیا اور مجھے مقید کر لیا۔ میں ان کے اختیار میں رہا۔ جیسا کہ اب ہوں۔ تمام کاغذات جو مناسب سمجھتے میرے پاس لاتے۔ اور مجھے مہر ثبت کرنے پر مجبور کرتے۔ بسا اوقات احکام کے مسودے لاتے اور میرے سکرٹری سے انہیں صاف کرواتے۔ کبھی اصلی کاغذات لاتے اور ان کی نقلیں دفتر میں رکھ دیتے۔ اس لئے کئی خطوط اور مختلف تحریریں روئداد کی فائل بن گئی ہیں۔ بارہا انہوں نے خالی لفافوں پر مہر ثبت

الی ہے نہیں معلوم ان میں انہوں نے کون سے کاغذات بھیجے۔ اور کہاں بھیجے۔
الت میں ایک درخواست پیش ہوئی ہے۔ جو کندلال کی طرف سے کسی گمنام شخص
نام ہے جس میں ایک روز کے جاری شدہ احکام کی تفصیل دی ہوئی ہے۔
ں فہرست میں صاف مرقوم ہے کہ اتنے احکام اس کی ہدایت سے لکھے گئے ہیں
ر اتنے احکام اس کی ہدایت سے لیکن کہیں میری ہدایت سے لکھے ہوئے ایک
لم کا بھی حوالہ نہیں ہے۔ پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بدون میرے حکم کے
س نے جتنے احکام چاہے لکھ لئے۔ اور مجھے ان کے خلاصہ تک سے اطلاع نہیں کی
اتی تھی۔ میں اور میرا سکریٹری جان کے خوف سے کسی معاملہ میں کچھ نہیں کہتے
تھے۔ ٹھیک یہی حالت ان درخواستوں کی بھی ہے۔ جن پر میری دستی تحریر ہے
ب سپاہی یا مرزا مغل یا مرزا خضر سلطان، یا مرزا ابو بکر کو کچھ لکھوانا ہوتا تو "وہ
رخواستیں لے آتے اور افسران فوج کو بھی ہمراہ لاتے۔ اور احکام لکھنے کے لئے
جھے مجبور کرتے۔ وہ میرے سنانے کے لئے اکثر کہا کرتے تھے۔ تاکہ میں ان سے مرعوب
ہو کر ان کی خواہشات کی تعمیل کر دیا کروں۔ کہ "وہ جو ان کی خواہشات کی تعمیل
کرے گا۔ اپنی حالت کے موافق سزا پائے گا" علاوہ ازیں میرے ملازموں پر
نگریزوں کے پاس خط بھیجنے اور سازش کرنے کی تہمت لگایا کرتے تھے علی الخصوص
کیم احسن اللہ خاں، محبوب علی خاں اور ملکہ زینت محل پر سازش کا الزام لگایا جاتا
تھا۔ اور کہا جاتا تھا۔ کہ اب اگر ایسا معلوم ہوا تو ہم ان کو مار ڈالیں گے اسی طرح ایک
روز حکیم صاحب کا مکان لوٹ لیا اور بارادہ قتل انہیں مقید کر لیا تھا۔ بہزار دشواری
ور میری منتیں کرنے پر اپنے ارادہ سے باز رہے لیکن پھر بھی حکیم صاحب کو قید رکھا
س کے بعد میرے دیگر ملازموں کو گرفتار کر لیا مثلاً شمشیر الدولہ والد ملکہ زینت محل
وغیرہ کو نیز انہوں نے کہا کہ وہ مجھے معزول کر کے میری جگہ مرزا مغل کو بادشاہ

بنائیں گے۔ پھر یہ معاملہ سنجیدگی و انصاف سے قابل غور ہے کہ میرے پاس کسی قسم کی کونسی طاقت تھی یا ان کو خوش رکھنے کا کونسا سبب میرے پاس تھا؟ افسران فوج یہاں تک سر چڑھ گئے تھے کہ ملکہ زینت محل کا مطالبہ کرتے تھے کہ میں ان کو ان کے حوالہ کر دوں تاکہ وہ انہیں قید میں رکھیں۔ اور کہا کہ ملکہ نے انگریزوں سے دوستانہ تعلقات قائم کئے ہیں۔ پھر اگر مجھے پوری طاقت یا اختیار ہوتا تو کیا میں حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں کو مقید ہونے دیتا یا حکیم صاحب کے مکان کو لٹتا ہوا دیکھتا۔ باغی سپاہ نے ایک کورٹ قائم کیا تھا۔ جہاں تمام معاملات طے ہوتے تھے۔ اور جن معاملات کو وہاں طے کیا جاتا تھا۔ انہیں یہ کونسل اختیار کرتی تھی لیکن میں نے کبھی ان کی کانفرنس میں شرکت نہیں کی۔ انہوں نے اس طرح بدون میری مرضی یا خلاف حکم صرف میرے ملازموں ہی کو نہیں لوٹا۔ بلکہ کئی محلوں کو لوٹ لیا۔ چوری کرنا۔ قید کرنا۔ ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اور جو جی چاہتا تھا کر گزرتے تھے۔ جبراً معززاہل شہر سے اور تجار سے جتنی رقم چاہتے وصول کرتے تھے۔ اور یہ مطالبات ذاتی اغراض کے لئے کرتے تھے۔ جو کچھ گزرا ہے وہ سب مفسدہ پرداز فوج کا کیا دھرا ہے۔ میں ان کے قابو میں تھا۔ اور کیا کر سکتا تھا۔ وہ اچانک آپڑے اور مجھے قیدی بنا لیا۔ میں لاچار تھا۔ اور دہشت زدہ۔ جو انہوں نے کہا میں نے کیا وگرنہ انہوں نے مجھے کبھی کا قتل کر ڈالا ہوتا۔ یہ سب کو معلوم ہے۔ مجھے ایسی مایوسی ہوئی تھی۔ کہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ جبکہ میرے ماتحت عہدہ داروں کو بھی جانبری کی امید نہیں تھی۔ اسی لئے میں نے فقیری کا تہیہ کر لیا تھا اور گیروے رنگ کی صوفیانہ پوشاک پہننی شروع کر دی تھی۔ پہلے قطب صاحبؒ کی درگاہ وہاں سے اجمیر شریف اور اجمیر شریف سے بالآخر مکہ معظمہ جانے کا عزم تھا لیکن فوج نے مجھے اجازت نہیں دی۔ جس نے میگزین و خزانہ لوٹا۔ یہ سپاہ ہی تھی جس نے

جو چاہا کیا۔ میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ نہ ان لوگوں نے لوٹ کا کچھ مال مجھے لاکر دیا
ایک روز یہی لوگ ملکہ زینت محل کا مکان لوٹنے کی نیت سے گئے تھے۔ مگر دروازہ
توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اب غور کرنا چاہیئے۔ کہ اگر وہ میرے ماتحت
ہوتے یا میں ان کی سازش میں شریک ہوتا۔ تو یہ باتیں کیونکر ظہور پذیر ہوئیں ؟
اس سب کے ساتھ ہی یہ قابل غور ہے کہ کوئی شخص غریب ترین انسان کی عورت
کا مطالبہ بھی یوں نہیں کرتا ہے کہ "لاؤ اسے مجھے دیدو میں قید کروں گا"۔ حبشی
عنبر کی نسبت یہ ہے کہ اس نے مجھ سے حج کرنے اور مکہ شریف جانے کی رخصت
لی تھی۔ میں نے اسے ایران نہیں روانہ کیا۔ نہ میں نے شاہ ایران کو کوئی خط بھیجا
یہ قصہ کسی نے غلط مشہور کیا ہے۔ محمد درویش کی درخواست میری دستاویز نہیں
ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے۔ ممکن ہے کسی نے میرے یا میاں عسکری کے دشمن
نے وہ درخواست بھیجی ہو۔ تو اس پر اعتماد نہیں۔ نہ کرنا چاہیئے۔ باغی فوج کی عادتوں
کی نسبت معلوم ہو کہ انہوں نے کبھی مجھے سلام تک نہیں کیا۔ نہ میرا کسی قسم کا ادب
و لحاظ کیا۔ وہ دیوان خاص و دیوان عام میں بید ھڑک جوتیاں پہنے چلے آتے تھے
میں ان فوجوں پر کیا اعتبار کرتا۔ جنہوں نے اپنے ذاتی آقاؤں کو قتل کر دیا ہو؟ جس
طرح انہوں نے ان کو قتل کیا۔ مجھے بھی مقید کر لیا۔ مجھ پر جور کئے۔ مجھے حکم میں رکھا۔
اور میرے نام سے فائدہ اٹھایا۔ تاکہ میرے نام کی وجہ سے ان کے افعال مقبول ہوں
یہ دیکھکر کہ ان فوجوں نے اپنے ذاتی ذی وجاہت وصاحب فرمان افسروں کو مار
ڈالا میں بے فوج بے خزانہ بے سامان جنگ بے توپخانہ کیونکر انہیں روک سکتا
تھا یا ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے کبھی کسی طرح
کی انہیں مدد نہیں دی۔ جب باغی افواج قلعہ کے پاس آئیں۔ میری طاقت
میں تھا۔ میں نے دروازے بند کر دیئے۔ میں نے قلعدار کو طلب کیا۔ اور جو کچھ نہ

من وعن بیان کر دیا۔ اور انہیں باغیوں میں جانے سے باز رکھا۔ میں نے لیڈیوں کے لئے دو پالکیاں اور دو توپیں قلعہ کے پھاٹک کی حفاظت کے لئے قلعدار[1] اور ایجنٹ[2] لفٹنٹ گورنر کی درخواستوں پر روانہ کر دی تھیں۔ مزید برآں اسی شب کو تیز سانڈنی سوار کو جو کچھ ہنگامہ یہاں برپا ہوا تھا اس کا اطلاعی خط دیکر ہز آنر لفٹنٹ گورنر آگرہ کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا کیا میں نے اپنی خود مختار مرضی سے کوئی حکم نہیں دیا۔ میں سپاہ کے اختیار میں تھا۔ اور انہوں نے جبراً و قہراً جیسا چاہا کرایا۔ چند ملازمین جو میں نے رکھے تھے باغی و بلوائی فوجوں سے ڈر کر اور اپنی جان کے خوف سے رکھے تھے۔ جب یہ فوجیں فرار ہونے پر آمادہ ہوئیں تو میں موقع پا کر چپ چاپ قلعہ کے پھاٹک سے نکلا اور مقبرہ ہمایوں میں جا کر ٹھہر گیا۔ اس جگہ سے میں ضمانتاً طلب کیا گیا۔ کہ میری جان محفوظ رہے گی۔ اور میں نے فوراً اپنے آپ کو گورنمنٹ کی حفاظت میں دیدیا۔ باغی فوجیں مجھے اپنے ہمراہ لے جانا چاہتی تھیں۔ مگر میں نہ گیا۔

(جس وقت افسران فوج نے بادشاہ کو ہمراہ لے جانے کا اصرار کیا میرے نانا وہاں موجود تھے۔ حسن نظامی)

مذکورہ بالا جواب میرا خود تحریر کیا ہوا ہے اور بلا مبالغہ ہے حق سے اصلا انحراف نہیں کیا ہے۔ خدا میرا عالم و شاہد ہے کہ جو کچھ بالکل صحیح تھا جو کچھ مجھے یاد تھا وہ میں نے لکھا ہے۔ شروع میں میں نے آپ سے [illegible] تھا کہ میں بغیر بناوٹ اور بغیر ملاوٹ کے وہی لکھوں گا۔ جو حق اور راست ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی میں نے کیا ہے۔

دستخط بہادر شاہ بادشاہ

[1] کپتان ڈگلس۔ [2] مسٹر سمن فریزر

تتمہ خط۔ مرزا مغل کے نام کے ایک حکم کا حوالہ دیتے ہوئے۔ جس میں سپاہ کے کردار کی شکایت اور میرے آخری ارادہ درگاہ خواجہ صاحب کو اور وہاں سے مکہ معظمہ جانے کا بیان ہے۔ میں اظہار کرتا ہوں۔ کہ مجھے ایسے کسی حکم کا اجرا یاد نہیں۔ حکم زیر بحث بر خلاف میرے دفتر کے قوانین کے اردو زبان میں ہے۔ جہاں اس قسم کی ہر ایک تحریک فارسی زبان میں لکھی جاتی تھی۔ میں یہ نہیں جانتا کہ یہ حکم کس نے اور کہاں تیار کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے فوج بالکل عاجز آیا ہوا دیکھ کر اور میرے تارک الدنیا ہو کر فقیری لے لینے پھر مکہ معظمہ جانے کو خیال کر کے مرزا مغل نے یہ حکم اپنے دفتر میں لکھوایا ہوگا۔ اور میری مہر اس پر ثبت کر دی ہوگی۔ بہر حال فوج سے میری ناراضگی اور میری پوری بے بسی کی جس کا میں پہلے ذکر کر آیا ہوں۔ حکم زیر بحث سے بھی تصدیق ہو سکتی ہے۔ دیگر دستاویزوں کی بابت جو اس کے ماسوا ہیں۔ جیسے راجہ گلاب سنگھ کے مراسلات کی نقل یا بخت خاں کی درخواست پر میرے احکام اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے و مہر ثبت کئے ہوئے و دیگر کاغذات جو کارروائی میں شامل ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے ان کی یاد نہیں ہے۔ بلکہ میں ابھی جیسا بیان کر چکا ہوں کہ افسران فوج نے بلا اطلاع جیسا چاہا لکھا اور اس پر میری مہر ثبت کر دی اور مجھے یقین ہے کہ یہ بھی ضرور اسی قسم کے ہیں۔ اور بخت خاں کی درخواست پر ضرور مجھے حکم لکھنے کے لئے مجبور کیا گیا ہوگا۔ جس طرح دوسری درخواستوں پر لکھوایا کرتے تھے۔

دستخط . . . . . .

جج ایڈووکیٹ نے عدالت کو مخاطب کر کے تقریر کی۔

حضرات! ایڈریس ہذا میں میرا یہ مقصد ہوگا کہ مختلف حقائق کو جو دوران کارروائی میں بہم پہونچے ہیں۔ جمع کر دوں اور جہاں تک ہو سکے انہیں اصلی شکل

ہیں جیسے کہ وہ گزرے ہیں آپ کے سامنے پیش کردوں۔ ہماری تفتیش کئی ماہ کی تحقیقات پر محیط ہے۔ جبکہ اس شہر میں مفسدہ پردازی کثرت سے تھی اور میں یقین کرتا ہوں کہ ہم مختلف واقعات کے جو میری بیان کردہ مدت میں گزرے ہیں نہایت باریکی سے پتہ لگانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہماری جانفشانیاں فی الحقیقت اس حد تک نہیں ہوئیں۔ جتنا کہ چاہیئے۔ جسے میری رائے میں ہمارے فرائض کا غیر اہم حصہ کہنا چاہیئے۔ حقائق وقوعہ کے سلسلہ میں وہ قرارداد جرم ہیں جن پر ملزم ماخوذ کئے گئے ہیں۔ اور گو ان کا مرتبہ وحکومت سالقہ بیشک فیصلہ کو جس کی سماعت کیلئے آج آپ لوگ طلب کئے گئے ہیں، مہتم بالشان بنادے گا۔ تاہم خواہ وہ رہائی ہو یا اثبات جرم، میری رائے میں ان اہم نکات کے بالمقابل جن پر چنداں غور کیا گیا ہے اور جو عرصہ دراز تک سبق دیتے رہیں گے۔ میزان میں تولنے سے ہلکا اترے گا۔

میں حقیقتاً ان اسباب کو جو خواہ قریب ہوں یا بعید، جنہوں نے وہ بغاوت پیدا کی جو تاریخ میں یا تو اپنی تعدی کے لحاظ سے جس کا مستقبل نہاں ہوگیا اور یا اچانک ظاہر ہونے سے جس سے ابھی تک عناصر اربع مذہب کی رو سے ناموافق سمجھے گئے ہیں۔ بے نظیر ہیں۔ بیشک کسی مذہب کے برخلاف باہم مل کر جہاد عام کرنا اس ملک کے ہندو اور مسلمان باشندگان کے لئے نادرالوجود ہے۔ مجھے خوف ہے کہ معاملہ ناکافی طور پر واضح ہوا۔ اور شاید مذہبی اثر کو جو بالآخر پولیٹیکل تحریک ثابت ہوا۔ میں اس طرف منسوب کرنے میں غلطی کر رہا ہوں۔ طاقت وحکومت کے اخراج کی ایک جدوجہد۔ ایسے ملک میں جہاں کے لوگ مذہب میں۔ خون میں۔ رنگ میں۔ عادات میں۔ جذبات میں۔ اور ہر چیز میں مختلف ہوں واقعی عجیب ہے۔ گو اس بحث پر آخری رائیں کچھ بھی ہوں۔ مسائل سے جہاں تک میں واقف ہوں۔ ہنوز واضح وتسکین دہ نہیں ہوئے ہیں کہ کن وجوہات کی بنا پر یہ ہولناک

لنیاوت اور مسلسل قتل عام وجود میں آئے۔ اور اس کے اصلی محرکین اعظم کون تھے
میں یقین کرتا ہوں۔ کہ ممبران عدالت میرے ساتھ متفق الرائے ہوں گے کہ ہماری
تفتیش ایسے سوالات کا صاف اور مکمل جواب نہیں دیتی ہے۔ اور کیوں نہیں دیتی
میں سمجھتا ہوں کہ اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ مختلف مقامات و منبجات سے
لوکل تحقیقات کے ذریعہ شہادت بہم پہونچانے میں ہم قاصر رہے۔ جو لاریب کئی
جگہ میسر آسکتی ہے۔ تاہم اس نقطۂ نظر سے ہمیں امید کرنی چاہئے۔ کہ ہماری جدو
جہد بے نتیجہ یا غیر مفید نہیں رہے گی۔ اور اگر ہم خود کو پوری کامیابی کیلئے مبارکباد
نہیں دے سکتے۔ تو بھی ہمیں اس کے قریب تک پہونچ جانے کا یقین رکھنا چاہیے
میں خیال کرتا ہوں کہ بعض لوگ بغیر اس نتیجہ پر پہونچے کہ سازش اس عدالت دہلی
کی پرورش یافتہ ہے ان طویل کارروائیوں کو پڑھتے رہیں گے۔ ظاہری طاقتوں
نمایش گاہ میں یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ ان فرضی بادشاہی کے مالک کو اسلامی
تعصب نے سرغنہ اور اپنے مذہب کا پرشوکت ستارہ سمجھا تھا۔ ان سے اب
تک لاکھوں کی امیدیں وابستہ تھیں۔ وہ جنہوں نے ان کو منبع عزت سمجھ رکھا
تھا۔ علاوہ ازیں یہ صرف مسلمانوں کے جامع نہیں سمجھے گئے ہیں۔ بلکہ ہزارہا
دوسروں کے سرتاج بھی رہے ہیں۔ جنہیں مذہبی تعصب کی وجہ سے ایک ہی
مرکز پر لانا قریب قریب ناممکن تھا۔ ایسے معاملہ پر پوری طرح روشنی ڈالنا ایک
روز یا ایک مہینہ کا کام نہیں ہے۔ وقت، رازہائے سربستہ کا مظہر اعظم بیشک
ایک نہ ایک روز ان چشموں کو عیاں کردیگا جن میں سے ایسا بدکرداری و خرابات
کا دریا بہا ہے لیکن اس وقت ہمیں صرف ان معاملات پر اکتفا کرنی چاہئے۔ جو
ہماری موجودہ تحقیقات رونما کرتی ہے۔ مفسدین کے بہت سے راز ہم کو
معلوم ہوگئے ہیں۔ لیکن ہمیں عجلت نہ کرنی چاہئے۔ یہی ہماری تحقیقات کا ایک

حصہ ہے جس پر میں نظر ڈالنی چاہتا ہوں لیکن واقعات کا مجمل بیان شاید اڈیٹریس ہذا کی ابتدا میں موزوں ہوگا۔

لہذا مجھے بیان کرنا چاہئے کہ نمبر ۳ کیولرائی کے سواروں و نان کمیشنڈ افسران جنہیں گذشتہ مئی میں کارتوسوں سے انکار کرنے کی پاداش میں میرٹھ میں جنرل کورٹ مارشل کی روسے سزا دی گئی تھی۔ ان کی مجموعی تعداد ۸۵ تھی۔ ۹ مئی کی صبح انہیں سزا سنادی گئی۔ اور پریڈ کے میدان میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں اور ۱۰ مئی کو بوقت شام میرٹھ کی تینوں رجمنٹوں نے بغاوت کی جو اس روز شام کے ساڑھے چھ بجے سے شروع ہوئی۔ اسی دوران میں میرٹھ کی بغاوت کرنے والی فوجوں کے درمیان جو ان سے آخر میں مل گئیں۔ تبادلۂ خیالات کے لئے ۲۶ گھنٹے تک کی مہلت ملی تھی۔ یہاں سے وہاں تک سفر کرنے میں ایک کوچ گاڑی کے لئے ۶ گھنٹے کا وقفہ درکار ہے[1]۔ اور باغیوں نے طرفین میں گفت وشنید کرکے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ میں کپتان ٹٹلر کی شہادت کو پیش کرتا ہوں۔ کپتان موصوف کی شہادت سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ میرٹھ سے اتوار کی شام کو سپاہیوں کی گاڑی آئی اور اس میں باغی ہی تھے جو پیدل رجمنٹ نمبر ۲۰ میں گئے تھے۔ بیشک سپاہیوں کو ان کے بلوائی احباب مناسب مہمان نوازی کے لئے خبر دینے آئے تھے۔ اور گو ہمارے پاس یقینی شہادت نہ بھی ہو تاہم اس پر خیال کیا جائے کہ صرف اتوار کی شام ہی ان سازشوں کی کونسل کرنے کا پہلا موقعہ نہیں تھا۔ بیشک ہمارے پاس درج ہے کہ میرٹھ میں باغیوں کو کورٹ کی سزا دینے کے قبل ہی یہ جوش پھیلا ہوا تھا کہ اگر مجرب کارتوسوں کا استعمال برابر جاری رکھا گیا تو دہلی اور میرٹھ کی فوجیں مل کر علم بغاوت بلند کریں گی۔ اور یہ انتظام اتنا

---

[1] یعنی میرٹھ سے دہلی تک آنے جانے میں۔ مترجم

پختہ اور قابل یقین ہو چکا تھا کہ اتوار کی شام کو قلعہ کے پھاٹک والے سپاہی بھی اپنے خیالات کو پوشیدہ نہ رکھ سکے۔ اور بے دھڑک ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ کل واقعہ کے معقول اور بے بنیاد الزامات کا توازن کرتے وقت یاد رہے کہ میرٹھ کی تینوں رجمنٹ کے میگزینوں میں کوئی ایک چربی کارتوس بھی نہیں تھا۔ اور جہاں تک مجھے خبر ملی ہے نہ دہلی میں تھا۔ خیال رکھئے کہ ہندستانی سپاہی بذات خود حسب ذیل معاملات میں شاید سب سے زیادہ واقف تھے۔

چاندماری کرنے کے لئے میگزینوں میں کارتوس قدیم سے بنتے چلے آتے ہیں اور بنانے والے خود ان کے ابنائے جنس ہم مذہب اور ہم عقیدہ لوگ تھے۔

پس بالکل ناممکن تھا کہ میگزین کی کوئی بات ان سے پوشیدہ رہتی۔ اور رجمنٹوں کے خلاصی جو کارتوس بنایا کرتے تھے۔ اگر فی الواقع ایسا ہوتا۔ تو فوراً سب پر ظاہر کر دیتے۔ در اصل قابل اعتراض کارتوس (اس سے میرا مقصد وہ کارتوس ہیں جن سے ہندو یا مسلمانوں کے مذہب کو صدمہ پہونچے) خود ان کی رجمنٹوں کے میگزینوں میں بنائے جاتے تھے۔ اگر کوئی مشتبہ بات ہوتی۔ تو خود ہندوستانی کاریگر بنانے سے انکار کرتے۔ مگر سب سے بڑھ کر تو یہ بات ہے کہ مسلمانوں کی کوئی ذات نہیں ہے۔ مسلمان سؤر کے گوشت کو بھی چھو لیں تو ان کے مذہب کو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا ہے۔ چنانچہ وسط ہند کے مسلمان اس کی مثال موجود ہیں ہم میں کا کون ہے جو روزمرہ ان مسلمانوں کو ٹیبل سرونٹ (میز کا ملازم یا کھانا کھلانیوالے کی حیثیت سے کھانے اور طشتریاں لے جاتے نہ دیکھتا ہو جس میں صریحاً وہی چیز ہوتی ہے جس کا کارتوسوں میں حوالہ دیا جاتا ہے۔ بالفرض ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ کارتوسوں میں سؤر اور گائے کی چربی تھی۔ تاہم مسلمان سپاہیوں کو ان کے استعمال سے کونسی شرعی حجت مانع ہو سکتی تھی۔ ان کے عزیز و برادر جو افسروں کی

خانگی ملازمت کرتے ہیں۔ ان کھانوں کو جو ہماری میز پر آتے ہیں۔ لانے یا پکانے میں مطلق احتراز نہیں کرتے۔ اس حالت میں مسلمان سپاہیوں کا اعتراض عین لغو ہے۔ گر ان میں کا کوئی ذرا سی عقل و شعور والا شخص ذاتی اطمینان یا واقفیت حاصل کرنے کے لئے تجسس کرے تو صحیح و غلط معلوم کرے گا۔ کہ کیونکر ان کے مذہبی امور کا تحفظ کیا گیا۔ کچھ تھوڑے معزز نکتہ رس بے شک ان سے علیحدہ ہو گئے۔ اور اپنے بھائیوں کی عادت کو برا سمجھا۔ لیکن ایسے آدمیوں کو ایسی بات کے لئے جو بالکل شہرت ہو تشریح و ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اس نتیجہ پر پہونچ جاتے ہیں۔ جہاں غلطی کی گنجائش نہیں۔ میرٹھ یا دہلی میں ایسے کارتوسوں پر مسلمان یا ہندوؤں کو خوشی سے پاس رکھنے اور پھرتی سے استعمال کرنے میں اس وقت بالکل اعتراض نہیں ہے۔ جبکہ ان کا مدعا اپنے انگریز افسروں کو ہلاک کرنا ہو جیسا کہ پورے طور سے ثابت ہو چکا ہے یا جبکہ ملزم سے جو آپ کے کٹھرہ میں ہیں۔ ملکر مہینوں اس طاقت سے برسرپیکار رہنا جس کی فرمانبری و خیر خواہی ان کے شایان تھی۔ ان کارروائیوں کے درمیان میں بے شمار درخواستیں آپ لوگوں کی نظروں سے گذری ہیں۔ مگر عدالت کو حیرت ہے کہ کسی ایک میں بھی وہ بات نہیں بیان کی گئی جس سے سپاہیوں نے ہمیں اپنی ناراضگی کا یقین دلایا ہو۔ ایک سو سے زائد درخواستیں ہر ممکن مضمون پر لکھی ہوئی عدالت کے پیش نظر ہیں ایک پکانے کے برتن سے لے کر خچر کی بازیابی یا گھوڑے کے پیر میں زخم تک ہیں۔ اور ہر ایک دستخط شاہی کے لائق خیال کی گئی ہے۔ لیکن اس آزادانہ خط و کتابت میں جہاں انہوں نے اپنے خیالات کا عامیانہ اظہار اپنے مقرر کردہ بادشاہ کے سامنے صاف صاف کیا ہے۔ اور جہاں اپنے سابق آقا انگریزوں کے متعلق کوئی زبان کا پاس یا جذبات کا خیال ان کے اظہار خیالات کو باز نہ رکھ سکا۔ کتنا سبق

آموز ہے۔ جبکہ ہمیں ملعون دوزخی اور کفار'' کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔ وہاں ہم اس گناہ کا پتہ نہیں پاتے۔ اور کوئی چربی کا داغ اس غیر وفادارانہ برتاؤ پر لگا ہوا نہیں نظر آتا۔ بے شک ہم نے انہیں ان کے ذاتی قصور پر پہونچا دیا ہے جسے ان کی بغاوت و مفسدہ پردازی کا ہم اصلی سبب گردانتے ہیں۔ ایسے ارتکاب جرائم جن پر انسانیت کانپ اٹھتی ہے۔ باہم ملکہ برطانوی افسروں کی تحقیقات و تجسس سے انہوں نے اپنے آپ کو مبرا سمجھ لیا تھا۔ اور وفاداری و فرمانبرداری کی غیر مغلوب مزاحمت مجرب کارتوس قرار دیدیئے تھے۔ صریحاً غلط ہے۔ اس ناراضگی کی کوئی ایک آواز نہیں سنی گئی۔ اگر واقعی ہوتی۔ تو ضرور ہر ایک دماغ میں چکر کھانے لگتی۔ ضرور ان کی خونخواری پر اثر ڈالتی۔ اور عذر خواہی ہوتی ان کے جرائم کی جنہوں نے انہیں رحم سے دور پھینک دیا۔ اس کو ان کی تقریروں سے مقابلہ کیجیے۔ جو انگریزی کانوں کو سنائی جاتی ہیں! مجرب کارتوس جن کا استعمال سپاہی کی زندگی کو زنجیر مسلسل بنا دیتا ہے۔ انہیں ہمیشہ سامنے کر دیا گیا ہے۔ حقیقتاً اگر ہم اس معاملہ پر نظر غائر ڈالیں اگر ہم یاد دہانی کریں۔ تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ ان تینوں رجمنٹوں نے جنہوں نے پہلے بغاوت کی مردوں ہی کو نہیں بلکہ بے گناہ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کیا وہ کوئی ایک کارتوس نہیں تھا۔ اور ہر ایک سپاہی اس سے کما حقہ آگاہ تھا۔ جب ہم خیال دوڑائیں کہ مجرب کارتوس تھے۔ اور ان مفسدہ پردازوں کے ہاتھوں انہیں استعمال بھی کرایا گیا تھا۔ تو کسی مسلمان کو کسی حالت میں بھی آئین مذہبی کی رو سے کچھ ضرر نہیں پہونچ سکتا تھا۔ پھر ساتھ ہی اس کے خیال کیجیے کہ تمام اہل ہند، کیا ہندو کیا مسلمان، کیا انگریز، ہر ایک بخوبی جانتا ہے۔ کہ ہندوستانی سپاہی اگر موقوفی چاہے تو امن کے وقت بغیر تحقیقات یا کسی قسم کی دشواری کے اسے مل جاتی ہے۔ کافی وجوہ ہیں۔ جن سے تمیز ہو سکتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے بغاوت کسی

حقیقی ناراضگی کی بنا پر کی یا فرضی، خیال باطل، تعصب، شرارت، یا کوتاہ اندیشی کے خواب ہوں یا جو کچھ بھی ہو۔ تاہم جس سے انقلابیوں کو سابقہ پڑتا ہے وہ مجرب کارتوس ہیں۔ ان کے ترکش میں یہی ایک زہر آلود تیر ہے۔ کتنا سہل علاج تھا جس کے لئے نہ زیادہ علمیت کی ضرورت تھی۔ نہ کسی فلاسفر کو بتانا پڑتا تھا کہ وہ جس طرح ہو سکے موقوفی کی درخواست دیکر چلے جائیں۔

حضرات! اس اندوہناک مسئلہ میں آپ کس نتیجہ پر پہونچے۔ میں نہیں بتا سکتا۔ لیکن ہر طرح غور کرنے سے میرے خیال نے یہی پیش کیا ہے اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مجرب کارتوسوں سے بڑھ کر کوئی گہری اور طاقتور بات اس میں پنہاں ہے۔

وہ مشنری جس نے متحرک ہوکر ایک ہی وقت قتل و بغاوت کو ہندوستان کے ہر ایک گوشہ سے دوسرے تک مشتعل کر دیا۔ اگر دور اندیشی سے نہیں تو کامیاب ترین مکاری و غداری سے ضرور تیار کی گئی تھی۔ اس مسئلہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں یاد پڑتا ہے کہ جہاں جہاں ہندوستانی فوجیں اپنے انگریزا فسروں سے برگشتہ ہوئیں۔ وہاں کہیں بھی مجرب کارتوسوں کا بہانہ قرار واقعی نہ تھا بلکہ کثیر تعداد نے صریحاً یہ سمجھ کر کہ اب غدر کرنے کا خوشگوار موقع ہے۔ بغاوت کی چونکہ وہ سینکڑوں کی تعداد میں تھے اور حکام قلیل۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے ہولناک نتائج جیسے کہ یہ ہیں دفعتاً واقع ہوں۔ اور کیا دیسی فوج مسئلہ کارتوس کی نمود کے قبل خوش رہتی تھی؟ کیا کوئی تصور کر سکتا ہے۔ وہ گہری اور وسعت خیز عداوت، جس کے ہمیں سابق میں بھی کئی ثبوت مل چکے ہیں۔ فوری اور اچانک جذبات کے مشتعل ہو جانے کا نتیجہ تھی؟ کیا واقعات کی ذاتی صورت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ عناد صرف ایک اشتعالک سے ظہور پذیر ہوا؟ یا ہنڈل

کی فطری عادات سے یا خیال کرنے سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ بدون تحقیق کئے۔ اور بے سوچے سمجھے ان بے شمار فوائد کو جو گورنمنٹ سے پہونچ رہے ہوں۔ لاپرواہی سے ایک طرف پھینک کر، یوں انسانی خون میں ہاتھ رنگنے لگیں گے؟ یا اس سے سوا کیا یہ خیال کیا جا سکتا تھا۔ کہ میرٹھ کی تینوں رجمنٹیں دہلی کی رجمنٹوں سے مل کر ہندوستان سے گورنمنٹ برطانیہ کا تختہ الٹ دینے کی ایسی اہم، اور ہولناک تدبیر کریں گی۔

حضرات! اگر ہمارے پاس بغاوت کی کوئی شہادت نہیں ہے، سازش سابقہ کی کوئی سند نہیں ہے۔ نہ سہی۔ میں جانتا ہوں کہ ہر ایک تسلیم کرے گا کہ غدر کی حالت نے خود ہمیں بتا دیا ہے۔ کہ کچھ نہ کچھ ضرور تھا۔ خلقی اور خلقی دنیا میں ضرور کچھ نہ کچھ اسباب و وسائل ہوتے ہیں۔ لہذا کیا سال گذشتہ کی ہولناک خونریزی کو جو ابد الآباد تک یاد رہے گی۔ ہم کارتوس کی زہر آلودگی سے زیادہ تحقیق نہیں کر سکتے۔ مسئلہ کارتوس جس کی آڑ سے دس مئی میرٹھ یا دیگر مقامات میں غلط الزام لگایا جاتا رہا ہے۔ اب رفتہ رفتہ آسانی سے روشنی میں آ رہا ہے۔ کیونکہ بغاوت خود مضبوط و پختہ ثبوت جمع کر رہی ہے اور باغیوں کی پچھلی مدافعانہ کوشش نے جواب دیدیا، ان کا مطلب فوت ہوگیا۔ اور حقانیت اس کی جانشین ہوئی ہے۔

اگر ہم ان باغیوں کی حرکات و سکنات پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھ لیں گے۔ کہ بالکل ابتدا سے مکاری اور خفیہ سازش ان پر منقش ہے۔ بطور مثال جب ان کے ۸۵ ہمدموں کو ۹۔ مئی کی صبح کو ہتھکڑی ڈال کر ان کی موجودگی میں جیل خانہ بھیجا گیا۔ اس وقت کسی کے چہرے پر برہمی یا غصہ کے آثار نہیں پائے جاتے تھے۔

ان لوگوں سے جن کے دلوں میں بے شک بغاوت بہت پہلے سے بھری

ہوئی تھی۔ برہمی کی کوئی آواز یا کوئی فعل صادر نہیں ہوا۔ بلکہ ناظرین سے کسی نے ہمدردی کا بھی اظہار نہیں کیا۔ دراصل شکل و شباہت سے میرٹھ کی پیدل رجمنٹیں قابل اعتماد تھیں۔ اور نمبر ۳ کیولرائے بھی ایسے ہی وفادار نظر آتی تھی۔ یہاں کہ ان کی تدابیر پختہ ہوگئیں۔ اور علانیہ بغاوت کرنے کا وقت آپہونچا۔ نمبر ۳ کیولرائے کو بارہ گھنٹے کی قید کے بعد پاس کے میگزین پر جانے کا نادر موقع ملا تھا۔ لیکن اس وقت دہلی کی سپاہ کو بھی پیش قدمی کرنے کے لئے تیار کرنے کا موقع نہیں تھا۔ کیونکہ میرٹھ میں تو موقعہ سے پہلے معاملات نے ترقی کرلی تھی لہٰذا دہلی سے دوبارہ گفتگو کرنی اور گیارہ تاریخ یوم پیر کو ہونیوالے ڈراما کی اطلاع دینی ضروری تھی۔ کپتان ٹٹلر کی شہادت ظاہر کرتی ہے کہ ایسا ہوا تھا۔ کیونکہ سپاہیوں کی بھری گاڑی اتوار کی شام کو میرٹھ سے آنے اور سیدھی نمبر ۳۸ دیسی پیدل کی لائنوں میں جانے کی کوئی دوسری وجہ سمجھنا سخت دشوار ہے۔

پھر ہم اسی وقت جو غدر کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ میرٹھ میں بھی مکاری و غداری کا نظارہ دیکھ سکتے ہیں۔ میرٹھ کی چھاؤنی نے سازشیوں کو قابل قدر مدا دی۔ کیونکہ دیسیوں کی لائنیں چھاؤنی کے اس حصہ سے جہاں انگریزی فوجیں رہتی ہیں۔ اتنے فاصلہ پر ہیں کہ اگر وہاں ہنگامہ و غل بھی برپا ہو یا کھلم کھلا بغاوت ہو جائے تو بھی سنائی نہیں دے سکتی۔ یا ایک سے دوسرے کو نہیں معلوم ہوسکتی تاوقتیکہ خاص طور پر اطلاع نہ کی گئی ہو۔ شاید افسروں نے سرکاری رپورٹ کا خیال کرکے اپنے سپاہیوں کی مفسدہ پردازی کو دبا دیا ہو۔ انگریزوں کو کارتوس لینے اور دو میل کا فاصلہ طے کرکے وہاں تک پہونچنے میں کچھ دیر تو ضرور لگے گی۔ بہر حال ڈیڑھ گھنٹے کے عرصہ میں ایسا اہم کام کر گزرنا۔ واقعی حیرت ناک ہے۔ لیکن چونکہ ۵½ بجے سے ان کی کارروائی شروع ہوئی۔ لہٰذا بوجہ تاریکی ہوجانے کے انہیں

چنداں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ۔ یہ تھا جو بیشک کیا گیا اور ہوا۔ انگریزوں کے دیسی لائنوں میں پہونچنے پر تاریکی ہو گئی تھی۔ کوئی سپاہی موجود نہ تھا اور کوئی بات نہیں بتا سکتا تھا۔ کہ وہ کہاں چلے گئے ۔ پیہم تفتیش سے معلوم ہوا کہ غداری کی تجویز کے باغیوں نے دہلی کی سیدھی سڑک اختیار نہیں کی۔ دس دس پانچ پانچ ٹولیاں بناکر مختلف راستوں سے گئے اور ایک مقرر کردہ مقام پر باہم مل گئے ۔ میرٹھ سے فوجی ترتیب میں روانہ نہ ہونا بیشک ان کی دوراندیشی پر مبنی ہے ۔ مگر آگے بھی اسی ترکیب سے جانا بیشک ان کی کم فہمی تھی جہاں کوئی انگریز ان کا مانع نہیں تھا۔ پھر ہم انہیں پوری فوج بنکر پل پر سے گذرتے اور قواعد داں سواروں کا ایک دستہ بطور مقدمۃ الجیش روانہ کرتے پاتے ہیں ۔

اب ہم ملزم کو جو تمہارے کٹھرہ میں ہیں ان سے ساز باز کرتے پاتے ہیں وہ پہلا نصب العین جس کی طرف وہ پلٹے وہ پہلا شخص جس سے انہوں نے التجا کی یہی دہلی کے فرضی بادشاہ ہیں۔ یہ دیکھکر معمولی عقل والا بھی کہہ سکتا ہے کہ ان میں ضرور پچھلا ربط وضبط تھا۔ کیا ہوا اگر ملزم کی شرکت بعد میں ہوئی۔

غدر کی ہولناک واقعیت بہت دشواری سے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا موقعہ [...]تی۔ اگر ان کے خاص ملازمین ان کے قلعہ کے چہار دیواری کے اندر، اور تقریباً [ا]ن کی آنکھوں کے سامنے ہر ایک انگریز کے خون میں جسے پائیں ہاتھ رنگنے کو نہ دوڑتے [ج]ب ہم یاد کرتے ہیں کہ ان میں سے دو نوجوان و نازک بدن عورتیں بھی تھیں جنہوں نے مفسدین کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا تھا۔ اس میں ہم خوفناک و غیر فطری اثر [ک]ی خفیف سی جھلک دیکھ سکتے ہیں جو مسلمانوں کی سرشت میں جبلی واقع ہوا ہے وگرنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ تعلیم جو نسل شاہی کے لئے باعث فخر ہو جس پر خوشحالی و [ف]ارغ البالی کی مہذبانہ زندگی کا دارومدار رہو۔ اس بوڑھے و سفید ریش انسان کو

تمام اعمال سے، جو انسانیت سے خارج کردینے کیلئے کافی ظالمانہ ہیں۔ باز نہ رکھتی،

میں دریافت کرنے کے لئے ٹھہر جاتا ہوں۔ کہ کیا عدالت میں ثابت ہوگیا ہے

اور سالہا سال تک ہوتا رہے گا۔ کہ خاندان تیموریہ کے آخری بادشاہ اس بغاوت

میں شریک تھے ؟ اب حالات صاف صاف بیان کردیئے جاتے ہیں۔ قتل روز روشن

میں درجنوں تماشبینوں کے روبرو کئے گئے۔ اور چھپا کرنے کی بھی ذرا سی کوشش

نہیں کی گئی۔

اور بیان کیا جاچکا ہے کہ ملزم کے خاص مصاحبین کے ہاتھوں واقع

ہوئے ہیں۔ اور ان کے قلعہ کی چہار دیواری میں جہاں کمپنی کی حکومت کے بالمقابل

ان کی حکومت بالاتر تھی۔ ابھی میں خود نتیجہ نکالنے کی کوشش نہیں کرتا۔ کہ ضرور

یہ قتل ملزم کی اجازت سے ہوئے۔ کیونکہ استدلال خفیف، عدالت اس معاملہ

میں تسلیم نہیں کر سکتی۔ لہذا میں شہادت پیش کرنا بہ نسبت اس کے انسب

خیال کرتا ہوں۔ یہ حکیم احسن اللہ خاں ہیں۔ جو بتا رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں

کہ" وقت مذکورہ پر وہ اور غلام عباس مختار عدالت بادشاہ کے پاس موجود

تھے۔ جس وقت ان سے کہا گیا تھا۔ کہ سواروں نے مسٹر فریزر کو قتل کر ڈالا اور

کپتان ڈگلس کو قتل کرنے کے لئے اوپر چڑھ گئے ہیں۔ اور کہاروں کی فوری واپسی

سے اس کی تصدیق ہوگئی۔ جنہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مسٹر

فریزر کو قتل ہوتے دیکھا ہے۔ جن کی لاش دروازے کے پاس پڑی ہے۔ اور

کپتان ڈگلس کو قتل کرنے کے لئے باغی سوار اوپر چڑھ رہے ہیں۔ بادشاہ کے

غلاموں نے کیوں ہم سے معاملہ کو چھپانے کی کوشش کی۔ آسانی سے سمجھ میں

آسکتا ہے۔ حکیم صاحب نے اظہار کے آخری حصہ میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ

انہوں نے نہیں سنا کہ بادشاہ کا کوئی ملازم اس قتل میں شریک ہوا ہو پھر

کہاہے کہ عام طور پر معلوم نہیں تھا کہ انہیں کس نے قتل کیا! بادشاہ کے طبیب خاص کا یہ بیان ہے جو اس موقعہ پر وصل کیا جانا مصلحت سمجھا گیا تھا۔ عام طور پر معلوم نہیں تھا کہ کس نے قتل کیا! وقت کے گزرنے میں ہمیں ان افراد کو ڈھونڈھ نکالنے اور ان کے نام تحقیق کرنے میں ذرا دقت پیش نہیں آئی۔ کیا یہ عام طور پر معلوم نہیں تھا کہ خاص بادشاہ کے ملازمین قاتل تھے۔ پھر یہی معاملہ اسی شان اور خصوصیت سے اسی زمانہ میں شہر کے دیسی اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد میں ضروری نہیں سمجھتا کہ ان لوگوں کی شہادت کو جنہوں نے خاطر خواہ اور صاف طور سے ثابت کیا ہے کہ بادشاہ کے ملازمین قاتل تھے بار بار دہراؤں کیونکہ ان کی شہادت بالکل یکی ہے تاہم ان میں کا کوئی بیان ضرور پیش کرنا چاہئے لہٰذا ذیل میں ملاحظہ ہو۔

مسٹر فریزر اس وقت ہنگامہ فرو کرنے کی کوشش میں پیچھے رہ گئے۔ اور جب وہ اپنے کام میں مصروف تھے میں نے دیکھا کہ حاجی لوہار نے انہیں تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا۔ اور اسی وقت بادشاہ کے ملازموں نے ان پر تلواریں ماریں حتیٰ کہ وہ بالکل مر گئے۔ مسٹر فریزر کے قاتلوں میں ایک حبشی بھی تھا اس کے بعد انہوں نے بالا خانہ پر حملہ کیا۔ جب میں فوراً دوڑا۔ اور زینہ کا دروازہ بند کر لیا میں ہر طرف کے دروازے بند ہی کر رہا تھا۔ کہ انبوہ جنوبی زینے سے چڑھ گیا۔ اور مسٹر فریزر کے قاتلوں کو اندر داخل ہونے کے لئے دروازہ کھول دیا یہ لوگ فوراً ان کمروں میں گھس گئے۔ جہاں صاحب یعنی کپتان ڈگلس مسٹر جینزن مسٹر جننگس اور دو نوجوان لیڈیاں تھیں۔ انہوں نے حملہ کیا۔ اور سب کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر میں زینہ سے نیچے بھاگا۔ جونہی میں نیچے پہونچا۔ مجھے محمود بادشاہ کے قاصد نے پکڑ لیا اور پوچھنے لگا۔ کہ بتاؤ کپتان ڈگلس کہاں ہیں۔ تم لوگوں نے انہیں چھپا دیا ہے۔ وہ مجھے زبردستی اپنے ہمراہ اوپر لے گیا۔ میں نے کہا تم نے خود تمام

صاحبوں کو قتل کیا ہے۔ کپتان ڈگلس کو میں نے دیکھا کہ وہ نیم جان تھے۔ محمود
نے بھی دیکھا۔ اور ان کی کھوپڑی پر لکڑیاں مار مار کر ہلاک کر ڈالا۔ یہ ثابت کر کے
کہ ان لیڈیوں کے قاتل بادشاہ کے ملازمین تھے۔ ہم پھر حکیم احسن اللہ خاں کی
شہادت کی طرف واپس ہوتے ہیں۔ ملزم کو اطلاع ہونے کے بعد انہوں نے جو
جو چارہ جوئی کی وہ اپنے قلعہ کے دروازے بند کرانا تھی۔ ہم طبعاً دریافت کرتے ہیں
کہ کیا قاتلوں کو فرار ہونے سے روکنے کے لئے وہ بند کئے گئے تھے؟ شہادت صاف
ثابت کرتی ہے کہ ایسا نہیں تھا پھر حکیم صاحب کا اظہار لیا گیا۔ جہاں وہ اعتراف
کرنے پر مجبور ہیں کہ بادشاہ نے کوئی تفتیش نہیں کی۔ اور مجرموں کو سزا دینے۔ یا
مقتولوں کو بچانے میں کوئی کارروائی نہیں کی۔ پھر کیوں نہیں کی۔ اسے اس زمانہ کے
ہنگامہ و پر آشوب ہونے کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقتاً اگر بادشاہ کا اپنے
ملازموں پر کچھ بھی اختیار نہ رہا ہو۔ تو بھی مجرموں کو فی الفور زیر عدل لا کر از سر نو اختیار
قائم کرنا ممکن وسائل میں سے ایک تھا ہمیں بتایا گیا ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا اور ہم قیاس
سے سمجھ جاتے ہیں کہ ملزم کے ملازمین کے یہ افعال گو ان کے خود حکم کردہ نہ ہوں تاہم
حقیقت میں ان کی منشاء کے موافق تھے۔ پھر آگے چلکر دیکھتے ہیں کہ کوئی ملازم محض
اس وجہ سے کبھی برطرف نہیں کیا گیا۔ نہ کچھ ذرا سی تفتیش و تحقیقات کبھی کی گئی گواہ
سے سوال کیا گیا تھا جس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ نے قاتلوں کی تنخواہ و ملازمت
جاری رکھی۔ اور جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں۔ اس روز کے اخبارات نے بادشاہ کے
اظہار کے برخلاف خبر دی ہے۔ کیا اب بھی سوال کرنا باقی رہ گیا ہے۔ کہ آیا انہوں نے
(بادشاہ نے) ان افعال کو خود جان بوجھ کر کرایا۔ دیا گیا تھا۔ یا نہیں؟ مجھے بتانا
لازمی نہیں ہے کہ اس جرم پر کون سا قانون عائد کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ ایک
اعلیٰ تر قانون بھی ہے جو انہیں رہا کرا سکتا ہے یا خطاوار ٹھہرا سکتا ہے۔ وہ قانون ضمیری

اور ادا کی ہے۔ یہ قانون ہے جو میرا ہر ایک سامع لگا سکتا ہے۔ جو لیگل کوڈ یا ملٹری ریجیلیشن کے انفصال سے بدرجہا بڑھ کر خطرناک فیصلہ اپنے ہمراہ لئے ہوئے ہے یہ وہ قانون ہے جو لوکل کانسٹیٹیوشنوں، یا انسانی کونسلوں، یا مذاہب کا ساختہ پرداختہ نہیں۔ یہ وہ قانون ہے جسے دستِ خالق نے انسان کے قلب میں رکھ دیا ہے۔ اور کیا وہ قانون اس جگہ علیحدہ ڈالا جا سکتا ہے؟

شاید اب وقت ہے کہ ہم اپنے خیال کو میگزین کی طرف پلٹائیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اور باغیوں کی دیگر کارگزاریوں اور کارروائیوں کا پتہ لگائیں۔ کپتان فارسٹ نے ہم سے کہا ہے کہ صبح کے ۹ بجے تھے جبکہ میرٹھ کی ہندوستانی فوج سنگینیں ترچھی پکڑے ہوئے فوجی ترتیب میں پل عبور کر رہی تھی اور آگے آگے رسالہ تھا۔ پیچھے پیادہ اس کے پورے ایک گھنٹے بعد یا کچھ پہلے نمبر ۳۸ دیسی پیدل کا صوبہ دار، جو میگزین کے گارد پر محیط تھا۔ کپتان فارسٹ کے پاس آیا۔ اور خبر دی کہ بادشاہ دہلی نے میگزین پر قبضہ کرنے کی غرض سے ایک دستہ روانہ کیا ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ تمام انگریزوں کو قلعہ میں لایا جائے اور اگر انہوں نے منظور نہ کیا تو کوئی بھی میگزین کے باہر نہ نکلنے پائے۔ کپتان فارسٹ کہتے ہیں کہ انہوں نے کسی دستہ فوج کو تو نہیں دیکھا۔ البتہ جو شخص یہ پیام لایا تھا وہ کھڑا تھا۔ اور وہ ایک خوش پوش مسلمان تھا یہیں خاتمہ نہیں ہو گیا بلکہ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ کا ایک دیسی افسر زبردست گارد لیکر آیا جو بادشاہ کے ملازم سپاہیوں پر مشتمل تھا اور جو اپنی وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ مذکورہ بالا افسر صوبہ دار و نان کمیشنڈ افسران سے کہنے لگا کہ بادشاہ نے مجھے تمہاری مدد کے لئے روانہ کیا ہے تاکہ تمہارے فرائض منصبی پوری طرح سے ادا ہو جائیں۔ ہم پھر دیکھتے ہیں کہ کتنی پھرتی اور چالاکی سے گرفت میگزین کا یہ اہم ترین مسئلہ حل کیا جاتا ہے۔ اب کیا یقین کر لیا جائے۔ کہ یہ فوری طیاری اور

یہ عجلت آپ حکم شاہی تھا۔ یا ان کی تجویز جنہوں نے کورٹ قائم کیا تھا؟ ان لوگوں کی طرف اس قسم کی کوئی بات منسوب کرنا گویا انہیں صاحب فہم و ذکا مان لینا ہوگا۔ حالانکہ یہ محض مافوق الفطرت انسان ہی کا خاصہ ہوتا ہے۔ تمام وکمال ترقی و فحوائے تجویز چلا کر کہہ رہی ہے کہ یہ تجویز بیشتر کی طے شدہ اور کئی افراد کے عرصہ تک غور کرنے سے بنی ہے۔ یہ سمجھنا بہت دشوار ہے۔ کہ کوئی بھی جو قبل از وقت اس راز سے واقف نہ ہو۔ پھر وقت پر قرار واقعی اور مناسب کام اس کی تکمیل کے لئے اختیار کرے احکم کی ضرورت شدید اور عظمت مقاصد کو یاد رکھئے پھر ساتھ ہی آپ مستحکم وجوہات و بیشمار دلائل کو پیش نظر رکھئے جو کوتاہ اندیشوں کے ہاتھوں ایسی مہم کے عجلت سے سر ہونے کے خلاف صف بستہ ہونگی۔ درحقیقت بادشاہ کو خونخواہ وحشیوں نے اپنے زمرہ میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی کوئی تحریص یا خوش آئند منافع کا سبز باغ جو انہوں نے بادشاہ کو دکھایا ہو وہ اس خطرہ کے مقابلہ میں جس میں انہیں ضروری پڑنا تھا۔ بالکل بے وقعت تھا۔ اس نازک معاملہ میں پڑکر انہوں نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی زندگی کو معرض خطر میں ڈال لیا۔ اور کس لئے؟ تاج کی امید موہوم جس کا یقین کسی غیر معمولی وجہ یا خفیف ترین خیال نے پیدا کر دیا ہو۔ دراصل دھوکہ تھا۔ ایک عصائے شاہی کا تصور تھا۔ جو گرفت میں آکر نکل گیا۔ ان واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا ہم خیال نہ کرلیں کہ اس ناتوان اور کانپتے ہوئے بوڑھے انسان نے موقع پاکر اپنی آرزو پوری کرنی چاہی؟ اور فوج کو بہ عجلت تمام میگزین کی طرف روانہ کر دیا۔ تاکہ اپنا ارادہ پورا کر سکے یا اگر دانائی و سازش سابقہ بادشاہ یا ان کے لواحقین کی ریشہ دوانی نہیں تھی تو کیا ہم اس ضعیف الاعتقادی اور اختراع آمیز خوابوں پر محمول کریں جس میں حالات کا انکشاف ہوا اور جو اس سے بہتر کسی زاہدانہ تحریک

سے عوام کے دل نشین نہیں ہو سکتے تھے۔

عدالت ھذا کے روبرو ہم سب نے خواب کا واقعہ سنا ہے کہ ایک بگولہ مغرب کی طرف سے نمودار ہوا۔ جس کے ساتھ ہی سیلاب عظیم تمام زمین کو پامال کرتا ہوا آیا۔ لیکن اس کی لہروں پر قدیم خاندان شاہی بدستور قائم تھا۔

یہ خواب حسن عسکری نے بیان کیا تھا جس سے پیرزادہ کا مقصد یہ تھا کہ انگریز کفار کی تباہی و بربادی شاہ ایران کے ہاتھوں ہونیوالی تھی جو سلطنت ہند کے مورث اعلیٰ کو بخش دینے والا تھا۔ کیا یہ اس لئے مشہور کیا گیا تھا کہ ان ایشیائی سست تحریکوں میں سنسنی پیدا ہو جائے۔ میں جانتا ہوں کہ سوائے مشرقی زمین کے اور کہیں ایسے اوہام ان نظروں سے نہیں دیکھے جاتے۔ لیکن حیرت سے دیکھا جاتا ہے کہ فوجی بغاوت میں یہ خیال پیوست تھے۔ اور ہزارہا ہستیوں کو برائی پر آمادہ کرنیکا موجب رہے ہیں۔ میگزین پر فوری حملہ کرنا صرف سپاہیوں کی سازش نہیں کہا جا سکتا بلکہ بادشاہ کی فوج کا پہلے قبضہ کرنے کی کوشش کرنا۔ اور فوجی قواعد و اصول میں مطلق لغزش نہ ہونا عیاں کر دیتا ہے کہ ایسا حکم دینے والی اور ہی طاقت تھی۔ اسوقت وہاں کوئی بے چینی نہیں تھی۔ شور و غل نہیں تھا۔ لوٹ مار کی مطلق کوشش نہیں کی گئی۔ نان کمیشنڈ افسران متفرق دروازوں پر گارد لئے متعین تھے۔ جبکہ دوسرا گارد مزدوروں کے اہتمام میں تھا۔ جو میگزین کی اشیاء باہر نکال رہے تھے بے ترتیبی کا قواعد و احکام میں اتنے جلد مبدل ہو جانا کیا خود بخود ہو گیا؟

کیا بادشاہ اور ان کے سرکاری افسروں نے حالات حاضرہ کا پہلے ہی سے پروگرام نہ دیا تھا؟ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اے صاحبو کیا بادشاہی فوجیں بغیر کسی قسم کا حکم پائے ہوئے خود بخود ایسے اہم کار کے لئے تیار ہو گئیں۔ اگر میں بادشاہ کی ذاتی اجازت کا

پتہ لگانے میں کامیاب نہ ہوا ہوں تو مجھے یقین ہے اور شہزادہ جوان بخت کی یاوہ گوئی صاف ظاہر کرتی ہے کہ بروز پیر ۱۱ مئی کو گزرنے والے واقعات کا علم با اثر اہل قلعہ کو ضرور تھا۔ جواں بخت کو انگریزوں کے زوال پر اس قدر خوشی ہے کہ وہ اپنے جذبات کو چھپا نہیں سکتا۔ میرا مقصد صاف طور پر وہ باتیں بیان کرنا ہے جنہیں میں صحیح سمجھتا ہوں۔ یعنی سازش ابتداء ہی سے سپاہیوں تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ اس کی شاخیں قلعہ اور شہر میں بھی تھیں۔ کیا وہ قتل جن پر ہم غور کر رہے ہیں حقیقت کو مستحکم نہیں کرتے؟ ہمارے پاس مستند شہادت ہے کہ گیارہویں اور بیسیوں پیادہ رجمنٹ کے باغی، میگزین اڑائے جانے کے قبل اس پر حملہ آور ہوتے اور سیڑھیاں لگا کر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی وقت گورنمنٹ کے بدخواہوں کی جماعت میں سب سے پہلی صورت جو ہماری نظروں سے دوچار ہوتی ہیں وہ بادشاہ ہی ہیں، اس کے بعد انہیں مخفی رہنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور وہ چشمۂ بغاوت میں بیدھڑک اتر کر سیلاب کی مدد سے آگے بڑھے چلے جاتے ہیں اور حکومت ہند کا تصور کرتے ہیں۔ جبکہ دفعتاً مدوجزر ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے اور تودہ رنگ پر لا پٹکتا ہے۔ میں لفٹنٹ ولف بائی کی طرف رجوع کرنے کے لئے ایک سکنڈ ٹھہر جاتا ہوں اور ان جیسے بہادر شخص کے لئے جس نے میگزین کی اس لاتعداد فضولیات کے مقابل جس کے سپرد تمام میگزین تھا۔ اسے اتنے عرصہ تک قابو میں رکھا۔ ایک شخص سخت تشویش میں پڑ جاتا ہے کہ کسے بنظر استعجاب دیکھے ہکیا فراست اور دانشمندی کو جس نے ایک نظر میں اس کے اڑا دینے کی ضرورت محسوس کی اور مناسب انتظام کر دیا۔ یا جانبازانہ استقلال کو جس سے آخری قربانی چڑھائی گئی۔ اس مردانگی کو انصاف سے دیکھنا مورخین کا دلچسپ فرض ہوگا۔ میں اس پر چلتے چلتے صرف سرسری ایک نظر ڈال سکتا تھا کیونکہ دیگر معاملات پر بہت کچھ بحث کرنی ہے

جن کا موجودہ کارروائیوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔ دہلی کا میگزین اڑتے ہی بغاوت

کے سیلاب عظیم کے روکنے کی ہر ایک امید مٹ گئی اور انگریزی جماعت جو کچھ پہلے

برسر اختیار تھی۔ اب مخدوش حالت میں گھر گئی۔ اور جان بچانا ہر ایک کا فرض

ہو گیا۔ دہلی بالکل بدمعاشوں پر چھوڑ دی گئی۔ جنہوں نے ۲۴ گھنٹوں کے مختصر

وقت میں اپنے اوپر جرائم کے ایسے بھاری داغ لگائے۔ جن سے بہ مشکل زمانہ

سلف کی سیہ کاریوں کی فہرستیں مساوی ہو سکیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بادشاہ خود

اس عظیم ڈراما کے ایکٹر بن کر آرہے ہیں جس کے تماشبین انگلینڈ و یورپ سے کہیں

زیادہ تعداد میں ہیں۔ وہ ڈراما جس کے مناظر کو تہذیب و تمدن کی مخالف قوتوں

نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھا۔ شہادت بتا رہی ہے کہ ۱۱ مئی کی سہ پہر کو بادشاہ

دیوان خاص میں آکر کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں اور سپاہ وافسران، ہر ایک یکے

بعد دیگرے آگے آکر سر ول کو خم کرتا ہے اور ان کا ہاتھ اپنے سر پر رکھوانے کی

درخواست کرتا ہے۔ بادشاہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ پھر ہر ایک جو جی میں آیا کہتا ہوا

وہاں سے رخصت ہوتا ہے۔ گواہ غلام عباس ملزم کے مختار خبر دیتے ہیں کہ بادشاہ

کے سپاہیوں کے سروں پر ہاتھ رکھنے سے یہ مفہوم ہے کہ وہ ان کی خدمات فرمانبرداریاں

کو قبول کرتے ہیں۔ گواہ پھر آگے بیان کرتے ہیں کہ " اگرچہ انہیں بادشاہ کے عنانِ

حکومت لینے کی باقاعدہ منادی کا تو علم نہیں ہے لیکن شاید بغیر انہیں اطلاع

ہوئے ایسا ہو گیا ہو۔ البتہ بادشاہ کا اختیار غدر کے روز ہی سے قائم ہو چکا تھا۔

اور اسی شب کو اکیس توپوں سے سلامی دی گئی تھی۔

یہ واقعات ہیں جرم لگانے کے لئے کافی ہیں۔ اور شاید اب ان تواریخ

کا چنداں لحاظ نہ رکھا جائے گا۔ جن میں یہ فراہم ہوتے رہے ہیں۔ محمد بہادر شاہ

سابق بادشاہ دہلی پر پہلا جرم یہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ ہند کے پنشن خوار ہوتے

کے باوجود انہوں نے ۱۰ مئی سے یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم سپاہیوں کو، محمد بخت خاں صوبہ دار رجمنٹ توپ خانہ اور دیسی کمیشنڈ افسران کو حکومت کے برخلاف بلوہ و بغاوت کرنے کی ترغیب دی اور بھڑکایا۔ جو دہلی میں ہوئی تھی۔ میں شہادت کا دسواں حصہ بھی جو جرم قائم کرنے کے لئے ہے۔ عدالت کے روبرو پیش کر کے اسے دق کرنا نہیں چاہتا۔ مسٹر سانڈرس قائم مقام کمشنر اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے واضح کر دیا تھا۔ کہ کن وجوہات سے ملزم برٹش گورنمنٹ ہند کے پنشن خوار ہوئے یعنی ان کے دادا شاہ عالم مرہٹوں کی قید شدید میں تھے۔ اور جب ۱۸۰۳ء میں سلطنت انگلشیہ نے انہیں شکست دی تو شاہ عالم نے برٹش گورنمنٹ کی حفاظت میں آنے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہیں حفاظت میں لے لیا گیا۔ اور اس وقت سے فرضی بادشاہان دہلی۔ گورنمنٹ برطانیہ کی رعایا سمجھے جاتے تھے۔ پھر جہاں تک اس خاندان کا تعلق ہے معلوم رہے کہ کسی کو کسی قسم کی شکایت یا تکلیف نہیں تھی۔ اور ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ملزم کے جد امجد شاہ عالم نے صرف تخت ہی کو ضائع نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ ان کی دونوں آنکھیں بھی نکال لی گئی تھیں۔ اور وہ ہر قسم کے مظالم کا شکار بنائے گئے تھے۔ اور قید شدید میں رکھے گئے تھے جبکہ لارڈ لیک نے انہیں آزاد کرایا۔ اور ان کی ابتر حالت پر ترس کھا کر از راہ ہمدردی فراخدلی سے وظیفہ اور مرتبہ عطا کیا جو ان کے جانشینوں تک بدستور باقی رکھا گیا حتیٰ کہ اس مار آستین نے اپنے دانت انہیں پر مارے جن کا وہ احسان مند تھا۔ اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوئے تھے۔

سلہ ملزم اور محمد بخت خاں صوبہ دار کے درمیانی تعلقات کی شہادت بجائے خود جرم قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔ ملزم کی دستی تحریر ملاحظہ ہو۔

"بنام غلام خاص لارڈ گورنر محمد بخت خال صوبہ دار

مابدولت کی مہربانی ہوجیو۔ جانو تم کہ نیچ کی فوج علاپور پہنچ گئی ہے۔ اور اس کا سامان باربرداری یہیں رہ گیا ہے۔ تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ دو سو سوار اور پیادوں کے پانچ یا سات دستے لیکر تمام سامان مذکورہ گاڑیوں میں لدوا کر علاپور پہنچادو۔ آگے تمہیں ہدایت کی جاتی ہے۔ کہ کفار کو آگے بڑھنے نہ دینا۔ وہ عیدگاہ کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر فوج بدون فتح پائے اور ذخائر جنگ چھینے واپس پلٹ آئی تو بڑی رسوائی ہوگی۔ اور انجام الگ خطرناک ہوگا۔ تمہیں اطلاع دی جاتی ہے اور ان احکام کو تم ضروری جانو"

یہ صحیح ہے کہ اس خط میں کوئی تاریخ نہیں ہے لیکن مضمون میں شک کی گنجائش نہیں کہ اسی زمانہ میں لکھا گیا تھا جس کی بنا پر پہلا جرم قائم کیا گیا ہے۔

جوابدہی پر میرے اظہار رائے کرنے کا شاید یہ بہترین موقع ہے۔ ملزم نے بھی ان دیگر اشخاص کا وطیرہ اختیار کیا ہے جو ہمارے روبروپیش ہو چکے ہیں۔ اور خود کو عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ٹھہرایا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ غدر سے قبل کسی ایسے معاملہ کی خبر نہیں تھی۔ باغی سپاہ نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور پہرے قائم کردیئے۔ اور وہ جان کا خوف کرکے دم بخود رہ گئے۔ اور کمرہ میں چلے گئے۔ باغی سپاہ نے مردوں عورتوں اور بچوں کو مقید رکھا۔ انہوں نے منت و سماجت سے مگر ان کی جان بچائی اور تیسری مرتبہ بھی انہوں نے جان بچانیکی حتی المقدور کوشش کی۔ مگر مفسد سپاہ نے ان کی بات کا مطلق خیال نہ کیا۔ اور ان بیچاروں کو میرے حکم کے خلاف قتل کرڈالا۔ اب خاص اعتراض یہ ہے کہ یہ بات صرف مشاہدہ ہی سے ناپائدار نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ تحریری اور زبانی شہادات جو خاص ان کے ملازمین کی یا غیروں کی دی ہوئی ہیں۔ بالکل اس کے برعکس ثابت کرتی ہیں

جوابدہی سرتاپا صرف انکار معاصی کی زروزی ہے۔ اپنے فاعل مختار نہ ہونے کا اظہار اپنے گناہوں کو دوسروں کے سر تھوپنے کی کوشش وغیرہ سے وہ جوابدہی پر ہے ان کی جوابدہی کے مخالف اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویزوں اور تحریروں سے یا ان کی خاص مہر و دستخط سے انکار تو نہیں کر سکتے تھے اور سوائے اس کے چارہ ہی نہ تھا کہ وہ کہیں کہ ان سے جبراً لکھوائے گئے ہیں۔ اور وہ مہر بھی ثبت کرائی گئی ہے۔ صرف ایک بھنور جس سے وہ خود کو آزاد نہ کر سکے اور وہ بھی خاص اپنی ہی مرضی سے وہ مقبرہ ہمایوں کو جانا اور پھر چلے آنا ہے بیشک انہیں بیان کر دینا چاہیئے تھا کہ آخری بات اپنی خوشی سے کی ہے۔ کیونکہ اس کا امکان بہت دشوار ہے کہ وہاں بھی انہیں زبردستی لے جایا گیا ہو۔ اس وجہ سے کہ اگر سپاہی واقعی انہیں زبردستی لیجاتے تو ان کا اپنی مرضی سے واپس آنا بہت مشکل تھا۔ پس ہم ذیل کے دلچسپ الفاظ میں اس پر رائے زنی کرتے ہیں۔

جب باغی اور بلوائی سپاہ بھاگنے کے لئے تیار ہوئی تو میں موقع پاکر چپ چاپ قلعہ کے دروازہ سے نکلا اور جاکر ہمایوں کے مقبرہ میں ٹھہر گیا۔ کوئی خیال کرے کہ جب انہوں نے بلوائی سپاہ سے خود کو علیحدہ کرنا چاہا تھا۔ تو بہترین تدبیر یہ تھی کہ جس وقت وہ لوگ بھاگنے کے لئے تیار ہو رہے تھے یہ دہلی میں ہی ٹھہر گئے ہوتے نہ کہ چپ چاپ قلعہ کے دروازہ سے دوسری جگہ نکل کر جانا۔ بہرحال میرا مدعا یہ نہیں ہے کہ جواب کے فقرہ فقرہ کو لوں اور اس پر تنقیدی نگاہ ڈالوں۔

میں یقین کرتا ہوں کہ ان کے لئے بہترین جواب یہ بتانا ہوگا کہ جرائم کتنے مدلل اور باثبوت ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے میں پھر خود کو خطاب کرتا ہوں اور دوسرے جرم قرارداد کی طرف بڑھتا ہوں۔ جو پہلے سے بھی زیادہ مستند و صحیح ہے وہ یہ ہے کہ "۱۰ مئی اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان انہوں نے اپنے فرزند

مرزا مغل کو جو گورنمنٹ برطانیہ ہند کی رعایا تھا۔ ودیگر باشندگان شمال مغربی صوبجات کو جن کے نام معلوم نہیں ہیں۔ اور سپاہیوں کو جو سب کے سب گورنمنٹ کے رعایا تھے حکومت کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا اور اشتعال دلایا۔ اس الزام کے ثبوت میں اس قدر دستاویزیں اور شہادات ہیں کہ جن کا شمار کرنا بھی تھکا دے گا۔ اخبارات نے مرزا مغل کا تقرر بطور کمانڈر انچیف، ان کی خلعت پوشی و دیگر معاملات متعلقہ کا چرچہ کیا ہے۔

اس مسئلہ پر زبانی شہادات بھی قوی ہیں۔ اور برآمد شدہ خط و کتابت بھی ظاہر کرتی ہے کہ مرزا مغل اپنے باپ کے فرزند اور شاید علی کے بلوائیوں کے نمبر ۲ قافلہ کے سالار تھے۔ میں موضوع کی خاطر مولوی محمد ظہور علی پولیس افسر نجف گڑھ کی عرضی کا تھوڑا سا اقتباس دیتا ہوں۔

بحضور جہاں پناہ بادشاہ!

مودبانہ التماس ہے کہ مراسلہ شاہی کے احکام اس قصبہ نجف گڑھ کے جملہ ٹھاکروں، چودھریوں، پٹواریوں اور قانون گویوں کو سنا دیئے گئے ہیں اور بخوبی ذہن نشین کرا دیئے گئے ہیں۔ اور بہترین انتظامات قائم کر دیئے گئے ہیں۔ دیگر یہ کہ بموجب حکم آنحضور پیادہ و سواروں کی بھرتی جاری کر دی گئی ہے اور انہیں سمجھا دیا گیا ہے کہ اس ضلع کی آمدنی وصول ہونے پر انہیں الاؤنس دیا جائے گا۔ تاوقتیکہ کچھ غازی تازہ مرتب کر کے نہ بھیجد یئے جائیں۔ غلام کو اطمینان نہیں ہو سکتا۔ ننگلی، کرکولی، و جاؤ، کلاں وغیرہ مقامات کی نسبت عرض ہے کہ یہاں کے باشندے پُر آشوب وقت دیکھ کر مسافروں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ مرزا مغل ان کے فرزند و دیگر مختلف باشندگان دہلی و صوبجات مغربی و شمالی کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے ثبوت میں کافی ہے جس درخواست کا میں نے

ذکر کیا ہے۔ اس کی پشت پر بادشاہ کا دستی فرمان مرزا مغل کے نام ہے جس میں مرزا مغل کو فی الفور ایک پیادہ رجمنٹ مع افسران کے نجف گڑھ روانہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ تاکہ عرضی دہندہ کی تجاویز آسانی سے پوری ہو سکیں اور انگریزوں سے لڑنے کے لئے پیدل اور سوار جمع کرنے میں دشواری نہ پیش آئے لیکن ایک اور درخواست ہے جو بوجہ دیر سے دستیاب ہونے تحریری دستاویزوں کے سلسلہ میں پیش نہ کی جاسکی۔ لہٰذا اسے یہاں درج کرنا ضروری ہے یہ امیر علی خاں فرزند نواب خراج پورہ کی طرف سے ۱۲۔ جولائی کی تحریر ہے اور حسب ذیل ہے:۔

بحضور بادشاہ جہاں پناہ!

مودّبانہ عرض ہے کہ غلام حضور کے دربار شاہی میں حاضر ہوا ہے۔ جہاں دارانے دربانی کی ہو۔ فدوی نے حضور کی خاطر جان قربان کرنے کے جوش میں آکر اپنا وطن چھوڑا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ یہ دن دیکھنے کے لئے زندہ رہا جبکہ مردود انگریزوں نے قصر شاہی تک جس کے آسمانی ملائک پاسبان ہیں۔ اپنی توپیں لانے کی جرأت کی۔ غلام نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ فن سپہ گری میں شیر کی مانند لڑنا سیکھا ہے، نہ مثل روباہ کے جو اپنی جان کا خوف کرے۔

پلنگ اپنا شکار پہاڑوں کی چوٹیوں پر مارتے ہیں
مگرمچھ اپنا شکار دریا کے کنارے گھاٹ پہ نگل لیتے ہیں

فدوی عرض پرداز ہے کہ اگر اس کی التجا قبول کر لی گئی اور اس جنگ کی ضروری تدابیر و آئین میں اس پر بھروسہ کیا گیا تو حضور والا کے اقبال سے صرف تین روز میں ان گورے چمڑے اور سیہ بخت لوگوں کو ایک دم قتل کر دے گا۔ یہ واجب تھا۔ اس لئے عرض کیا۔ ترقی اقبال و سلطنت کی دعائیں۔ بدخواہان سلطنت کو درشت و سخت کلامی سے کوستا ہے!

"عرضی غلام امیر علی خاں والد نواب نجابت خاں رئیس خراجپورہ"

حکم شاہی پنسل کا بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔

مرزا ظہور الدین تحقیقات کی جائے اور سائل کو ملازمت دی جائے۔

تیسرا جرم یہ ہے "کہ باوجود برٹش گورنمنٹ ہند کی رعایا ہونے کے اپنی فرمانبرداری کا خیال نہ رکھکر جوان کا فرض تھا۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء یا اس کے کچھ بعد سلطنت کے خائن ہوئے اپنے آپ کو بادشاہ دہلی مشہور کیا۔ اور شہر دہلی پر خلاف قانون قبضہ کر لیا نیز مرزا مغل اپنے فرزند و محمد بخت خاں صوبہ دار توپخانہ و دیگر فتنہ پردازوں سے سازش کی۔ اور ۱۰ مئی تا یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء باغی سلطنت ہوئے۔ اور گورنمنٹ سے لڑنے کے لئے دہلی میں فوج جمع کی۔

پہلا جرم قائم کرتے ہوئے بتادیا گیا ہے کہ ملزم گورنمنٹ برطانیہ ہند کے پنشن خوار ہیں اور گورنمنٹ نے ان کی یا کسی ان کے اہل خاندان کی جاگیر و حکومت نہیں چھینی ہے بلکہ برخلاف اس کے انہیں ظلم و عسرت سے نکالکر لاکھوں روپیہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ میرے خیال میں ایسی حالت میں ان کا فرض تھا کہ اطاعت شعاری کرتا برعکس اسکے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی محسن گورنمنٹ کو الٹ دینے کی جدوجہد کر رہے ہیں غدر کے پہلے ہی روز سہ پہر کو دیوان خاص میں بیٹھکر وہ باغیوں کے مجرے لیتے ہیں اور عام اخوت و سپاہی کو جوڑتے ہیں۔ اس سین کو بیان ہو بہو دکھانا شاید مشکل ہے۔ ایک کمزور کانپتا ہوا ضعیف العمر انسان اپنے مرعوش ہاتھوں سے عصائے شاہی کو پکڑنا چاہتا ہے۔ جو اسکی ناتواں گرفت سے بالا تر ہے۔ وہ سن ونقاہت سے خمیدہ ہستی ایک شہنشاہ کی سلطنت پر گندے مظالم اور قتل کی رحمت و برکت کے ذریعہ قابض ہونا چاہتی ہے! ہر ایک دلسوزی کو جو قلب انسان پر ایک شان سے نازل ہوا کرتی ہے۔ مار کر اس بغض سے ملوث انسان نے ضرور خود کو ان وحشیوں کا نصب العین بنا لیا تھا۔ جو

چاروں طرف سے گھیرے کھڑے تھے!

یہاں کئی گواہ ہیں جو ملزم کی تخت نشینی کا اعلان مختلف ایام میں ہوتا ہوا بتاتے ہیں۔ اور گمان غالب ہے کہ حقیقتاً ایسا ہوا تھا۔ اتنے بڑے شہر دہلی کے گلی کوچوں میں صرف ایک یا دو مرتبہ کا اعلان بہت مشکل سے کافی سمجھا جا سکتا ہے۔ ملزم کے مختار تسلیم کرتے ہیں۔ کہ بادشاہ کی حکومت ۱۱ مئی کو قائم ہوئی تھی۔ اور گلاب خبر رساں سے پوچھا گیا "کیا بادشاہ غدر کے ہوتے ہی فرمانروا مشہور کر دیئے گئے تھے؟" تو جواب دیا کہ "جی ہاں غدر ہی کے روز تین بجے قریب سہ پہر کے منادی کرائی گئی تھی کہ آج سے بادشاہ کی حکومت قائم ہو گئی"۔ اور چنی لال بساطی دوسرا گواہ بیان کرتا ہے کہ ۱۱ مئی کو آدھی رات کے وقت قلعہ میں توپوں کے ۲۰ فیر ہوئے تھے میں نے اپنے مکان میں سے آواز سنی تھی اور دوسرے روز دوپہر کو منادی کرائی گئی تھی کہ ملک بادشاہ کے قبضہ میں آگیا" آخری فقرہ اس جرم پر مشتمل ہے کہ شہر دہلی پر ناجائز قبضہ لیا۔ لیکن اس جرم کے قائم کرنے میں کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ مجرم آگے چلکر بیان کرتا ہے کہ ملزم نے ۱۰ مئی اور یکم اکتوبر کے درمیان مرزا مغل اپنے فرزند اور محمد بخت خاں صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ سے سازش کی۔ اور دیگر نامعلوم لشکراموں کو اشتعال دلاکر سلطنت سے بھڑکایا۔ اور لڑنے کے لئے آمادہ کیا"۔ مرزا مغل کمانڈرانچیف مقرر کر دیئے گئے تھے۔ اور غدر کے چند روز بعد ایک خاص سرکاری جلوس انکے تقرر کو مشہور کرنے کے لئے نکالا گیا جس گواہ نے بیان کیا ہے کہ ایسا ہوا تھا وہ چنی لال بساطی ہے لیکن وہ صحیح تاریخ نہیں بتا سکتا کہ اس نے یہ کس روز دیکھا تھا۔ مرزا مغل کا تمام فوجی معاملات میں پورا اختیار رہا۔ جب تک کہ جنرل بخت خاں نہ آگیا جو گورنر جنرل و کمانڈر انچیف مقرر ہو گیا تھا۔ اس کی آمد کی تاریخ یکم جولائی ہے اس کے بعد ہر دو کمانڈر انچیفوں کی شکر رنجی اور اختیارات کے لئے آپس کی تفتیش

قابل ملاحظہ ہے۔ چنانچہ ۱۷ جولائی کو مرزا مغل اپنے والد کو تحریر کرتا ہے اور اطلاع دیتا ہے کہ اس روز اس نے فوج مرتب کی اور انگریزوں پر حملہ کرنے کی نیت سے شہر سے باہر نکلا تو جنرل بخت خاں درمیان میں حائل ہو گیا۔ اور عرصہ تک تمام فوج کو بیکار کھڑا رہنے دیا۔ اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ فوج کس کے حکم سے باہر آئی ہے اور پھر یہ کہکر کہ "بغیر اس کی اجازت کے کہیں نہ جانا" اسے واپس کر دیا "مرزا مغل آگے کہتا ہے "میرے حکم کے مسترد ہونے سے میرے افسروں کو بہت صدمہ ہوا لہٰذا آپ مفصل تحریر فرما دیجئے کہ فوج پر پورا اختیار کس کا ہے۔ اس خط پر کوئی حکم تو نہیں ہے جس سے پورا پتہ چل سکے لیکن نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مستحسن انتظام کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ہم دوسرے روز ۱۸ جولائی کو مرزا مغل اور جنرل بخت خان کو باہم مشورہ کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ چنانچہ خط ہذا جو مرزا مغل نے اپنے والد کو لکھا تھا۔ پوری وضاحت سے بیان کئے دیتا ہے۔ جو ۱۹ جولائی کا لکھا ہوا ہے۔

کل سے مکمل اور پختہ طور سے انتظام کر دیا گیا ہے جس سے غنیم کو رات اور دن برابر نقصان پہونچتا رہتا ہے اگر علی پور کی طرف سے امداد مل گئی تو خدا کے حکم اور حضور کے اقبال سے یقین ہے کہ پوری فتح حاصل ہو جائے گی۔ لہٰذا میں عرض کرتا ہوں کہ بریلی کے جنرل کو ہدایت کی جائے کہ وہ علی پور کی طرف سے آکر مدد دیں اور اس طرف سے کفار پر حملہ آور ہوں۔ اور فدوی اس طرف سے حملہ کرے گا۔ تاکہ دونوں فوجیں باالاتفاق تمام مردود کفار کو جہنم واصل کر دیں۔ مزید براں امید ہے کہ علی پور کی سمت جانے والی فوج دشمنوں کی رسد کو بھی منقطع کر دے گی۔ واجب جانکر عرض کیا گیا۔ اس خط پر حکم شاہی تحریر ہے "مرزا مغل جو مناسب ہو انتظام کیا جاوے۔ پھر مرزا مغل نے بھی تحریر کیا ہے۔ ایک حکم بریلی کے جنرل کے نام جاری کر دیا گیا تین ہستیوں کا باہم مل کر مشورت کرنا۔ اس سے عیاں ہے کہ تین دستاویزیں

اور ہیں جنہیں یہاں پیش کرنا ضروری ہے اور جو ہنوز عدالت میں پیش نہیں کی گئی ہیں ایک تو جنرل بخت خاں کا ۲۱ جولائی کا اعلان ہے جس کا اقتباس اخبار "دہلی اردو گزٹ" سے کیا گیا ہے۔

ان لوگوں کو جو شہر یا دیہات میں رہتے ہیں مثلاً مالگذار۔ زمیندار۔ وظیفہ خوار۔ یا جاگیردار وغیرہ معلوم ہو جائے کہ اگر آمدنی کی طمع سے وہ ہنوز انگریزوں کے طرفدار ہوں۔ یا ان سے ملکر اُنہیں خبریں پہونچایا کرتے ہوں۔ یا رسد دیتے ہوں اُنکا ایسا کرنا ناقابل معافی نہیں ہوسکتا پس اعلان کیا جاتا ہے کہ تمام وہ جو ایسے ہیں پورا یقین رکھیں کہ جب پوری فتح حاصل ہو جائیگی تو بعد تحقیقات انہیں گذشتہ اور تازہ خطابات اور معطل شدہ آمدنی کا کافی معاوضہ جو موجودہ بدامنی کی وجہ سے لاحق ہوا در خاطر خواہ انعام ملیگا لیکن اگر حکام کے پہنچنے کے بعد بھی کوئی شخص انگریزوں کا طرفدار رہیگا یا خبریں وغیرہ پہنچایا کریگا تو حکومت اسکو جیسا چاہے گی سزا دیگی چیف پولیس افسر شہر کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اسکی نسبت پر ان تمام جاگیرداروں و زمینداروں کے دستخط لیکر جو انکے علاقہ میں ہوں اعلحضرت کو واپس کردیں۔

دوسری دستاویز بادشاہ کا حکم چیف پولیس افسر کے نام ہے محررہ مورخہ ۶ ستمبر ۱۸۵۷ء وہ حسب ذیل ہے۔

تمہیں ہدایت کیجاتی ہے کہ شہر میں بذریعہ منادی اعلان کرادو کہ یہ مذہبی جنگ ہے اور صرف مذہب ہی کی خاطر کیجا رہی ہے پس تمام ہندو مسلمان باشندگان شہر کو اور دیہات کے تمام اہل موضع اور ان کو جو شہر سے باہر ہم سے مقابلہ کر رہے ہیں یا کہیں اور انگریزوں

کی ملازمت کر رہے ہوں۔ خواہ وہ مشرقی صوبجات کے ہوں یا سکھ ہوں، یا کوہ ہمالہ کے نیپالی، ہدایت کیجاتی ہے کہ یہاں انگریزوں کے ہمراہی ہندوستانیوں اور دیگر ممالک کے رہنے والوں کو علی الاعلان کہدو کہ خواہ وہ سکھ ہوں یا کوہستانی، ہندوستانی ہوں یا کسی اور ملک کے ہندو ہوں یا مسلمان، دشمن سے بے ہراس ہو کر ادہر آجائیں جب وہ یہاں آجائیں گے تو عمدہ خوراک ملا کریگی۔ اور انہیں اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی اجازت ہوگی۔ اور جو لوگ اس حملہ میں شریک ہوں گے خواہ وہ فوجی ملازم ہوں یا نہ ہوں مال غنیمت میں سے انہیں حصہ ملیگا۔ اور جو مال انگریزوں کا لوٹیں گے ان سے کوئی نہ چھین سکیگا اور اعلیحضرت سے جو انعام ملیگا وہ اس کے علاوہ ہے۔

یہ کاغذ جو میں نے پڑھا ہے۔ دفتر کی نقل ہے۔ اور حال ہی میں چیف پولیس اسٹیشن سے دستیاب ہوا ہے اس پر افسر مذکورہ کی اور شاہی اسسٹنٹ چیف پولیس آفسر کی مہر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعینہ اصلی فرمان کی نقل ہے۔ ایک عدالت کے سامنے اس سے بڑھ کر مستند شہادت پیش کر سکتا دشوار ہے اب مجھے خیال ہوتا ہے کہ تیسرے جرم کو پورے طور سے ثابت کر دیا جائے اور بے شمار بے ضروری دستاویزوں کا بیان ختم کر دیا جائے۔ نیز یہ فرمان تیسرے جرم کے آخری حصہ پر عائد ہوتا ہے۔

میں اب اپنا خیال اس جرم قرار داد کی طرف رجوع کرتا ہوں جو ملزم پر یہ الزام عائد کرتا ہے کہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء یا اس کے ماقبل وما بعد شہر اور قلعہ دہلی میں ۴۹ نفر انگریز اور مخلوط انگریز جن میں خصوصاً عورتیں اور بچے بکثرت تھے۔ قتل کرایا۔ اور یا قتل میں حصہ لیا۔ جہاں تک ان مظلوم مقتولوں کا تعلق ہے میں کچھ

یان نہیں کرتا۔ واقعات خود عدالت پر واضح کردیئے گئے ہیں۔ اور وہ ایسے نہیں ہیں
و آسانی سے محو کردیئے جائیں۔ اتنی سنگدلی و بیدردی۔ جو عورتوں و بچوں کو
دیح خانہ میں لے جائے اور وہ بھی محض غلط فہمی پر یا مذہبی جوش جنوں میں ایسی بعید
ز انسانیت بات ہے کہ قلب سلیم اس کے قبول کر لینے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا
پا ہے اس سانحہ پر الم کی حقانیت پر متفق رائیں، قوی دلائل براہ راست شہادات
ی ہمارے خیالات پر کیوں نہ زور ڈالیں۔ تاہم یہ حقائق اتنی آسانی سے تسلیم نہیں
کئے جاسکتے جیسے متذکرہ بالا واقعات جن کے ثابت کرنے کے لئے میں اس جگہ آیا ہوں
رہ بدنصیبانہ بلکہ بے دردناک حالات اور زیادہ تشریح کے محتاج نہیں ہیں
ب یہ بتانا رہ گیا ہے کہ ملزم کو اس مفسدانہ خونریزی سے کتنا گہرا تعلق ہے اور
بیا فرد قرار داد جرم میں بتایا گیا ہے۔ کیا در اصل انہوں نے ان ۴۹ نفر کے
تل کرنے یا کرانے میں حصہ لیا ہے، میں اس موقع پر اس قانون سے فائدہ
ٹھانا نہیں چاہتا جو سازش میں شریک شدہ تمام افراد کو ہر ایک فعل شنیع کا
مہ دار ٹھہراتا ہے۔ جو ان کے ہم جماعت سازشیوں سے سرزد ہوئے ہوں گو یہ
فعال ان افراد کی خوشی سے نہ ہوئے ہوں یا انہیں اس کی مطلق اطلاع نہ ہو۔
پاہتا ہوں کہ ان عورتوں اور بچوں کی اموات سے ملزم کی وابستگی کی ہر ایک
حقیقت کو جدا جدا بیان کردوں۔ میں ان کی گرفتاری کی شہادت، ان کے محبوس
رنے کا مقام، خوفناک مظالم جس کا وہ شکار بنے اور ظلم سے بدتر سلوک جو ان کے
ساتھ کیا گیا۔ بیان کرتا ہوں۔

ابتدائے عید سے انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے حق میں کونسا فتوے
صادر ہوتا ہے۔ پہلا شخص جس کی شہادت پیش کی جاسکے حکیم احسن اللہ خاں ہیں
جب دریافت کیا گیا "کیا وجہ تھی جو اتنی انگریز عورتیں اور بچے قلعہ میں لا کر قید

سکے گئے۔ تو جواب دیا" باغیوں نے انہیں شہر اور شہر کے گرد و نواح سے گرفتار کیا تھا۔ اور انہوں نے اپنے رہنے کی جگہ قلعہ میں قائم کی تھی۔ ان کو بھی اپنے ہمراہ لے آئے" آگے اظہار لینے سے وہ بیان کرتے ہیں کہ باغیوں نے ہر ایک قیدی کو اپنے زیر حراست نہیں رکھا تھا۔ بلکہ اندر لاکر ملزم کو اطلاع کی گئی۔ اور انگریزوں کو باورچیخانے میں لے جاکر مقید رکھنے کا حکم ہوا۔ نیز یہ خیال کیا گیا تھا کہ وہ عمارت کشادہ اور وسیع ہے۔ دوبارہ سوال کرنے سے وہ جواب دیتے ہیں کہ بادشاہ نے خود باورچیخانے کو ان کے مقید کرنے کے لئے مقرر کیا تھا محض اس خیال سے کہ وہ عمارت کشادہ اور وسیع ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ ملزم نے محض آدمی، عورتوں اور بچوں کے جھنڈ کو مثل گلہ محبوس کرنے ہی کے لئے وہ جگہ تجویز نہیں کی تھی۔ بلکہ یہ بھی دیکھا تھا کہ ان کے خاص قلعہ میں ہے۔ اور ان کی مرضی کے موافق ہے اور صاف ظاہر ہے کہ انہیں اس جگہ کا بھی ذاتی علم تھا۔ کہ وہ کیسی ہے وہ اسے ایک وسیع و کشادہ عمارت کہتے ہیں۔ مگر یہ اصطلاح اس پر عائد نہیں ہو سکتی ہے اور جب برعکس مقاصد کے لئے مستعمل کی جائے۔ تو مفہوم بھی عیاں اور ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جب حکیم احسن اللہ خان نے یہ شہادت دی تو میں اپنے شک کو رفع کرنے کی غرض سے خود اس مکان میں گیا۔ اور پیمائش کی۔ مکان چالیس فٹ طویل اور ۱۲ فٹ عریض اور ۱۰ فٹ بلند ہے۔ پرانا اور نیلا پڑا ہوا ہے۔ استرکاری نام کو بھی نہیں ہے اور سب سے بدتر یہ کہ وہ تاریک ہے، فرش نہیں۔ دریچے نہیں اور ہوا اور روشنی کا گزر ناممکن ہے اس میں صرف ایک روزن ہے۔ جو ایک چھوٹا اور بوسیدہ دروازہ ہے۔ لیکن اب میں مسز آلڈویل کی زبان سے اس بیان کو ادا کرتا ہوں۔

"ہم سب ایک کمرہ میں مقید تھے۔ جس میں صرف ایک دروازہ تھا اور کوئی اور کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ وہ کسی انسان کے رہنے کے لائق نہیں تھا۔

اور خصوصاً ہمارے اتنے ہجوم کے لئے تو بالکل ہی نہیں۔ ہم سب ہوا لینے کے لئے کھڑکی کے پاس مجتمع ہو گئے تھے۔ اور ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ اور اس کھڑکی کو بھی سپاہیوں کی وجہ سے بند رکھنا پڑتا تھا۔ جو بھری بندوقیں لے کر آتے اور بچوں کو ڈراتے دھمکاتے تھے۔ وہ ہمارے پاس آکر کہتے کہ اگر بادشاہ تمہاری جان بخشی کر دیں تو کیا تم مسلمان ہونے کو اور ہماری لونڈیاں بننے کو تیار ہو؟ لیکن بادشاہ کے مسلح مصاحبین جو اس گارد میں تھے انہیں اس سے باز رکھتے اور کہتے کہ یہ سب بوٹی بوٹی کر دیئے جائیں گے۔ اور چیلوں کوؤں کو کھلا دیئے جائیں گے ہمیں بالکل خراب کھانا ملتا تھا۔ صرف دو مرتبہ بادشاہ نے اچھا کھانا بھیجا تھا۔ یہ بدلہ ہے اس خاندان کا جسے انگریزوں نے لاکھوں روپیہ بخشا! ایک گواہ نے صاف طور پر بیان کیا ہے۔ ان کی محلسرا میں بہت وسیع جگہ ہے۔ جہاں یہ عورتیں اور بچے رہ سکتے تھے۔ جس کے بعد کہتا ہے۔ اس میں ایسے تہہ خانے ہیں۔ جہاں ۵۰۰ آدمی بھی چھپائے جائیں تو پتہ نہ لگے۔ اور بلوائی بھی حرم سرا کے لحاظ سے وہاں نہ جا سکتے تھے۔ اور دوسرے گواہ کا قول ہے کہ قلعہ میں خالی مکانات کی کمی نہیں تھی۔ جہاں عورتوں اور بچوں کو آرام مل سکتا تھا۔ مگر انگریزی سخاوت سے مستفیض ہونیوالے نے ان کے لئے ایک تنگ و تاریک غار منتخب کیا۔ جہاں ان کے ساتھ مجرموں سے بھی بدتر سلوک کیا گیا۔ چنانچہ وہ سب محدود جگہ ہی میں رہتے تھے۔ اور ہر شخص جو جی میں آتا انہیں کہتا تھا۔ قصر شاہانہ اور وظیفہ سلطانی کا انگریزوں کو یہ بدلا ملا! احسن اللہ خاں اور مسز آلڈ ویل کے اظہار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونو ان معاملات کو بادشاہ کی ذات پر منسوب کرتے ہیں۔ اور متفق علیہ ہیں وہ معاملات جن پر صرف توجہ ہی مبذول نہیں رہتی تھی۔ بلکہ تحریری احکام بھی وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہتے تھے۔ جیسا کہ عدالت پر خود روشن ہو گیا ہے۔ تمام اہم معاملات

کے ذمہ دار وہی تھے۔ کیا اس میں اب بھی کچھ شک ہے؟ بے شک تمام گواہان کی مستند شہادت اور ان کا تحریری جواب خود ہی ثابت کرتا ہے۔ کہ ایسا تھا ہم بادشاہ کو قید خانہ تجویز کرنے کا ذمہ داریوں ٹھہرالتے ہیں۔ کہ قیدیوں پر ان کے مسلح مصاحبین مامور تھے وہ بادشاہ ہی تھے جو انہیں خراب کھانا بھجواتے تھے۔ اور دو مرتبہ اچھا کھانا دیا تھا۔ اور سپاہی پوچھتے تھے کہ اگر بادشاہ جان بخشی کردیں تو وہ مسلمان ہونا اور لونڈیاں بننا قبول کریں گے۔ یہ بھی ثبوت ہے۔ اتنا پڑھنے کے بعد ان کے ایسا کرنے پر کون شبہ کرسکتا ہے۔ کیا کوئی ایسا بھی واقعہ گذرا ہے۔ جو یہ بتائے۔ کہ ملزم نے کبھی ان کوئی عنایت عامہ یا مہربانی کی ہو؟ ان سے مہربانی بہت دور تھی جب تک ان لوگوں نے جو قیدیوں پر بعید از انسانیت ظلم کرتے تھے۔ تحقیق نہ کرلیا ایک مسلمان عورت کو بھی قیدیوں کے ساتھ بند رکھا۔ محض اس وجہ سے کہ وہ عیسائیوں کو کھانا پانی دیتی تھی۔ کیا سختی عناد کا اس سے بڑھ کر بھی کوئی درجہ ہے بیشک تلوار کی دھار ان لوگوں کو ایسے بُرے قید خانہ میں تڑپ تڑپ کر جان دینے سے زیادہ پیاری ہوگی۔ اور آزادی بخشنے والی محـ تی ہوگی۔

کیا میں یہاں توقف نہ کروں اور استقلال سے فیصلہ عدالت کا منتظر رہوں۔ مگر ثبوت موجوں کی روانی کے ساتھ کامل ہوتا جاتا ہے اور میرا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ اس کے کسی شعبہ کو بغیر جانچے نہ چھوڑوں۔

گلاب چپراسی رپا نامی نے بیان کیا ہے کہ قتل کے دو روز قبل یہ مشہور ہوگیا تھا کہ انگریز دو ایک دن میں قتل کردیئے جائیں گے۔ اور قتل کے مقرر روز انبوہ کثیر قلعہ میں جمع ہورہا تھا۔ ہر ایک گواہ نے جس نے اس کی نسبت کہا ہے۔ اس سین کے ایکٹروں اور تماشبینوں کے صبح کے وقت قلعہ میں جمع ہونے کی بابت کچھ نہ کچھ ضرور بتایا ہے۔ اور چونکہ یہ آٹھ اور نو بجے صبح کے

بیان واقع ہوا تھا۔ تو کوئی شک نہیں کہ اس کی اطلاع تماشبینوں کو بہت
ے سے کردی گئی تھی بمطلق ظاہر نہیں ہوتا کہ اس دردناک نظارہ پر فوج یا رعایا
اظہار ناراضگی کیا ہو۔ علاوہ ازیں گواہ کہتا ہے کہ بغیر احکام یہ ہو نہیں سکتا تھا اور
کام دینے والے صرف دو شخص تھے۔ بادشاہ یا مرزا مغل! پھر وہ کہتا ہے کہ میں
ں جانتا ان میں سے کس نے حکم دیا۔ آگے وہ بیان کرتا ہے کہ قتل گاہ میں مشاہدہ کرنا
جہاں انگریز بادشاہ کے مسلح مصاحبین جنہیں باڈی گارڈ کہتے ہیں اور باغی سپاہ
گھرے ہوئے تھے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ گو میں نے کسی کو حکم دیتے نہیں دیکھا نہ سنا لیکن
ے بیک مذکورہ بالا آدمی تلواریں کھینچ کر دوڑے اور قیدیوں پر اتنی دیر تک پے
پے وار کرتے رہے کہ وہ سب بالکل قتل ہو گئے۔

دوسرے گواہ چنی لال اخبار نویس سے جب پوچھا گیا کہ انگریزوں کو
س کے حکم سے قتل کیا گیا تھا، تو صاف صاف جواب دیتا ہے "بادشاہ کے حکم
ے ہوا تھا اور کون ایسا حکم دے سکتا ہے؟" وہ اور دیگر گواہ اس پر متفق ہیں کہ مرزا
مغل بادشاہ کے فرزند اپنے مکان کی چھت سے صحن کا نظارہ کر رہے تھے۔ مرزا مغل
اس وقت میں ہونا گویا بادشاہ کا ہونا تھا۔ پس کیا یہ قابل اعتبار ہے کہ بادشاہ کے
مسلح مصاحبین یعنی ان کے خاص باڈی گارڈ نے ایسے خوار مظالم کو ان کی مرضی کے
خلاف کیا ہو گا۔ اس معاملہ پر اگر کچھ شک بھی ہو تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ
ملزم کی تحریروں کو جنہیں خود انہوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ دیکھ کر رفع ہو جائیگا
ن میں انگریزوں کے خون کی پیاس بجا طور پر جھلک رہی ہے۔ مرزا مغل کی
موجودگی کے علاوہ دیگر ثبوت بھی ہیں کہ مظلوم عورتیں اور بچے خاص بادشاہ کے
حکم سے قتل کئے گئے۔ میں بادشاہ کے اسپیشل سکریٹری مکند لال کی شہادت
پیش کرتا ہوں۔

سوال۔ کس کے حکم سے یہ لیڈیاں اور بچے جو قلعہ میں مقید تھے قتل کئے گئے؟
جواب دیتا ہے "یہ لوگ تین روز تک جمع ہوتے رہے چوتھے روز پیدل و سوار سپاہی مرزا مغل کے ہمراہ بادشاہ کے کمرۂ خاص کے دروازہ پر آئے اور ان کے قتل کرنے کی اجازت کے بادشاہ سے طلب گار ہوئے۔ بادشاہ اس وقت اپنے کمرۂ خاص میں تھے۔ مرزا مغل اور بسنت علی خاں اندر چلے گئے۔ جبکہ سپاہ باہر کھڑی رہی۔ ۲۰ منٹ کے بعد وہ باہر آئے اور بسنت علی خان نے بآواز بلند کہا کہ بادشاہ نے قیدیوں کے قتل کرنے کی اجازت دیدی ہے پس بادشاہ کے مسلح مصاحبین نے جن کے زیر حراست یہ قیدی تھے انہیں باہر نکلا اور چند باغی سپاہیوں کے ساتھ انہیں قتل کر ڈالا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا مغل اسی وقت اس مکروہ ترین خونی کام کے لئے مسلح ہو کر آئے تھے۔ مذکورہ بالا کے سوا کچھ اور کہنا شاید بلا ضرورت ہو لیکن ملزم کی ڈائری کا اقتباس ایسا قابل وثوق ہے کہ میں اس کے پیش کرنے پر مجبور ہوں حکیم احسن اللہ خاں کی شہادت اس کے بارے میں یہ ہے۔
سوال۔ اس کاغذ کے ورق کو دیکھو اور پہچانو کہ یہ کس کا خط ہے؟
جواب جی ہاں یہ اس شخص کا خط ہے جو ڈائری لکھا کرتا تھا اور یہ اس کا ایک ورق ہے۔
کورٹ ڈائری مورخہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء کے ایک اقتباس کا ترجمہ
"بادشاہ نے دیوان خاص میں دربار منعقد فرمایا۔ ۴۹ انگریز قید تھے اور فوج نے مطالبہ کیا کہ وہ اسے دیدیئے جائیں۔ بادشاہ نے یہ کہکر حوالہ کر دیئے کہ "فوج جو چاہے کر سکتی ہے"۔ اور انہیں تہ تیغ کر دیا گیا۔ حاضرین کثیر تعداد میں تھے اور رؤساء و امراء افسران و اخبار نویسوں نے حاضر دربار ہو کر مجرے عرض کئے"۔
یہاں اب ہمارے پاس زبانی شہادت کے علاوہ تحریری شہادت بھی ہے اور کیا ملزم کے تحریری اقبال جرم سے بھی بڑھکر کوئی ثبوت ہو سکتا ہے۔

میرا مطلب اس جوابدہی سے نہیں ہے۔ جو محض عدالت کی خاطر بنائی گئی ہے جو سراسر جھوٹ ہے۔ اور جس میں ان حقائق صحیحہ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو ان کے برخلاف ہیں۔ بلکہ میں ان کے طول طویل خط کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ جو اپنے فرزند مرزا مغل کو لکھا تھا۔ اور جس میں اپنے مسیحی قیدیوں کو قتل کرنے کا اجر عظیم دکھلایا گیا ہے۔ اس کے بعد اس مضمون پر زیادہ بحث کرنی فضول ہے۔ اب چوتھے جرم قرارداد کا پچھلا حصہ غیر مشرح رہ گیا ہے۔ اس کے قائم کرنے کے لئے ہمارے پاس ان مراسلات کی نقول موجود ہیں۔ جو راؤ بھارا والی کچھ بھوج رنجیت سنگھ رئیس جیسلمیر اور راجہ گلاب سنگھ والی جموں کے نام جاری کئے گئے تھے۔ اور ان کا مندرجہ ذیل اقتباس کافی ہوگا۔

بنام راؤ بھارا والی کچھ۔ خبر ملی ہے کہ تم خیر خواہ ما بدولت نے کفار کو بالکل تہ تیغ کر دیا ہے اور اپنی زمین کو ان کی نجس موجودگی سے پاک وصاف کر لیا ہے ہم تمہاری اس کارروائی سے بہت خوش ہوئے اور اس لقب سے تمہیں اعزاز بخشتے ہیں تم اپنے ملک میں ایسا انتظام کرو کہ مخلوق خدا کو کسی طرح کی تکلیف واذیت نہ پہونچے علاوہ یہ کہ جو کفار تمہاری سرحد میں براہ سمندر پہونچیں قتل کر دیئے جائیں ایسا کرنے سے تم بالکل ہماری رضا وخوشی کے باعث ہوگے

بنام رنجیت سنگھ والی جیسلمیر

ہمیں پورا یقین ہے کہ ملعون کفار انگریزوں کا تمہاری سرحد میں نام ونشان بھی باقی نہ رہا ہوگا۔ اور اگر اتفاقاً کچھ فرار ہوگئے ہوں یا روپوش ہوگئے ہوں تو پہلے انہیں قتل کر ڈالو پھر اپنے ملک کا پورا بندوبست کر کے مع افسران فوج حاضر دربار ہو۔ الطاف وعنایات تم پر مبذول کیجائیں گی

اور تم عزت و سرفرازی میں اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے کہیں زیادہ بڑھ جاؤ گے۔

بنام راجہ گلاب سنگھ۔

تمام ملاعین انگریزوں کے قتل کی مفصل کیفیت جو تمہارے علاقہ میں تھے مجھے تمہارے خط سے معلوم ہوئی۔ تم قابل صد آفریں ہو تم نے اس معاملہ میں وہ کام کیا ہے جو ہر ایک بہادر کو کرنا چاہئے۔ زندہ رہو اور خوش حال۔ پھر لکھا ہے کہ دربار شاہی میں آؤ اور راہ میں جہاں انگریزوں کو پاؤ قتل کر ڈالو۔ تمہاری تمام خواہشات اور آرزوئیں پوری کی جائیں گی۔ اور راجہ کے خطاب سے سرفراز کئے جاؤ گے۔

نمبر ۴ بیقاعدہ رجمنٹ کے دفعدار کی ایک درخواست ہے جس میں وہ ڈینگ رتا ہے کہ تمام مظفر نگر کے انگریز افسروں کو قتل کر ڈالا ہے جس کے صلہ میں ملازمت ا فرمان خود ملزم کا تحریر کردہ ہے۔

قرار داد جرم پر میں اپنی رائے یہاں ختم کرتا ہوں۔ اور حضرات آپ کے یصلہ پر چھوڑتا ہوں کہ آیا ملزم جو آپ کے کٹہرہ میں ہے گوشہ نشینی اور رنج عزلت میں ں جاکر بھی اپنی معزول شدہ عظمت کے دعوے دار ہونگے۔ یا تواریخ کے مجرمان اعظم ں سے ایک سمجھے جائیں گے؟ آپ کو بتانا ہوگا۔ کہ کیا شاہی خاندان تیموریہ ا یہ آخری بادشاہ جو اپنی ضعیف العمری اور تقاضائے سن سے خمیدہ ہو گیا ہے ہیں بلکہ خاندانی تکالیف نے اس کی یہ حالت بنائی ہے۔ آج اپنے آبائی محل سے بدا کر دیا جائے گا؟ یا یہ نفیس کمرہ دیوان خاص یہ اعلیٰ حضرت الضافت کی درگاہ ج کے روز ایک ایسے فیصلہ کی سزاوار ہوگی جو قرون آخری میں یادگار رہے ا۔ کہ بادشاہ معصیت کرنے سے کیسے مجرم کی طرح آبرو ریختہ کر دیئے جاتے ہیں۔

اور کس طرح ایک شاہی خاندان کے نقشہائے مدید ایک دن میں ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیئے جاتے ہیں۔

ملزم کی ذات پر جو جرائم قائم کئے گئے ہیں اور ثابت کئے گئے ہیں ان کا بیان اب ختم ہو گیا۔ میں باوثوق کہتا ہوں۔ کہ اگر بلوہ گذشتہ اور سازش سابقہ کے وجود میں آنے کے اسباب بیان کروں تو بیجا نہ ہوگا۔ اڈریس ہذا کے پچھلے حصہ میں کہہ آیا ہوں۔ کہ اگر مسئلہ کارتوس کے قبل دیسی رجمنٹیں آمادہ پیکار ہوتیں تو ایسی ہولناک و عالمگیر بغاوت نہ پھیلنے پاتی۔ ضرور وہاں کوئی دوسری زبردست و مخفی طاقت سرِ راہ کار تھی۔ جس سے کلکتہ سے لیکر پشاور تک مختلف چھاونیوں میں پھیلی ہوئی تمام فوج متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ طرفین کی پوشیدہ کارروائی اور کسی پیشتر کی طیاری کے بغیر نہیں ہوا۔ جسے اصطلاح میں سازش کہا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اتنے بھاری ہنگامہ و قتل کو کارتوس کی طرف ہرگز منسوب نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مسئلہ کارتوس کو جو فساد کی تمنائے دیرینہ کو بر لانے کا فوری ذریعہ یا آلہ ہاتھ آیا تھا۔ ان کارروائیوں میں یا اور کہیں شناخت کرنے میں قاصر رہا تو میں اندھے سے بدتر ہونگا۔ یہ وہ چنگاری تھی۔ جو اتفاقاً نہیں بلکہ قصداً پہلے کی تیار کردہ سرنگ کو اڑا دینے کے لئے منتخب کی گئی تھی۔ پھر سازش کے وجود کی نسبت میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ ہم نے کسی خاص سازشی جماعت کا پتہ لگا لیا ہے۔ جس نے اسی طریقہ سے جیسے کہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے دیسی پیدل میں بغاوت پھیلائی ہو۔ لیکن ایسی شہادت جسے ہم بہم پہونچا سکے ظاہر کرتی ہے کہ دس مئی سے کتنے ہی عرصہ قبل حکومت برطانیہ سے نفرت و ناراضگی مسلمانوں میں بیشتر پھیلی ہوئی تھی۔ جنہوں نے ہر ایک حسب مطلب موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور ان میں سے شاید ایک موقع حکومت برطانیہ میں الحاق اودھ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی آخری سلطنت کے جو ہندوستان میں

یکہ وتنہا رہ گئی تھی۔ ہاتھ سے نکل جانے سے زیادہ قلق ہوا۔ اور چند وجوہات سے شاید ہندو سپاہی کو بھی برا معلوم ہوا کیونکہ بجائے دیسی تعلقہ داروں کی ماتحتی کے اب اسے انگریز کے زیر تحت آنا تھا۔ ایک گواہ جاٹ ل نے ہندو سپاہی اور ہندو سوداگر کے گورنمنٹ برطانیہ کے لئے مختلف فیہ جذبات کا خوب توازن کیا ہے۔ کیا ہندو اور مسلمانوں میں اس لحاظ سے کچھ فرق تھا؟ دریافت کرنے پر وہ جواب دیتا ہے۔ جی ہاں ضرور تمام مسلمان گورنمنٹ برطانیہ کا تختہ الٹ دینے کے درپے تھے جبکہ ہندوؤں میں معزز سوداگر و تجار تاسف کرتے تھے۔ وہ پھر آگے کہتا ہے کہ فوج میں ہندو اور مسلمانوں کے جذبات علی العموم یکساں تھے اور وہ دونو برابر خلاف تھے ہمارے ذاتی تجربات بھی اس بات کے مؤید ہیں دیسی فوج کا کثیر حصہ ہندو تھا اور ہم نے نہیں دیکھا کہ ظلم و تعدی میں کوئی کسر انہوں نے اٹھا رکھی ہو۔ اور جہاں تک فوج کا تعلق تھا۔ ہندو اور مسلمان ہر دو جرم کبائر کرنے میں ایک دوسرے سے فائق ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن فوج سے علیحدہ بغاوت شاید کئی گذشتہ اسلامی سازشوں پر مبنی ہے اور غالباً اگر اسلامی نقش پا کی جستجو کی جائے۔ تو معلوم ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے گڑھے ہوئے اور جھوٹے افسانوں کو سچ کا تھوڑا سا حصہ ملا کر قوی الاثر بنا دیا۔ جن سے وہ افواج جن کی وفاداری پر کبھی ناز تھا۔ متاثر ہو گئیں ایسے موقع کے لئے موزوں نہیں ہے۔ کہ گذشتہ سالوں کی طرف پلٹیں اور قدم بقدم ان اسباب کی جستجو کرتے چلیں۔ جنہوں نے باہم ملکر اس اعتبار کو فنا کر دیا۔ جو موجودہ خاندان پر کیا گیا تھا۔ اور بے شک ان میں کے بعض وسائل گورنمنٹ کے دست قدرت میں تھے۔ کافی ہوگا۔ اگر میں یہاں صرف گذشتہ مواقع کا تاریخ وار نہیں بلکہ یونہی ذکر کروں کہ جن میں دیسی رجمنٹوں نے خود کو بہت کم قابل اعتبار ثابت کیا ہے۔ ان مواقع نے یہ بھی ثابت کر دکھایا ہے کہ ایک بات پر سب کا اتفاق اور جذبات کی یکرنگی

ان میں ہوتی ہے اس وقت سے جو سبق ہمیں حاصل ہوئے وہ کبھی بھولے نہیں جا سکتے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں ایام سے ہندوستانی فوج ایک بڑی جھگڑالو جماعت بن گئی ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بہت زیادہ سپاہی اپنے طرز کے عمدہ اور احسن معنوں میں گورنمنٹ کے وفادار رہے "اپنے طرز کے" اس وجہ سے کہا ہے کہ میں نے تحقیق کیا ہے کہ ان میں اس قدرتی استقلال اور راست بازی کا چھوٹا سا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ جو ہونا چاہئیے۔ ان کی وفاشعاری جہاں تک قائم رہتی ہے فطرتاً نہیں ہوتی۔ بلکہ عادتاً ہوتی ہے۔ وہ ایسی غلط بیانیوں کے شائق ہیں جن میں کوئی مذہبی نکتہ موجود ہو۔ ایسی جماعت میں ضرور کوئی نہ کوئی فطرتی بھی ہوتے ہیں۔ ایشیائی طرز معاشرت کی جو کوئی بھی تھوڑی واقفیت رکھتا ہوگا فی الفور اسے تسلیم کرے گا۔ اور خصوصاً ہندوؤں کی نسبت کہ ان میں کے بہت تھوڑے برائی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ جبکہ زیادہ حصہ بھلائی کی طرف رجوع ہوتا ہے تین یا چار لیڈروں کو سر بازار جرم کرنے کے لئے آگے بڑھنے دیجئے یا انہیں باغیانہ مخفی سازشوں میں شریک ہونے دیجے۔ پھر باقی ماندہ لوگ اگر فی الفور خالف نہ ہوگئے تو کبھی ان کی روک تھام یا مزاحمت کو اپنا فرض نہ خیال کریں گے گو وہ خود ایک حد تک محترز رہیں لیکن فعل متعدی کی مدافعت یا قتل و بغاوت کا انسداد" ان کے سیاسی یا مذہبی عقیدے کے کسی حصہ میں نظر نہیں آتا خطرناک ترین جرائم اس طرح ترقی پذیر ہوتے ہیں۔ اور چند روز میں ناکردہ گناہوں کو بھی ہمراہ لیکر قعر مذلت کی تہ میں گر پڑتے ہیں۔ اور اس طرح چند افراد کے جرائم بہتیروں کی بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ گذشتہ بلوہ کو ترقی دینے میں یہی اثر کام کر رہے تھے میں سمجھتا ہوں کہ اس سے چند ہی لوگ انکار کریں گے۔ اور میں جانتا ہوں۔ کہ کوئی خط و کتابت عدالت میں پیش نہیں کی گئی۔ اور نہ براہ راست شہادت۔ فی الواقع ہم سپاہیوں سے یہ یا وہ نہ لے

سکے۔ تاہم یہ بالکل صحیح ہے۔ اور معتبر ذریعہ سے خبر ملی ہے کہ غدر سے ایک یا دو ماہ پیشتر ہمارے ہندوستانی سپاہیوں میں جو خطوط آتے جاتے تھے۔ بہ نسبت عام حالت کے بہت زیادہ تعداد میں تھے۔ یہ حال ان حقائق سے ملکر جو ہمارے پیش نظر رہ چکے ہیں۔ ہمیں سیدھا اس نتیجہ پر پہونچا دیتا ہے۔ کہ کوئی زبردست تحریک ضرور کام کر رہی تھی جس کا نتیجہ نافرمانی اور ناراضگی ہوا۔

تنقید بالا میں جو کچھ گزرا ہے۔ اسے بدکردار باغیوں کی تحریک کی طرف منسوب کیا ہے۔ اب اگر قدرتاً دریافت کیا جائے کہ کیوں یہ نتیجہ ناراضگی بہ نسبت کسی اور موقع کے اس وقت ظاہر ہوا۔ اس کے چند وجوہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں مثلاً الحاق اودھ وغیرہ۔ دوسری وجہ یہ کہ پیشوایان مذہب کی مکارانہ بنائی ہوئی چہار دیواری بھی ہے۔ جو پست ترین بیوقوفی کو پیروان مذہب میں محفوظ رکھتی ہے اور اس طرح مذہب کی آڑ سے انقلاب پیدا کیا جاتا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ انقلابی جماعت نے گورنمنٹ کی چند تازہ لغزشوں سے فائدہ اٹھایا ہے اور خفگی و شورش کو مذہبی تعصب پر پھیلایا ہے۔ میرا منشا ہندو بیوگان میں ازدواج ثانی کی تحریک ہمہ قسم کے کاروبار کے لئے بھرتی کرنا اور مسئلہ کارتوس وغیرہ سے ہے میرا مقصد ان آدمیوں کی منت کرنے سے نہیں جن کے ضمیر میں صرف نفرت و کراہیت تھی وہ غرور پر نازاں تھے اور جہالت میں سرشار وہ ایک گروہ بن گئے تھے۔ اور فوجی اطاعت و فرمانبرداری میں حد سے زیادہ مغرور تھے۔ اتحاد طرفین میں وہ بڑے مشاق تھے۔ وہ گورنمنٹ کو اپنی فرضی تکالیف کا خاکہ دکھا کر اور تدابیر بھی بڑی دلیری سے بتا دیتے تھے بلکہ نمبر ۳۴ لائٹ کیولرائے کو سزا دینے کے قبل بھی بغاوت کے آثار نمایاں تھے۔ جو اس بغاوت سے کہیں بڑھ کر تھے اس وقت بے شک مہذب بغاوت کی ہوا ہندوستانی فوجوں میں سرایت کر چکی تھی۔ کئی موقعوں پر سپاہیوں کو اس

خیال میں غرق پایا گیا ہے کہ اگر فوجی حکم کی نافرمانی۔ ایک فرشی سلام وعاجزانہ روش کے ہمراہ ہو تو بہت وقت سے جرم ہو سکتی ہے۔ اتحاد میں مشاق ہونے اور جماعت کی طاقت سے بخوبی آگاہی رکھنے کی وجہ سے انہوں نے اپنی شکایتوں کو فرداً فرداً نہیں بلکہ بالاتفاق گورنمنٹ کے سامنے لا کر کھڑا کرنے میں بہت کم مواقع ہاتھ سے جانے دیئے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ہندو مسلمانوں میں کچھ فرق نہیں رہتا تھا گویا کارروائی کے لئے وہ بہت جلد متحد ہو جاتے تھے۔

اور فی الواقع اگر ہم تواریخ میں چھان بین کریں تو میں یقین کرتا ہوں کہ ایشیائی قوموں کی باقاعدہ حالت کا صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔ غالباً یہ مذہبی قواعد کے زیر انتظام رکھنے کا ضروری نتیجہ ہے کہ بڑی بڑی زبردست جماعتیں متحد الخیال ہوتی ہیں وفادار ہوتی ہیں جو تعلیم و تربیت سے کسی طرح ممکن نہیں۔ فوجی تعلیم بدون ان معاونین کے ایک خوفناک ہتھیار ہے۔ جو آخر کار اسی پر وار کرنے دوڑتا ہے جس نے تیز کیا ہو ثبوت اس کا یہ ہے کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایشیا کی غیر مسلح و غیر تربیت یافتہ مخلوق کی بغاوت و مفسدہ پردازی بہت شاذ و نادر ہے حالانکہ شاہان ہند کے زمانے میں ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنانا بغاوت پھیلانے کیلئے بہت کافی تھا ایسے وقت میں صرف تربیت یافتہ سپاہی کا حملہ سلطنت پر ہوتا ہے زمانہ سلف میں مذہبی شان ایک حد تک مختلف مذاہب کے افراد کو کسی سیاسی یا دیگر معاملہ کیلئے متحد الخیال ہونے میں شاید مزاحم ہوئی ہو مگر ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اسی مذہبی شان نے جمہوریت کی خواہش مند کثیر سوسائٹیوں کی پیدائش کو لازمی قرار دیدیا ہے جنہوں نے اہل ہند کو فی الفور متحد الخیال ہو جانے میں مشاق بنا دیا ہے اور انہیں خاص اغراض کے لئے متفق ہو جانے کے بنیادی سبق پڑھائے ہیں جس سے ان میں کثیر جماعتوں کے متحد الخیال ہو جانے کا قدرتی مادہ پیدا ہو گیا ہے ان اسباب کی رو سے انہیں صرف موقع چاہئے تھا۔ اور کس نے نہیں دیکھا۔ کہ دیسی فوج نے ایک موقعہ

پیش کردیا اور واقعات نے دوسرا عطا کر دیا پھر برہمن اور مسلمان ایسے متحد ہو گئے کہ گویا دونوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں فوج میں ہم پیشہ ہونیکی وجہ سے انہیں برادرانہ یگانگت رہتی تھی ایک ہی پوشاک ایک ہی انعام ایک ہی طرح سے چلتے اور ایک ہی طرح کے مقاصد پر حاوی ہوتے تھے اور وہ ایک دوسرے کے جداگانہ تہواروں میں شرکت کرتے اور گورنمنٹ کی مہربانی سے نشوونما پایا ہوا اتحاد آخر کار اسی کے تہہ وبالا کرنے کا ذریعہ بنا۔

میں اتمام حجت کے لئے ان تمام تاثرات کو جو تازہ حادثہ میں معاون ہوئے ہیں یہ تشریح بیان کرنا نہیں چاہتا۔ اس مقام پر ایسی بحث شاید پسندیدہ نہ ہوگی غرضیکہ مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف مجرب کارتوس ہی اس حادثہ کا موجب نہ تھے نہ ہو سکتے ہیں سپاہیوں میں پہلے سے تیاری ہو رہی تھی۔ اور لوگوں کو خصوصاً مسلمانوں کو ملک میں پہلے سے بدظن کیا جا رہا تھا۔ بیشک مجھے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس حادثہ کو اسلامی سازش کے ضمن میں رکھنا چاہئے۔ جس کا خاص مدعا حکومت برطانیہ سے نفرت وبدگمانی پھیلانا اور غلط خبریں لغو اور بے بنیاد قصے پھیلا کر لوگوں کو انقلاب کیلئے آمادہ کرنا تھا۔ جہاں تک پتہ لگایا جا سکتا ہے اس سازش کی ابتدا ملزم یا ان کے دیگر ہمراز مثلاً حسن عسکری وغیرہ سے ہوئی۔ چاہے جو ہو مگر اس میں شک نہیں کہ شیدی قنبر قسطنطنیہ وایران کے بادشاہوں کے پاس سفارت لیکر گیا تھا ان حکومتوں سے استدعا کی گئی تھی کہ ایک اسلامی سلطنت کی مدد کرو یہ قابل غور ہے کہ متعدد واقعات باہمدگر جمع ہو گئے ہیں معتبر شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیدی قنبر کی روانگی مئی ۱۸۵۷ء سے بالکل دو سال قبل ہوئی تھی۔ اور اس کی واپسی کا وعدہ بھی عین ایام غدر میں تھا۔ یہ تحقیق ہو چکا ہے پھر اس کا توازن اس پیشین گوئی سے کرتا ہوں جو مسلمانوں میں تھی کہ جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء سے لیکر ۱۰۰ سال تک انگریزوں کی حکومت ہندوستان پر رہے گی۔ اب ہم بخوبی ان مصالح کو سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے مسلمانی تعصب کو

گذشتہ شان وشوکت کے پھر واپس آنیکا یقین دلایا تھا۔ میں پیرزادہ حسن عسکری کا خواب بیان کر چکا ہوں۔ جس کی غرض مصنوعی خواب سے بادشاہ اور ان کے اہالیان کے حسب منشار خیالات کا اظہار اور ان پر تصرف کرنا تھی۔ ہمیں تو یہ حالات لایعنی معلوم ہوں گے مگر بے شک یہ اُن باطل پرست دلوں پر منقش ہو گئے تھے جن کے سامنے پیش کئے گئے تھے جس شخص کے لئے کہا جاتا تھا کہ وہ صاحب کرامت ہے گو وہ دروغ گو ہی کیوں نہ ہوتا۔ مگر اس کی ہر ایک بات قابل یقین تھی۔ اور پیرزادہ کا خواب ان کی امیدوں کو تقویت پہونچانے کا ایک نسخہ تھا۔ ہمیں محمد درویش کی عرضی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو اس نے مسٹر کالون لفٹنٹ گورنر کو ۷ ہر مارچ ۱۸۵۷ء کو لکھی تھی۔ کہ حسن عسکری نے بادشاہ دہلی کو یقین دلایا ہے کہ شہزادہ ایران نے بوشہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور عیسائیوں کو اس نے تباہ کر دیا ہے اور کسی ایک کو زندہ نہیں چھوڑا۔ بہتیروں کو قید کر کے اپنے ہمراہ لے گیا ہے اور بیشک بہت جلدی ایرانی فوجیں براہ کابل وقندھار دہلی آجائیں گی۔ اور وہ آگے لکھتا ہے کہ محل میں اور خصوصاً بادشاہ کے ملاقاتی کمرہ میں شب و روز شاہ ایران کی آمد کا تذکرہ رہتا ہے اور حسن عسکری نے بادشاہ کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ اسے مکاشفہ غیبی ہوا ہے کہ شاہ ایران کی سلطنت بیشک دہلی تک ہو جائے گی اور وہ بادشاہ دہلی کو تاج بخش دے گا۔ اور دہلی کی قسمت پھر جاگ اُٹھے گی۔ محرر آگے لکھتا ہے کہ قلعہ میں اور خصوصاً بادشاہ کو اس خبر سے بہت مسرت ہے اور یہ سن کر اتنی خوشی ہوتی ہے کہ نذر اور نیازیں کیجاتی ہیں اور حسن عسکری روزمرہ ڈیڑھ گھنٹہ قبل شام شاہ ایران کے جلد آنے اور عیسائیوں کے پامال ہو جانے کا وظیفہ پڑھا کرتا ہے اور ہر ایک جمعرات کو ان مراسم کی ادائگی کیلئے کئی خوان کھانے کے اور میٹھا تیل تانبے کے پیسے اور کپڑا وغیرہ بادشاہ کے یہاں سے حسن عسکری کو بھیجا جاتا ہے۔

اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں مذہبی شیخت کو کتنا دخل ہے۔ اور لیسلامی
رش کتنی مکمل اور باشرکت غیرے تھی اگر ہم گذشتہ سینریوں کا نظارہ کرتے
باطل پرستانہ مراسم کو ادا ہوتے بچشم خود دیکھتے اور وہ دعائیں جو شاہ
ن کی آمد، عیسائیوں کی تباہی، کے لئے مانگی جاتی تھیں بنفس نفیس سنتے تو بیشک
گزشتہ کے وقوعات حائلہ کی جو علی الدوام یاد رہیں گے دردناک تصویر قبل از
ت ہی ہماری نظروں میں پھر جاتی۔ اگر ہم ان دستاویزوں وعرضیوں کو بھی دیکھیں
ہیں سے بوئے عناد ٹپک رہی ہے تو ہم مسلمانوں کے کینہ کو سمجھ سکتے ہیں جو صرف
باہی پر موقوف نہیں رہتا بلکہ عقبیٰ میں بھی ہمارے عذاب ابدی پر جو محض ان کا
ور کردہ ہے خوشیاں مناتے ہیں کسی شخص کو دریافت کرتے بن نہیں پڑتی۔ کہ
در اصل ہندوستان میں لاکھوں شریف النفوس بھی اس رنگ میں رنگے ہوئے
۔ یا صرف جن کا خیال انگریزوں کی نسبت ایسا ہوا؟ میں اس پر بغیر اظہار خیال
اس کو اپنے سامعین کی رائوں پر چھوڑتا ہوں۔ مسز آلڈویل ہمیں بتاتی ہیں کہ انہوں نے
کے زمانہ میں مسلمان عورتوں کو اپنے بچوں کو یہ دعائیں سکھاتے سُنا کہ ان کے مذہب
فتح ہو اور یہ دعائیں عموماً انگریزوں پر لعن وطعن سے مملو ہوتی تھیں۔ مظلوم و
ناہ عورتوں اور بچوں کی موت کے بعد بھی ان کے غصہ وحسد کی آگ ٹھنڈی نہیں
۔ یا ترس ورحم کی خفتہ آواز ان کے سینوں میں نہ جاگی۔ بلکہ لوکل اخبارات سے
دم ہوتا ہے کہ اس مکروہ ترین قتل کے بعد۔۔ ہر مسلمان حوض پر کھڑے ہوئے قیدیوں
نت کررہے تھے۔ کیا یہ ایسی عفریت تاب سنگدلی وعداوت کا پتہ نہیں دیتا جس
ہت مشکل سے یقین آئے گا۔

دوسرا مسئلہ جس پر میں رائے زنی کروں تقسیم چپاتیاں ہیں جو بسکٹ کی ہم شکل
ں پھر خواہ وہ گورنمنٹ کے نام سے تقسیم کی گئی ہوں اور یہ مقصود رہا ہو کہ عوام کے

ذہن نشین کرا دیں کہ آئندہ صرف ایک مذہب اور ایک کھانا رہے گا یا بموجب دوسرے قول کے ان کا یہ مدعا ہو کہ لوگوں میں جوش و طیاری کے آثار نمایاں ہو جائیں۔ اور بالکید گیر مل کر آنے والے حادثہ کے لئے ہوشیار ہو جائیں۔ بہر حال یہ تدبیر نہایت خطرناک تھی اور ایسے لوگوں میں بدگمانی پیدا کرنے والی تھی جو اس قسم کے جذبات سے قبل ازیں ناآشنا تھے۔ دیہاتی لوگوں پر اس سے کوئی قوی اثر نہیں پڑا۔ اور اس کی وجہ غالباً حکومت کا سرعت سے اس طرف توجہ کرنا اور اس کا تدارک کر دینا تھی۔ اور شاید یہ بھی دلچسپ ہوگا اگر ہم طشت از بام کر دیں کہ ایسی کارروائی کی ابتدا کیونکر اور کہاں سے ہوئی یہ کارروائی اور آٹے میں ہڈیوں کے ملانے کی افواہ بلاشبہ ایک ہی جڑ سے نکلی ہیں اور دونوں کو اسلامی سازش کی گھڑی ہوئی فطرت کی طرف منسوب کرنا صاف بیانی یا استدلال قطعی کی حد سے باہر نہیں ہونے دیتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو سپاہی اپنی پہلی لغزش جذبات پر نادم ہوتے ہیں۔ اور مسلمان سپاہیوں پر ملامت کرتے ہیں کہ انہوں نے بلاوجہ ہمیں گمراہ کیا۔ اور ان کی کارروائیوں کے دوران میں دوسرا ثبوت یہ ہے کہ گو ہم اسلامی سازشوں کی کھوج میں جہاں تک ہماری تحقیقات لائی پہنچ گئے۔ مگر ہمیں کوئی ایسا کاغذ دستیاب نہیں ہوا۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ ہندوؤں نے بھی جماعت بن کر ہمارے خلاف سازش کی۔ یا ان کے برہمنوں اور پنڈتوں نے بھی عیسائیوں سے جہاد کرنے کی تبلیغ کی ہو۔ ان کے پاس کوئی بادشاہ تخت نشین کرانے کے لئے نہیں تھا۔ کوئی مذہب تلوار سے اشاعت پھیلانے کے لئے نہیں تھا۔ ایسی حالت میں چپاتیوں یا پسی ہوئی ہڈیوں کو آٹے میں ملانے کی غلط بیانیاں ان کی طرف منسوب کرنا گویا بغیر کسی معقول وجہ کے الزام لگانا ہے۔ اس اسلامی سازش میں استقلال و چالاکی بھی پائی جاتی ہے۔ جس کے وسیلہ سے یہ اپنا کام کئے جاتی ہے۔ چپاتیوں کی تقسیم کو جب جلدی سے

بند کر دیا گیا تو اس کی جگہ کوئی اور شگوفہ کھلانا چاہیے تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہڈیوں کا آٹے میں ملانا "بہت ہوشیاری کے ساتھ چپاتیوں کے سلسلہ میں جوڑا گیا۔ چنانچہ مشہور ہو گیا تھا کہ" ایک مذہب ایک کھانا" یہ بے شکل والی اور بیوقت کی چپاتی تھی۔ تجویز کرنے والوں نے سوچ لیا تھا۔ کہ چپاتیوں اور انگریزی مداخلت سے بیحد مناسبت ہے اور یہ چپاتیاں شور و شر کی ایجنٹ بنکر خوب کام چلائیں گی اور اسی لئے آٹے اور ہڈیوں کی آمیزش سے انہیں اور تقویت پہونچ گئی پھر سپاہیوں میں یہ پھیلانا کہ گرانڈ ٹرنک روڈ کی دو کانوں پر بھی آٹا ملتا ہے جہاں سے کوچ کرتے وقت سپاہیوں کو مجبوراً خریدنا پڑتا تھا۔ یہ انقلابیوں کی دلی خواہش تھی۔ انہوں نے عام طور پر مشہور کر دیا۔ اور یقین دلا دیا تھا کہ گورنمنٹ لوگوں کو جبراً عیسائی بنا رہی ہے۔ ان کی بازی خود ان کے ہاتھ تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ انہیں انتہا سے زیادہ کامیابی ہوئی میں ضرور اعتراف کروں گا۔ کہ چپاتیوں سے لیکر ان کے ایک چھوٹے سے معمولی کام میں بھی ایک زبردست چال معلوم ہوتی ہے اور ان کا وہ جہاز صاف نظر آتا ہے جس میں انقلابی سوار تھے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ کوئی معمولی قابلیت کام نہیں کر رہی تھی۔ اور انقلابیوں نے اپنی طرف سے کوئی مفسدانہ کوشش اٹھا نہیں رکھی تھی۔ ہم اس زمانہ کے دیسی اخبارات کا حوالہ دیتے ہیں۔

ہم دیکھیں گے کہ کتنی چالاکی سے مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا ہے۔ چپاتیاں ہڈیوں کا سفوف۔ چربی دار کارتوس۔ خیر یہ تو سب ہندوؤں کی طرف منسوب کئے لیتے ہیں لیکن ایک دوسری غذا مسلمانوں کے لئے درکار تھی۔ اور ہم سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کتنی صفائی سے اس حکمت عملی کو نبا ہا گیا ہے۔ پہلا پرچہ شاہ ایران کے حکم سے شروع کیا گیا ہے۔ جو اس نے فوجوں کو طہران میں جمع ہونے کے لئے دیا۔ پھر آگے

بیان کرتا ہے کہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ دوست محمد خاں کے خلاف شاہ ایران کی ایک چال ہے اپنے مقصد کو چھپانے اور دوست محمد خاں کے درپردہ انگریزوں سے لڑنے اور فتح پانے کی۔ اڈیٹر یقین رکھتا ہے کہ بہمہ وجوہ تینوں طاقتوں میں یقینی اتحاد ہوگیا ہے۔ دوسرا اقتباس ۲۶ جنوری ۱۸۵۷ء کا ہے۔ اور اڈیٹر یوں کہتا ہوا شروع کرتا ہے کہ بادشاہ فرانس یا شہنشاہ ٹرکی نے ابھی تک انگریزوں یا ایرانیوں سے متحد ہونے کا اعتراف نہیں کیا ہے لیکن دونو طرف کے سفیر ہر دو سلطنتوں میں خفیہ آتے جاتے ہیں اور تحائف بھی لیجاتے ہیں "بعض لوگ (اڈیٹر کہتا ہے) بیان کرتے ہیں۔ کہ شاہ فرانس و شہنشاہ ٹرکی انگریزوں کے قضیہ میں نہ پڑیں گے لیکن زیادہ تر لوگ کہتے ہیں کہ وہ شاہ ایران کے طرفدار ہونگے روسیوں کی بابت یہ ہے" پھر آگے کہتا ہے کہ "انہوں نے اپنی طیاریوں کو پوشیدہ نہیں رکھا ہے۔ اور وہ ایرانیوں کو فوج اور مال سے امداد کرتے رہیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ درحقیقت صرف روسی ہی اس جنگ کے بانی مبانی ہیں اور ایرانیوں کی آڑ پکڑ کر اپنے اغراض فتح ہندوستان کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ روسی فوج جرارے کر میدان میں آجائیں گے" اب یہاں صرف ایران و روس ہی ہندوستان کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں۔ بلکہ فرانس و ٹرکی بھی۔ ان کی مدد پر آمادہ ہیں۔ اور غریب انگریزوں کو دوست محمد خاں کے افغانوں تک کا سہارا نہیں۔ خیر اڈیٹر صاحب کو ایسی مشفقانہ ہولناک خبریں سنا کر کہنے دیجئے کہ ناظرین صادق الاخبار منتظر ہیں۔ کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ دوسرے اقتباس میں ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ ایران نے اپنے درباریوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو مختلف مقامات کی حکومت عطا فرمائیں گے۔ جن میں سے ایک بمبئی دوسرا کلکتہ تیسرا پونا اور تاج ہندان بادشاہ دہلی کو بخش دیگا۔ یہی ملزم جو ہمارے سامنے موجود

ں۔ حضرات! آپ کو یاد ہوگا۔ کہ صادق الاخبار کی کئی کاپیاں محل میں جایا
تی تھیں۔ اور ہر ایک شخص ان خوشیوں کا اندازہ لگا سکتا ہے جو ایسی خبریں
وصاً زار روس کا چار لاکھ فوج جرار لیکر آنا پڑھکر ہوتی ہونگی۔ نیز اس کا بے شمار
ر جنگ تسخیر ہند کے لئے ایرانیوں کی مدد میں بھیجنا وغیرہ لیکن صرف اہل قلعہ یا
دوں ہی کو اس کے سننے سے خوشی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ تمام آبادی جو انہیں
ں مارے خوشی کے پھولی نہیں سماتی۔

سر تھیوفلس میٹ کاف نے ہمیں بتایا ہے کہ ایرانیوں کے ہرات کی طرف
کا چرچہ زبان زدعام تھا۔ اور روسیوں کی فوج کشی کا بھی تذکرہ ہوتا رہتا تھا
زمانہ میں ہر ایک اخبار کا کابل میں نامہ نگار رہتا تھا۔ اور غنیم کی نقل و
کا خیالی پلاؤ لپکا یا جاتا تھا۔ اور وہی گواہ بیان کرتے ہیں کہ سپاہیوں میں
قت تحریک سرگرم تھی۔ اور غدر کے پانچ یا چھ ہفتہ قبل لائنوں میں یہ خبر صحیح
انی تھی کہ ایک لاکھ روسی شمال کی طرف سے آرہے ہیں۔ اور کمپنی کی حکومت
جائے گی۔ اور فی الحقیقت روسیوں کے آنے کی خبر عام طور سے جابجا پھیلی
ی۔ ایسی غلط افواہوں کا زہر اپنا اثر کر رہا تھا۔ پھر غدر کا ناگہانی ہو پڑنا یا
کارتوسوں کا بہانہ ہمیں اندھا بنانے کے لئے ہے۔

صادق الاخبار کے اقتباس میں ہم نے پڑھا تھا کہ دوست محمد خاں انگریزوں کا
دوست ہے اور درپردہ ایرانیوں سے ملا ہوا ہے۔ پھر یہ بھی کتنی صفائی سے
ہے کہ چار وجوہات کی بنا پر شاہ ایران انگریزوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوا
پہلا ہرات جسے کسی موقع پر ہندوستان کا دروازہ کہا تھا۔ دوسرے روسیوں
ی امداد اسے ملے گی۔ تیسرے شرفائے ایران ہند پر فوج کشی کرنے کے لئے
مند ہوئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا کامیاب کریگا۔ چوتھے تمام ایران کا

جہاد کے لئے اٹھ کھڑا ہونا۔ شگون و معجزات بھی اسلامی قلب کو جنبش دینے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ چنانچہ صادق الاخبار مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۸۵۶ء سے ثابت کرے گا جس کی سرخی یہ ہے۔

ضلع ہانسی۔ مقامی خبریں۔

حال ہی میں دیہات سے ایک شخص آیا ہے اور ایڈیٹر سے بیان کرتا ہے کہ کئی مقامات پر بے موسم کی ہولی جلائی گئی ہے جس شخص نے یہ بیان کیا اس کو حقیقی طور پر معلوم ہوا ہے کہ بے موسمی ہولی کا سبب یہ ہے کہ تین لڑکیاں اکٹھی پیدا ہوئی تھیں اور تینوں اسی وقت بولنے لگیں، پہلی نے کہا کہ آئندہ سال بڑی آفات کا ہے اور بلیات تمام قوم کو تکلیف پہنچائیں گی۔ دوسری نے کہا جو زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے تیسری بولی اگر ہندو اس موسم میں ہولی جلائیں تو ساری آفتوں سے بچے رہیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مجھے احتمال ہے کہ ایسے بیانات و واقعات ان لوگوں پر اثر نہیں کر سکتے۔ جو مغربی خیال کے ہیں۔ ہرات کا لے لینا۔ ایرانی شرفاء کی دعائیں اور ان لڑکیوں کی پیشین گوئیاں ہمارے لئے اس قابل بھی نہیں کہ ہم ان کو نظر اٹھا کر بھی دیکھیں۔ لیکن اگر ہم ایشیائی خیالات و عقائد کو اسی پیمانہ میں جانچیں جو ہمارے اپنے خیالات کے جانچنے کا ہو تو ہم بہت بڑی غلطی کر رہے ہونگے۔ اگر مذکورہ ایڈیٹوریل بیانات پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ جن کے لئے لکھے گئے تھے۔ کتنی خوش پوشی سے ان کے عقائد پر حاوی ہیں۔ ان کی پیشین گوئیوں کا پورا اترنا۔ حسن عسکری کے خواب اور رشیدی قنبر کی سفارت اور اسلامی قدیمی روایات سب کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ کیا ہم اب بھی نہیں سمجھ سکتے کہ قلعہ اور اخباری پریس میں کتنا گہرا تعلق تھا؟ کیا یہ واقعات

اتفاقیہ تھے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک پیرزادے کے خواب درباری منصوبے اور اخبارات کی من گھڑت اتفاقیہ ایک ہی مسئلہ پر بحث کرے؟ ہم ان دلفریبیوں کو دیکھ چکے ہیں جن سے ہندو سپاہیوں کو قابو میں لایا گیا تھا۔ اور کیا ہم یہاں اس محرک روح کو نہیں پہچان سکتے۔ کیا یہ واقعات اسلامی غرور اور تعصب اور مذہبی جنگ کے لئے نفسانیت کو نہیں ظاہر کرتے اور کیا انگریزوں سے اتنی نفرت ان کی ذاتی خصوصیات پر مبنی نہیں ہے۔ اور ۱۹۔ مارچ کے صادق الاخبار میں لکھا جا چکا ہے کہ بیان کیا گیا ہے کہ ۹۰۰۔ ایرانی سپاہ مع افسران کے ہندوستان میں داخل ہو گئی ہے۔ اور ۵۰۰ ایرانی سپاہ بتبدیل لباس دہلی میں موجود ہے" مانا کہ یہ بیان ایک شخص صادق خاں نامی کے اظہار پر جو خود بھی تبدیل لباس میں تھا لکھا گیا تھا اور جس نے اپنا صحیح نام پوشیدہ رکھا تھا۔ مگر بے شک یہ حالات بھی اس تجویز کا ایک حصہ تھے اور اخبار کی سرگرم تحریک میں انہوں نے بھی سہارا دیا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایڈیٹر صاحب نے اپنے ناظرین کے خیالات کو اس مضمون سے جوش دلانے کے لئے عمداً یہ مضمون پیش کر کے باغیانہ تحریک کا فرض ادا کیا ہے۔ دریافت کیا جائے کہ شہر کے مقتدر اخبار میں بغیر کسی بین یا مستند شہادت کے ایک گمنام شخص کا بیان کیونکر دیا جا سکتا ہے؟ یہ فقط ایرانیوں کی سازش کو جو ہمارے یقین میں بالکل لغو ہے۔ نہیں ظاہر کرتا۔ بلکہ اڈیٹر صاحب اور ان کے تمام اہالی موالی کی گہری سازش کا پتہ دیتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ نام یعنے صادق خاں اس اشتہار میں بھی تھا۔ جو جامع مسجد کی دیوار پر چسپاں تھا۔ وہ اعلان اور ۹۰۰ سپاہیوں کا افسانہ لازم و ملزوم ہیں۔ جو ایک دوسرے کو تقویت پہونچا سکتے تھے۔ اگر کوئی اعلان کے لئے بازپرس کرتا تو جواب تیار تھا۔ کہ اس کا لانے والا پانچ سو تبدیل لباس والے سپاہیوں کے ہمراہ دہلی میں موجود ہیں اگر ایرانیوں کے دخول پر یقین نہ کیا جاتا تو کیا اعلان بطور ثبوت موجود نہ تھا؟

اس ابلہ فریبی کی تہ سرجگہ یکساں ہے اور جوں جوں ہم اس معاملہ میں مزید غور کرتے ہیں ان حیلوں اور چالوں کا جو ایسے مناسب طریق سے عمل میں لائی گئیں۔ یقین زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

اعلان کی ایک طرف ڈھال دوسری طرف تلوار بالکل بے معنی ہونگی۔ مگر معزز افسروں کا قصہ جو اسے پورا کرنے آئے کیسا ہے؟ اعلان سرتا پا غلط ہے۔ اور ہمارا یقین کلی ہے کہ سازش اور اسلامی سازش کی کھلی ہوئی حالت ہے۔ بیشک کسی اور طرف اس اعلان کو منسوب کرنا غیر ممکن ہے۔ پھر وہ کون تھا جو اعلان لایا اور لکھا؟ میں یقین کرتا ہوں کہ ایڈیٹر اخبار سے اس کا جواب مل سکتا ہے۔ جس نے اس مضمون کو کثرت سے شائع کیا ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مضمون اس کا حسب دلخواہ ہے جس پر وہ پوری طرح حاوی ہے۔ اس کے پاس اس کی اصلی نقل[1] ہے۔ اور اسی سے اس کی وضاحت ہوسکتی ہے۔ اور بلاشبہ پوری طرح اس کو علم ہے کہ اعلان کا لکھنے والا کون ہے۔

میں نہیں چاہتا کہ ایک ہی مضمون پر اڑا رہوں اور اخبارات کے اقتباس پیش کرکرکے اسلامی سازش کا ثبوت دیئے جاؤں۔ مگر اس میں ہی اسلامی سازش مجھے نظر آتی ہے۔ اور دیگر شہادات سے بھی اس کا ثبوت میرے لئے دشوار نہیں۔ بہرحال ایک اور اقتباس ہے جسے یہاں چھوڑ دینا بہت بڑی غلطی ہوگی۔

مورخہ ۱۳۔ اپریل کے پرچہ کا اقتباس ہے اور سر تھیوفلس میٹکاف کی شہادت کے مطابق جو انہوں نے بیان کیا ہے کہ غدر سے پندرہ روز قبل مجسٹریٹ کے نام ایک گمنام درخواست آئی تھی کہ شہر کا کشمیری دروازہ انگریزوں سے چھین لیا جائیگا۔ کیونکہ شہر کا مستحکم و مضبوط مقام یہی ہے۔ جو کہ شہر اور دہلی کی چھاؤنی کو باہم ملاتا

---

[1] دیکھیے صادق الاخبار کا وہ اقتباس جس میں لکھا ہے کہ میرے دوست نے اس اعلان کی اصلی نقل کر لی ہے

پس سب سے پہلے جب کبھی شہر میں ہنگامہ برپا ہوگا۔ اس دروازے پر قبضہ کیا
ے گا۔ اس سے بیحد مناسبت ہے ۔ سر تھیوفلس شکاف کہتے ہیں کہ گویہ درخواست
ی موصول نہیں ہوئی ۔ مگر معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ لکھی گئی تھی ۔ اور اس
ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں ہندوستانیوں کے خیالات کیا تھے ۔" پس کوئی
ہیں رہا کہ وہ اقتباس بھی اسی مخرج سے نکلا تھا۔ اور اس درخواست کے
ون کی سچی تفسیر تھا۔ جسے ایڈیٹر نے بلاخوف وخطر چھاپ دیا۔ کتنی حکمت اور
ئی سے تجویز گھڑی گئی تھی۔ تاکہ صرف انہیں لوگوں کی سمجھ میں آسکے۔ جو اس راز
واقف ہوں۔ مگر اب سب پر روشن کر دیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر کہتا ہے کہ "مجسٹریٹ
عدالت میں کئی درخواستیں گذری ہیں ۔ اور ان میں یہ لکھا ہے کہ آج سے
مہینہ کے بعد کشمیر پر حملہ کیا جائیگا۔ جس کی خوبصورتی وفرحت افزائی کو کسی
نے یوں بیان کیا ہے ۔

" اگر ایک کباب شدہ جانور کشمیر میں پہنچ جائے تو اس کے بھی بال و پر وہاں
ہو جائیں گے ۔ اور یہ ارضی بہشت لکھنے والوں کے قبضہ میں آجائیگی ۔"

دریافت کیا جائے کہ دہلی کے مجسٹریٹ کو درخواست دینے والے کیونکر کشمیر
سکتے تھے ۔ اور اب کون نہیں سمجھ سکتا کہ شہر دہلی کے کشمیری دروازہ کو اس کے
م ملک سے موسوم کر کے پردہ ڈھانپ دیا ہے اور خوبصورتی وفرحت افزائی کو
یری دروازہ کی گذشتہ خوبصورتی پر محمول کیا ہے۔ میں یہاں غور کرنے کے لئے نہیں
رجا تا کہ آیا مرغ بسمل وسوختہ جاں کی تمثیل کلامی سے موجودہ ملزم مراد ہیں یا کیا
ن میں کوئی شک نہیں کہ دروازہ پر قبضہ کر لینے سے انہیں اپنے نوچے ہوئے
و پر درست ہو جانے کی امید تھی ۔ اور اس کے ذریعہ مرتبہ اعلیٰ پر پرواز کرنا

گذشتہ شوکت وعظمت ۔

چاہتے تھے۔ ۱۳ اپریل کو یہ بیان کرنا کہ آج کی تاریخ سے ایک مہینہ بعد بہت سخت ہنگامہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یعنی اس جگہ افسروں پر فیر کئے گئے تھے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ ایڈیٹر صاحب صادق الاخبار کو سازش سے ضرور واقفیت تھی۔ ورنہ وہ اتنی صحیح پیشین گوئی کی اقلیم میں بلند پروازی کر کے نہیں پہنچ سکتے۔

ایڈیٹر کی مذکورہ بالا دانشمندانہ خبر اور جواں بخت کی ناتجربہ کارانہ گفتگو ایک دوسرے کی مماثل ہیں۔ اور فی الواقع تحیر خیز ہیں۔

۱۱۔ مئی کو حملہ کیا گیا جس کی اطلاع پیشتر دی جا چکی تھی۔ اور اس کے بعد وہی ہوا جو ذکر ہو چکا ہے۔ پس کیا میرے سامعین میں سے کوئی ہے۔ جو کہے کہ بہت گہری اور خفیہ سازش کو اس سے کچھ واسطہ نہیں!

ملزم کا اس سے گہرا تعلق رکھنے کا ثبوت یہیں تمام نہیں ہو جاتا۔ بلکہ کچھ اور بھی ہے۔ "موجود" حبشی جو صرف بادشاہ کا ملازم ہی نہیں بلکہ ان کا مصاحب خاص اور ہمیشہ ان کی خدمت میں رہنے والا تھا۔ مسٹر ایوریٹ کو علیحدہ لے جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اپنی فوج سمیت کمپنی کی فوج سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لو۔ کیونکہ موسم گرما میں ہر جگہ روسی دکھائی دیں گے۔ مسٹر ایوریٹ خندہ زن ہوتے ہیں اور اسے اس شخص کی بے وقوفی تصور کرتے ہیں۔ لیکن اب ہمارے پاس کافی ثبوت ہیں کہ وہ کوئی بڑی گہری بات تھی۔ چنانچہ ان کی دوسری ملاقات میں جو غالباً ایک ماہ بعد ہوئی۔ جبکہ غدر برپا ہو چکا تھا۔ "موجود" کہتا ہے "کیا میں نے تمہیں چلے آنے کے لئے نہیں کہا تھا؟" اور پھر تاکید کی شرح بیان کرتے ہوئے شیدی قنبر کا پورا قصہ بیان کرتا ہے۔ کہ وہ کیونکر شاہ دہلی کی سفارت لے کر قسطنطنیہ گیا۔ اور اس نے روانگی کے وقت مکہ جانے کا کیسا بہانہ کیا۔

مجھے یہ تشریح بالکل تعجب خیز دکھائی دیتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

ہنگامہ میرٹھ ہی صرف بغاوت کی بنا نہیں تھی۔ بلکہ بغاوت کی کڑی عرصہ سے بہت بڑا جال تن رہی تھی۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان دیسی افسران اور اہل رجمنٹ دہلی و میرٹھ میں کوئی گہری سازش نہیں تھی؟ مسٹر ایوریٹ بھی آخر عیسائی تھے۔ جنہیں باغیوں نے اپنے ہمراہ ملانا چاہا۔ اور خبر نہیں کہ اگر ان کی بجائے کوئی مسلمان افسر ہوتا تو بیشک وہ عیسائیوں کے محکوم رہنے پر بادشاہی ملازمت کو ترجیح دیتا اور جس زمانہ میں بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنے کی ان سے استدعا کی گئی تھی میرٹھ کے کورٹ مارشل کی خبر دہلی میں بالکل نامعلوم تھی کیا اس سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ تیاری بہت عرصہ پہلے سے ہو رہی تھی اور ان سے کہا کس نے تھا کیا صرف ایک خانگی ملازم ایک ادنی اردلی گو وہ کتنا ہی منظور نظر کیوں نہ ہو بدون اپنے آقا کے حکم کے ایک رسالدار اور پوری پلٹن کو گورنمنٹ کی ملازمت سے برطرف کرا کر خود ملازمت دے سکتا ہے؟ اتنے بڑے گروہ کو شاہی ملازمت سوائے بادشاہ کے اور کون عطا کر سکتا ہے! میں استدعا کرتا ہوں ان لوگوں سے جو میرے مخاطب ہیں۔ کہ ان سوالات پر خوب غور کریں۔ اور پھر دیکھیں کہ کیا ملزم کی شرکت اس سے ثابت نہیں ہوتی؟ ہمیں مکند لال سکریٹری سے بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ تین سال قبل کچھ پیدل سپاہ متعینہ دہلی بادشاہ کی مرید ہو گئی تھی۔ اور اس موقع پر بادشاہ نے ہر ایک کو ایک شجرہ دیا تھا جس میں ان کے متقدمین کے اسمار احکام تھے۔ جو ایک دوسرے کے مرید ہوتے گئے تھے۔ اور خود بادشاہ کا نام بھی ان میں شامل تھا۔ اور ایک ایک سرخ رومال اپنی برکت کی علامت کے طور پر دیا تھا۔ اب سے تین سال قبل شیدی قنبر کی سفارت ایران وقوع میں آئی تھی۔ اور مسلمانوں کی سازش کی ابتدا بھی اسی وقت سے ہوئی۔ ایک ہی موقع کا انتخاب کرنا۔ جس میں ایک طرف تو بے انتہا زہد و تقوے کی نمائش۔ دوسری طرف بادشاہی شان کا غیر معمولی دکھاؤ۔ پوری طرح ہمیں بتاتا ہے کہ ضرور

ان دونوں باتوں میں کوئی نہ کوئی پولٹیکل چال مضمر تھی۔ لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ نے ان نمائشوں کا انسداد کر دیا تھا۔ لیکن گواہ کہتا ہے کہ اس روز سے فوج میں اور بادشاہ میں تعارف ہو گیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ فرد قرار داد جرم میں پانچ باتیں اور اضافہ کی گئی ہیں یعنی پیرزادہ حسن عسکری کے بیان کردہ خواب اور پیشین گوئیاں، شیدی قنبر حبشی کی سفارت قسطنطنیہ و ایران، ہندوؤں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کا مدبرانہ منصوبہ، ہندوستانی پریس کی مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کی تحریک اور آخری یہ کہ دیسی فوج کے ہندو مسلمانوں کو ایسی اور دیگر قسم کی تدبیروں سے وفاداری سے منحرف کرانا کیا ان پانچوں باتوں میں ملزم کی شرکت کا پتہ ملتا ہے یا نہیں؟ اگر سوال ہذا کے جواب میں جیسا کہ مجھے یقین ہے اعتراف کیا جائے، تاہم ایک بات اور باقی رہ جاتی ہے جو شاید اہم ترین ہے یعنی آیا وہ ان تمام معاملات میں مقتدا رہے یا مقتدی؟ یا حقیقی متحرک کرنیوالے میر قافلہ اور پیشوا رہے؟ یا رہنما یا تابع فرمان؟ یا کٹھ پتلی یا مرشدانہ چالوں سے مذہبی تعصب کی ترقی کے لئے کوشاں؟ میں یقین کرتا ہوں کہ کئی آدمی موخر الذکر کی طرف مائل ہوں گے معلوم یہ اسلامی تعصب سب سے پہلا حملہ آور تھا اس خاص مذہب کا کینہ ور تعصب حکومت کے لئے جد و جہد کر رہا تھا مغویانہ سازش اس کا وسیلہ ملزم اس کے دانشمند کارکن اور ہر ایک ممکن جرم بھیانک انجام۔

میرا خیال ہے کہ علاوہ شاہی خاندان سے وابستہ ہونے کے ملزم ہندوستان میں مذہبی شان و دلاویزی سے دیکھے گئے ہیں۔ پولٹیکل اور مذہبی یہ ہر دو متحدہ قوتیں تھیں جنہوں نے ملزم کو سازش میں مدعو کیا۔ اسلامی جوش و تعصب ہم ہر جگہ پاتے ہیں۔ جو کاغذات سے عیاں ہے اور عرضیوں میں وہ چمک رہا ہے اور اپنے افعال میں نہایت قوی الاثر ہے۔ اس کے موثر حملہ سے مخلصی ملنا بہت مشکل نظر

آتا ہے۔ شہزادہ مرزا عبد اللہ کا اپنے ملاقاتی اور پچھلے وقت کے دوست کو لوٹ لینا پھر اپنے چچا کو قتل کرنے کے لئے بھیجنا اس کی سبالغہ آمیز مثال نہیں ہے۔ پھر ایک مسلمان افسر مرزا تقی بیگ پشاوری جو گورنمنٹ برطانیہ کی ملازمت میں معزز عہدہ پر ممتاز ہونے اور معقول تنخواہ پانے کے باوجود اپنی کتابوں میں سے کتنی سلیم الطبعی سے حوالہ دیتا ہے۔ کہ " ایک انقلاب ہو گا۔ اور حکومت برطانیہ بالکل نیست نابود ہو جائیگی۔ اس سے بھی زیادہ کریم بخش دہلی کا میگزین والا اسکا متبع پایا جاتا ہے۔ جو انگریزی تنخواہ پاتے ہوئے فارسی کی تعلیم و تعلم سے فائدہ اٹھا کر دیسی رجمنٹوں میں خفیہ مراسلات بھیجتا ہے کہ میگزین کے ساختہ کارتوس مجرب کئے گئے ہیں۔ اور سپاہیوں کو اس معاملہ میں اپنے انگریز افسروں کا اگر وہ کچھ کہیں تو یقین نہ کرنا چاہئے۔" غور کیا جائے کہ یہ شخص کتنا بڑا خائن ثابت ہوا۔ پھر جبکہ بادشاہ کی فوجیں میگزین پر حملہ آور ہو رہی تھیں تو کیسی سرگوشیاں کر رہا تھا۔ کیا اس کی سازش میں شرکت کرنے سے کوئی انکار کر سکتا ہے جبکہ ظاہرا انگریزوں کی نوکری کر رہا تھا۔ مگر باطن میں ان لوگوں سے ملا ہوا تھا جو انگریزوں کی تباہی کے درپے تھے؟

میں بہت خوشی سے ایک بات کا حوالہ دیتا ہوں۔ وہ محمد درویش کی درخواست ہے جو ایک حیرت انگیز خط ہے جسے مسٹر کالون لفٹنٹ گورنر آگرہ کو اس شریف وبہادر شخص نے بھیجا تھا۔ اور یہاں اس کا ذکر کئے بغیر نہ رہنا چاہئے۔ جو کہ ایک مسلمان کی طرف سے برطانیہ کی وفاداری میں ایک بہترین مثال ہے۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ اس دوسری درخواست کو شامل نہیں کر سکتا۔ جو نبی بخش خاں کی طرف سے بتائی جاتی ہے۔ جو بادشاہ کو ارسال کی گئی تھی۔ اور کہتے ہیں کہ لکھا ہوا تھا۔ " عورتوں اور بچوں کا قتل ناجائز ہے۔ پھر درخواست کی گئی تھی کہ علمائے دین سے فتوے لیا جائے۔ چنانچہ جب سے میں نے اسے عدالت میں پیش کیا ہے۔

ں کے اس وقت لکھے جانے میں بھی کئی شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ اور عجب نہیں
دہلی پر قبضہ ہو جانے کے بعد بغرض انعام و منافع حاصل کرنے کے لکھی لی ہو۔
ں کے ایسا ہونے کا یقین اس وجہ سے ہوتا ہے۔ کہ نبی بخش خاں جیسی حیثیت
آدمی بادشاہ کو ایسی نصیحت کرنے یا تحریر کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ کہ سپاہ
پہلے اپنا غصہ بادشاہ پر اتارنا چاہیے۔ چنانچہ نبی بخش خاں ڈینگ مارتے ہیں کہ
ں نے ایسا لکھا۔ بے شک کچھ مثالیں ایسی ہیں۔ جن میں مسلمانوں نے انگریزوں
، اچھا سلوک کیا۔ اور وہ بوجہ قلیل ہونے کے بہت دلچسپ ہیں۔ ہم اس سے
ستنباط کر سکتے ہیں۔ کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم کا ان کے پیروں کے دل
ثر نہ ہوا۔ ورنہ ایسی تعلیم، لیسے اصول علم الٰہی۔ کیا انہیں خونخواری و مغویانہ
ئم کی طرف لے جاتے۔ یہاں تک کہ عام انسانیت بھی ان کے افعال سے
، تر ہے۔

(سرکاری وکیل صدمہ کے سبب عقل سے خارج ہو گیا تھا ورنہ ایسے
الفاظ نہ کہتا۔ کیا اس کو عیسائیوں کے وہ مذہبی جنون یاد نہ آئے جنہوں
نے یورپ میں لاکھوں بیگناہوں کا خون بہا دیا۔ حسن نظامی)

اس اسپیچ کے درمیان میں نے بارہا مسلمانوں کی سازش کا ذکر کیا ہے اور
بے شک ۱۸۵۷ء کے واقعہ ہائلہ کو اسی کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ میں نے بتانے
کوشش کی ہے۔ کہ ملزم ہندوستان میں بطور پیشوائے دین کے ہیں۔ اور اس
زش میں بھی بطور لیڈر کے شریک رہے ہیں۔ میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ پرلیس
، اور مسلمانوں نے مل کر ہندوؤں کو بھڑکایا۔ اور خصوصاً فوجی سپاہ کو
ستعمال دلایا۔ نمبر ۳ لائٹ کیولری کے سواروں کا کارتوس لینے سے انکار
ثابت کر سکتا ہے۔ کہ ایسا ہی ہے۔ ان ۸۵ سواروں میں سے زیادہ حصہ

مسلمانوں کا تھا۔ اور ان لوگوں کی کوئی ذات پات نہ تھی۔ اس حالت میں اگر گائے یا سؤر کی چربی بھی کارتوسوں پر ملی گئی ہوتی۔ تاہم ان کے پاس کوئی مذہبی اعتراض نہیں تھا۔ (وکیل صاحب بالکل غلط کہتے ہیں۔ سؤر کی چربی کو ہر مسلمان حرام سمجھتا ہے۔ حسن نظامی)

کپتان مارٹینو ہمیں بتاتے ہیں کہ انبالہ کے سپاہیوں میں مسئلہ کارتوس پر جب بحث ہوتی تو مسلمان ہنستے تھے۔ اسی سے ہم جان سکتے ہیں کہ ان لوگوں کا مقصد کھلم کھلا بغاوت تھا۔ اور ایسی حرکت کرنے کا کوئی قابل پذیرائی عذر، یا معافی کے لائق کوئی وجہ وہ نہیں رکھتے۔ اور پھر اگرچہ ان کی تکلیفوں کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ تاہم انہوں نے بغاوت کی۔ اور ہندوؤں کو بے دھرم ہو جانے کا خوف دلاکر اپنے ہمراہ شامل ہونے کی ترغیب دی۔ میں نے جو یہ کہا کہ "ہندوؤں کو شامل ہونے کی ترغیب دی" تو اس کا ہمارے پاس بین ثبوت ہے اور وہ ایسی بات ہے جس میں مسلمان اپنے شاکی دوستوں کی ہمدردی نہ کر سکے۔ اور ہندوؤں کو بھی اس حکمت عملی کے ڈھونڈھ نکالنے میں زیادہ غور کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ ایک گواہ جس کا حوالہ بار بار دیا جا چکا ہے ہم سے بیان کرتا ہے کہ لڑائی کے بعد ہی فوراً ہندوؤں نے اپنے رفیق مسلمانوں کو ملامت کرنی شروع کی کہ تم نے ہمیں ورغلایا۔ اور تذبذب میں پڑ گئے کہ کیا در اصل انگریزی گورنمنٹ ہمارے مذہب میں دخل دینا چاہتی تھی۔ ہندو سپاہیوں کی کثیر تعداد نے کہنا شروع کیا کہ اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ ہماری جان بخشی کر دی جائے گی۔ تو ہم پھر گورنمنٹ کی ملازمت میں آ جائیں گے لیکن مسلمان اس کے برخلاف کہتے رہے کہ بادشاہ کی ملازمت انگریزی ملازمت سے بدرجہا بہتر ہے اور نواب راجہ بادشاہ کو فوج کثیر سے مدد دینگے اور آخر کار ہم ہی فتحمند ہونگے۔

اگر ہم ان واقعات پر سرسری نظر ڈالیں جو دوران کارروائی میں وقتاً فوقتاً ہمارے

پیش ہوتے رہے ہیں۔ تو ہم دیکھیں گے۔ کہ صرف مسلمان ہی خلش وار ہیکاں ہیں جو باہم جڑے ہوئے ہیں۔ (اسلامی اخوت تو ہمیشہ عیسائیوں کو خار کی طرح کھٹکا کرتی ہے۔ وکیل صاحب کو اس پر جس قدر غصہ آئے کم ہے۔ حسن نظامی) ایک مسلمان پیرزادہ اس کے فرضی خواب اور بناوٹی طاقت اعجاز۔ ایک مسلمان بادشاہ اور ان کی ضعیف الاعتقادی وارتکاب جرائم۔ ایک مسلمان خفیہ سفارت اسلامی طاقتوں ایران و ٹرکی کو برانگیختہ کرنے کے لئے۔ ہماری طاقت کے زوال کی نسبت مسلمانی پیشین گوئیاں ہماری حکومت مٹا کر اسلامی حکومت کا خیال، مسلمانوں کا کیا ہوا جابرانہ قتل۔ اسلامی غلبہ کی خاطر جہاد۔ ایک مسلمانی پریس کا اشتعال دلانا۔ اور مسلمان سپاہیوں کا بغاوت کرنا۔ ہندوؤں کے متعلق میں ضرور کہوں گا کہ یہاں اس پر ذرا غور کیا جائے۔ اور روشنی ڈالی جائے۔ کیونکہ وہ تو فقط ہمیشہ اپنے پیش قدم ہمسائے کے حکم بردار رہے ہیں۔

اسلامی سازش کی بحث اب ختم ہوگئی۔ میرا یہ مدعا نہیں ہے کہ دیگر سازشی ہماری پیش نظر کارروائیوں سے بری ہوگئے۔ کیونکہ یہاں میں نے صرف ان لوگوں کو منتخب کیا ہے جو مجھے سب سے زیادہ بڑھ کر ذمہ دار نظر آئے۔ میں بیٹھنے کے قبل چاہتا ہوں کہ ایک سوال کروں۔ اور کپتان مارٹینیر کی شہادت میں سے جواب دوں کیا تم نے کبھی سپاہیوں کو یہ شکایت کرتے سنا ہے کہ انگریز پادری ہندوستانیوں کو زبردستی عیسائی کر ڈالتے ہیں؟

جواب - جی نہیں۔ عمر بھر میں کبھی نہیں (اس موقع پر مجھے ناظرین کو سر سید احمد خاں کی کتاب اسباب بغاوت ہند پڑھنے کی سفارش کرنی چاہئیے جس سے وکیل صاحب کی خوب تردید ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوجاتا ہے کہ عیسائیت پھیلانے کا خبط بھی غدر کا بڑا سبب ہے حسن نظامی) میں نہیں جانتا کہ وہ ایک شمہ بھی اسکا خیال کرتے ہوں "۔ میں یقین کرتا ہوں

کہ کوئی افسر ایسا نہیں ہے۔ جسے سپاہیوں کے طرز عادات سے تھوڑی بہت واقفیت نہ ہو۔ یا انکے احساسات و جذبات کو نہ جانتا ہو۔ بلاشبہ اس خیال کی تصدیق کرے گا کہ عیسائی مشن کا ہندوستان میں کوئی خوف نہ تھا مناسب طریقے سے تبلیغ مسیحیت ہندوستانیوں اور فوجیوں کو خوف نہیں دلاتی۔ اگر وہ وعظ و نصیحت جو فقط تبلیغ کا ایک ذریعہ ہے یہاں کیجائے تو کسی مذہب کو تعصب نہیں ہو سکتا۔ پیروانِ مسیح کی تعداد میں ترقی کی کوشش جہانتک مجھے معلوم ہے ہندوستانیوں میں بری نظر سے نہیں دیکھی جاتی۔ اور اگر اسے اسکی اصلی شان سے پیش کیا جائے تو کوئی شک نہیں کہ انکی آنکھوں کے سامنے سے موجودہ تاریکی کا پردہ دور ہو جائیگا اور معلوم ہو گا کہ مسیحیت کوئی ذات نہیں ہے اور وہ ہر چیز کھانیکا حکم دیتی ہے اگر یہ توقیر گھٹانے والا خیال ان کے دلوں سے دور ہو جائے تو ساتھ ہی ہندوؤں کا خوف بھی غائب ہو جائے گا۔ وہ دیکھیں گے کہ مسیحیت کو زبردستی پھیلانا غیر ممکن ہے۔ اور ان کے دل سے بغاوت کا یہ قوی ترین ہتھیار نکال ڈالنا چاہیئے۔ لیکن اگر میں یونہی کہتا چلا جاؤں تو حکومت کی پالیسی کی بخکنی کر رہا ہوں گا۔ بس میں عدالت کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ بغور میری طرف متوجہ رہی۔ اور ساتھ ہی مسٹر مرفی مترجم کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس میں اور دیگر مقدمات میں قابل قدر اعانت کی۔ مشرقی علوم میں انہیں کامل دستگاہ ہے۔ زبانی اظہارات میں طراری اور مستعدی جس سے تمام مختلف نوشتوں کو ترتیب دیکر پڑھنا۔ اور بغیر معمولی وقت کے دستاویزوں کا صحیح اور ان کے مفہوم کو قائم رکھتے ہوئے ترجمہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ فارسی اور اردو پر انہیں پورا عبور ہے۔ ان کئی کاغذات کے علاوہ، جو نوٹ ہیں۔ نہایت قیمتی ہیں۔ اور میرے کہنے کے بغیر خود ہی مسٹر مرفی کی مترجمانہ اعلیٰ قابلیت کا اظہار کر رہے ہیں۔ اگر میں اس طرح ان کے احسانات کا اعتراف نہ کروں تو ضرور میں اور وہ ہر دو ناقص رہ جائیں گے۔

دہلی　　　　　　　　　　　　　　　　الیف جے۔ ہیریٹ میجر

۹۔ مارچ ۱۸۵۸ء　　　　　　　ڈپٹی ایڈوکیٹ جنرل ووکیل سرکار

عدالت تجویز رائے جوریاں کے لئے ختم ہوتی ہے

تجویز ورائے جوریاں

عدالت اس شہادت پر جو اس کے پیش نظر ہے متفق ہے کہ ملزم محمد بہادر شاہ سابق بادشاہ دہلی تمام جرائم کے مجرم ہیں جو ان کے برخلاف بیان کئے گئے ہیں۔

ایم ڈاوس لفٹننٹ کرنل

دہلی　　　　　　　　　　　　　　　　پریسیڈنٹ

۹۔ مارچ ۱۸۵۸ء

الیف۔ جے۔ ہیریٹ میجر

ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل

منظور کیا گیا اور بحال رکھا گیا

این۔ پینی میجر جنرل

کمانڈنگ میرٹھ ڈویژن

سہارن کیمپ

۶۔ اپریل ۱۸۵۸ء

عدالت تین بجے سے غیر معین وقت تک کے لئے ملتوی کردی گئی۔

ضمیمہ کارروائی مقدمہ
محمد بہادر شاہ سابق بادشاہ دہلی

شہادت حکیم احسن اللہ خاں سابق طبیب بادشاہ دہلی

لارڈ ایلنبرو گورنر جنرل کی طرف سے بادشاہ کا نذرانہ دیا جانا موقوف ہوگیا تو وہ ہمیشہ مغموم رہتے تھے۔ پہلے تو انہوں نے اس معاملہ کے متعلق انگلستان کو لکھا۔ اور پھر ہمیشہ اس حکم کے برخلاف شکایت اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ نیز اس سے بہت رنجیدہ تھے کہ ان کی خواہش تھی کہ چھوٹا لڑکا مرزا جواں بخت ولیعہد مقرر کر دیا جائے۔ اور حق تھا سب سے بڑے لڑکے مرزا فتح الملک کا اور جواں بخت کی کی ولیعہدی کی مخالفت کی تھی۔ تھوڑے عرصہ بعد مرزا حیدر ولد مرزا خان بخش پسر مرزا سلطان شکوہ اپنے بھائی مرزا مراد کے ہمراہ لکھنؤ سے آئے اور انہوں نے بادشاہ کو رضامند کر کے ایجنٹ لفٹنٹ گورنر کو لکھنے کی ترغیب دی کہ انہوں نے (بادشاہ نے) شہزادوں کو گورنمنٹ آفس میں اپنا ایجنٹ مقرر کیا ہے۔ مگر لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ نے منظور نہ کیا کیونکہ شہزادوں کو ایسے کام پر مقرر کرنے کا قاعدہ نہیں تھا۔ جاتے وقت لکھنؤ کے شہزادے اپنے ہمراہ کئی کاغذات لیتے گئے جن پر بادشاہ کی مہر ثبت کرائی گئی تھی۔ اور ان شہزادوں کو حرم سرائے شاہی میں بھی بڑا رسوخ تھا۔

لکھنؤ میں مرزا حیدر نے شاہ عباس کی درگاہ پر بادشاہ دہلی کی طرف سے ایک علم چڑھایا اور مجتہد کو ایک تحریری رقعہ دیا جو پنسل کا لکھا ہوا تھا اور جس پر بادشاہ دہلی کی مہر ثبت تھی۔ اس رقعہ میں تحریر تھا کہ بادشاہ دہلی نے شیعہ عقائد اختیار کر لئے یہ اطلاع دو تین شہزادوں سے ملی ہے۔ جو سنی مذہب رکھتے تھے۔ نیز کئی سنیوں کی عرضیوں سے بھی معلوم ہوا۔ جو بادشاہ دہلی کے نام سے موصول ہوئی

تھیں۔ ان میں سے میں ان لوگوں کو جانتا ہوں۔ امین الرحمن خاں باشندۂ دہلی مگر لکھنؤ میں بود و باش اختیار کر لی تھی رشیدی بلال جو پہلے بادشاہ کے ہاں ملازم تھا۔ مگر پھر لکھنؤ جا کر ملازمت کر لی تھی۔ جب یہ حالات دہلی میں معلوم ہوئے، تو کئی علماء بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہمیں آگاہ کیا جائے کہ یہ کیا بات ہے! بادشاہ نے جواب دیا کہ مرزا حیدر نے بادشاہ کی مہر تمام کاغذات پر لگائی ہے جو خود اپنے ہاتھ سے لکھے تھے اور بادشاہ نے بھی ایک فرمان مجتہد کو دیا ہے۔ پھر بادشاہ نے آگے کہا کہ ان کے فرمان میں صرف یہ لکھا ہے کہ وہ (بادشاہ) اہلبیت سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اور جو ان سے محبت نہ کرے وہ مسلم نہیں ہے۔ بعد ازاں بادشاہ کی درخواست پر لفٹننٹ گورنر کے ایجنٹ نے اس فرمان کی نقل لکھنؤ سے منگوا دی اور اس کاغذ میں بعینہٖ وہی مضمون لکھا جو درخواستوں میں ظاہر کیا گیا تھا۔ اس وقت یہ یقین کر لیا گیا تھا۔ کہ بادشاہ نے علاوہ مجتہد کے فرمان کے کچھ شاہ اودھ کو بھی لکھا ہوگا جو خود شیعہ تھے۔ اور مرزا حیدر نے ضرور بادشاہ دہلی کو ان سے ملکر فتح پانے کی امید دلائی ہوگی۔

ایک سال بعد معتبر خبر ملی تھی کہ مرزا نجف ایران گیا ہے۔ جو مرزا حیدر کا بھائی اور بادشاہ دہلی کا بھتیجا تھا۔ مولوی بکر کی بتائی ہوئی یہ خبر بھی اخبار میں شائع کی گئی تھی کہ مرزا سے شاہ ایران نہایت عمدگی سے پیش آیا۔ میں نے مرزا علی بخت سے جو مرزا نجف کا بڑا گہرا دوست تھا۔ دریافت کیا کہ آیا مرزا نجف بادشاہ دہلی کا کوئی خط شاہ ایران کے پاس لیکر گیا ہے۔ اس نے اس کی تصدیق کی اور بتایا کہ خط کا مضمون یہ تھا کہ بادشاہ دہلی نے شیعہ مذہب قبول کر لیا ہے اور آپ ان کی امداد کیجئے۔ مزید براں اس خط میں بادشاہ دہلی نے اپنی خراب حالت کا شکوہ کیا تھا۔ اور مفلوک الحالی ظاہر کی تھی۔ مرزا علی بخت نے ساتھ ہی یہ بھی

کہا کہ ابھی تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا ہے۔ چند ماہ بعد شیدی قنبر نے حج کی تیاری کی۔ اور مکہ جانے کی اجازت چاہی پیرزادہ حسن عسکری کی معرفت رخصت مل گئی اور زاد راہ کے لئے کچھ خرچ بھی دیا گیا۔ اس کے چند ماہ بعد جاٹ مل ملازم گورنمنٹ برطانیہ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا دراصل شیدی قنبر حج کرنے گیا ہے۔ اس نے پھر کہا کہ مجھے یقین نہیں کہ وہ حج کو گیا ہو بلکہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ایران گیا ہے۔ میں نے کہا مجھے علم نہیں لیکن خواجہ سراؤں سے خفیہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دراصل وہ ایران گیا ہے۔ اور پیرزادہ حسن عسکری کی معرفت رات کے وقت اسے چند کاغذات دیئے گئے تھے جن میں بادشاہ دہلی کی مہر ثبت تھی۔ اس سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ شیدی قنبر مرزا نجف کے پاس گیا تھا کہ پچھلی خط وکتابت کا جواب لائے۔ یہ تمام حالات سلیموں سے پوشیدہ رکھے گئے تھے۔ اور میں بھی ان میں شامل تھا) کیونکہ بادشاہ کا مذہب مرزا حیدر نے تبدیل کرادیا تھا۔ اس کا ذکر بھی کرنا چاہیے۔ کہ بادشاہ دہلی ان تمام خبروں کے سننے کے مشتاق رہتے تھے جو ایران اور بوشہر سے تعلق رکھتی تھیں۔

مرزا حیدر کوئی معمولی آدمی نہیں تھا بلکہ وہ بادشاہ دہلی کا خاص رشتہ دار یعنی بھتیجہ تھا۔ اور لکھنؤ سے ایک ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ پاتا تھا۔ وہ خاندانی شیعہ تھا اور اس کے دادا سلیمان شکوہ اور اس کے والد جان بخش دونوں شیعہ مذہب کے تھے۔ ان کے مذہب میں یہ بڑا ثواب ہے کہ غیر مذہب والے کو اپنا ہم مذہب بنا لیا جائے۔ علاوہ ازیں اس نے دنیاوی فائدہ کو بھی نظرانداز نہ کیا ہوگا۔ جو اسے تین ہم عقیدہ بادشاہوں کے ہونے سے حاصل ہو سکتے تھے۔ یعنی بادشاہ دہلی و لکھنؤ و ایران۔

اس میں شک نہیں کہ شاہ ایران سے خط وکتابت کرنے کی تجویز سب سے پہلے مرزا حیدر نے بتائی تھی جس نے اپنا ذاتی نفع بھی سوچا تھا۔ اور یہ بھی خیال

کرلیا ہوگا۔ کہ بادشاہ دہلی کے شیعہ ہونے کا حال شاہ ایران کو بذریعہ اخبارات مرزا نجف کے جانے کے قبل ہی معلوم ہو جائے۔ تاکہ بادشاہ اس سے خاطر و مدارات سے پیش آئے۔ بہادر شاہ بادشاہ اپنے پولٹیکل منصوبوں کو پوشیدہ رکھنے کی بہت کم پرواہ رکھتے تھے۔ ان کے معمولی معمولی ملازم ان پر اچھا خاصہ اثر رکھتے تھے۔ چنانچہ خواجہ سراؤں سے کچھ بھی مخفی نہیں تھا۔ کیونکہ وہ ہر ایک مقام پر جاسکتے تھے۔ بادشاہ اپنی بیگمات کو پولٹیکل معاملات میں شریک کرتے تھے۔ اور ان کی سنتے تھے۔ چنانچہ زینت محل بیگم کے خوش کرنے کو انہوں نے اس کے لڑکے مرزا جوان بخت کو اپنا ولیعہد بنانا چاہا تھا۔ حالانکہ وہ بالکل کم سن اور اس مرتبہ کے لائق نہ تھا۔ خواجہ سراؤں کے قبضے میں تمام راز رہتے تھے۔ کیونکہ انہیں کہیں جانے کی ممانعت نہ تھی حتیٰ کہ خلوتخانوں میں بھی بیدھڑک جا سکتے تھے چنانچہ محبوب علی خواجہ سرا بادشاہ کے تمام معاملات کا مختار تھا۔

میں نے وہ خط کبھی نہیں پڑھا جو بادشاہ دہلی نے شاہ ایران کو لکھا تھا۔ البتہ جو کچھ سنا تھا من وعن بیان کر دیا۔ میرے خیال میں بادشاہ دہلی نے ضرور مالی اور فوجی امداد چاہی ہوگی۔ بادشاہ روپیہ کی پرستش کرتے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ طمع میں پڑکر باوجود ضعیف العمری کے اپنا مذہب تک تبدیل کر دیا تھا۔

میں نے کبھی نہیں سنا کہ شاہ ایران کے خط میں دیسی فوج کو گورنمنٹ سے باغی کرانے کی تجویز بادشاہ نے کی ہو۔ اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کیا گیا ہوگا۔ کیونکہ اس وقت ایسا چرچہ نہیں تھا۔ بادشاہ دہلی نے صرف ایران سے قرابت کرنے کا خیال کیا تھا۔ مجھے خواجہ سراؤں سے معلوم ہوا تھا۔ اور اسی وقت ان پر مہر ثبت کی گئی تھی۔ اور شیدی قنبر کو وکیر ہدایت کی گئی تھی۔ کہ انہیں لیجا کر مرزا نجف کو دیدے۔ اور گذشتہ خط کا اور اس کا جواب لائے۔

میں جانتا ہوں کہ ان کاغذات میں جو شیدی قنبر کو دیئے گئے تھے۔ کوئی نئی
ت نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو خواجہ سرا ضرور بتاتے۔ شیدی قنبر ایران روانہ ہو گیا۔ اور
س کے بعد اخباروں میں شائع ہوا کہ مرزا نجف ایران پہنچ گیا ہے۔ شیدی قنبر کے جانے
ے ایک سال بعد صوبہ اودھ گورنمنٹ برطانیہ کے زیر نگیں آگیا۔ اور ہنومان گڑھی
ا بھی شیدی کی روانگی کے بعد ہنگامہ ہوا تھا۔

بہادر شاہ گورنمنٹ کی مرضی کے موافق نہیں تھے۔ گورنمنٹ کا خیال تھا۔ کہ
ہ کی وفات کے بعد قلعہ کو شاہی خاندان سے خالی کرالیا جائے گا۔ اور گورنمنٹ کا
ارادہ مرزا فتح الملک کو ولیعہدی ملجانے کے بعد ظاہر ہوا تھا۔ اس وجہ سے بادشاہ
ر کہا کرتے تھے کہ مرزا فتح الملک (جن کی جانشینی کے بادشاہ مخالف تھے) کو اپنی
یعہدی پر خوشی منانے کا بہت کم موقعہ ملا ہے۔ کیونکہ بادشاہ کے بعد انکے جانشین
کچھ اختیار نہ رہیگا۔ نہ اسے قلعہ میں رہنے دیا جائیگا۔

ایران کی لڑائی کے دوران میں بعض شہزادوں کا خیال تھا کہ اگر روس نے
ران کی مدد کی ہوگی تو انگریزوں کو ضرور شکست فاش ہوگی۔ اور ایرانی ضرور
ندوستان کے مالک ہوجائیں گے۔ بادشاہ کو بھی اس رائے سے اتفاق تھا۔
ں نے کبھی نہیں سنا کہ مرزا نجف نے ایران سے کوئی خط لاکر دہلی میں پہونچایا
۔ البتہ (اگر کوئی خبر بھیجی ہو) تو اپنے بھائی مرزا حیدر کو براہ راست
ہنو بھیجی ہوگی۔

جب بادشاہ کو ایران سے مدد پہونچنے کی امید تھی تو انہوں نے ہندوستانی
یان ریاست پہ اثر قائم رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ اور اس کا
سب یہ ہے کہ مرزا حیدر جب سے یہاں سے گیا۔ تو پھر واپس نہ آیا اور یہی
ص سازشوں کا بانی مبانی تھا۔ پہلے اس نے ہی شاہ ایران کو خط روانہ کرنے

کی صلاح دی تھی۔

بادشاہ لارڈ ایلنبروف کے مخالف تھے۔ کیونکہ انہوں نے مرزا جوان بخت کو ولیعہد نہ کرکے مرزا فتح الملک کو تخت نشینی دیدی تھی حکومت برطانیہ سے پالیسی اور افسر سے عموماً وہ ناخوش نہ تھے۔ اور مذہب مسیحیت کے دشمن تھے۔

مرید کرنے کی وجہ سے بادشاہ بہ نسبت دنیاوی رہنما ہونے کے دینی رہنما زیادہ مانے جاتے تھے۔ صرف فوجی لوگ ہی ان کے مرید نہ ہوتے تھے۔ بلکہ ان کو توہزاروں آدمی اپنا پیشوا ماننے لگے تھے۔ یہ رسم بہت قدیمی ہے۔ بہادر شاہ کے والدماجد بھی مرید کیا کرتے تھے۔ اور بادشاہ نے سرخ رنگین رومال دینا خود ایجاد کیا تھا۔ پیرزادگان دہلی نے جو شاہان دہلی کے روحانی مسلم تھے۔ لوگوں کو تعلیم دی تھی کہ بادشاہ روحانی معاملات میں زمین پر روحانی خلیفہ الٰہی ہوتا ہے۔ اور اس کی پیشوائی ہر طرح مسلم ہے۔

> میرے نانا حضرت حضرت خواجہ شاہ غلام حسن صاحب نے ایک روز حکیم صاحب کے سامنے بادشاہ سے اس قسم کا ذکر کیا تھا۔ کہ بادشاہ اسلام خلیفہ کا درجہ رکھتا ہے۔ مگر یہ کوئی تعلیم نہ تھی۔ اور بادشاہ خود اس کو جانتے تھے اور یہ اسلام کا مسلمہ مسئلہ ہے۔ (حسن نظامی)

علاوہ ازیں اس میں ایک فائدہ عظیم یہ ہے کہ مرید اپنے پیر کے تمام دنیاوی اور دینی احکام قبول کر لیتا ہے سب سے پہلے بادشاہوں میں مرید کرنے کا رواج بہادر شاہ کے والد نے قائم کیا تھا۔ اول الذکر نے بہت سے لوگوں کو مرید کر لیا تھا۔ اور مریدوں سے صرف ایک سلسلہ میں بیعت لیتے تھے میں نے کبھی نہیں سنا کہ جن سپاہیوں نے بادشاہ سے بیعت کی تھی۔ ان کے ہاں ملازمت بھی کی ہو۔ غدر سے پہلے کوئی مرید نہیں آیا۔ اور نہ کسی کو سرخ رومال دیا گیا۔ مزید برآں پانچ مہینہ تک زمانہ

قیام دہلی میں کوئی سپاہی بیعت کے لئے بھی حاضر نہیں ہوا۔ بلکہ مرزا مغل کے ضبط شدہ کاغ
میں بھی کسی مرید کی کوئی ایک درخواست بھی دستیاب نہیں ہوئی اور نہ ان کا تذکرہ پایا گیا
اور یہ کاغذات میری نظر سے گزر چکے ہیں۔ کارتوس کے ہنگامہ کے بعد پانچ مہینے تک
کوئی شخص آ کر مرید نہیں۔ اگر کوئی ہوتا تو مجھے ضرور معلوم ہوتا۔ ہمیشہ مسلمان ہی بادشاہ کے
مرید ہوتے تھے۔ اور کسی ذات کا کوئی شخص مرید نہ ہوتا تھا۔

میں نے نہیں سنا کہ بادشاہ نے ہندوستانی فوجوں سے کوئی خط و کتابت
کی ہو۔ لیکن وہ دیسی فوج کی نسبت جب کبھی کہیں لڑائی ہوا کرتی۔ تو متفکرانہ ط
سے دریافت کیا کرتے تھے۔ اور چونکہ وہ گورنمنٹ برطانیہ سے ناخوش تھے
اس لئے اس کی زک اور ہزیمت کی خبریں شوق سے سنتے تھے۔ ان کا خیال تھا
کہ ماسوا برطانیہ کے جو حکمراں آئے گا۔ وہ ان سے بوجہ نسل شاہی ہونے کے نہایت
عزت و توقیر سے پیش آئے گا۔ مگر تھوڑے دنوں بعد ان کو یقین ہو گیا۔ کہ گورنمنٹ برطا
کی تباہی کے ساتھ ہی ان کی خوش اقبالی بھی ان کے ہاتھوں سے چلی جائیگی۔

مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ لیکن میں یقین کرتا ہوں کہ الحاق پنجاب کے
بسبب موقوفی بھتہ کے دیسی رجمنٹوں کی بغاوت کی خبر بادشاہ کو پہونچی تھی۔
اور مجھے وہ مہینہ تو یاد نہیں جبکہ کلکتہ کی رجمنٹ کے سب سے پہلے نئے کارتوس
لینے سے انکار کرنے کی خبر پہونچی تھی۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے۔ کہ کلکتہ کے کسی اخبا
سے اطلاع موصول ہوئی تھی۔ اور جب کارتوسوں کا چرچہ جا بجا پھیلا ہو
تھا۔ تو یہ قیاس کیا گیا تھا کہ جتنا زیادہ چرچہ ہو رہا ہے۔ اتنا ہی جوش و غضب
ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل جائیگا۔ اور دیسی فوج برطا
کو تاراج کر کے اس کی حکومت کا خاتمہ کر دے گی۔ اس وقت بادشاہ نے ظاہر کیا
تھا۔ کہ اس وقت ان کی حالت نہایت عمدہ ہو گی۔ کیونکہ جو طاقت حکمراں ہوگی و

ان کی قدر و منزلت کرے گی۔

خاندان شاہی کے شہزادے کہا کرتے تھے کہ بہ سبب قلت روپیہ فوج یا تو نیپال چلی جائے گی۔ یا ایران۔ مگر بادشاہ کے پاس نہ ٹھہر گی

گو نئے کارتوسوں کا اجراء ظاہری بغاوت کا باعث مانا جاتا ہے مگر دراصل ایسا نہیں ہوا۔ دیسی فوج کے بعض افراد بہت روز سے اس کی کوشش کر رہے تھے۔ کیونکہ گورنمنٹ برطانیہ سے ناخوش تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ ان سے بہت جابرانہ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ نئے کارتوسوں کا بہانہ اپنے حسب مطلب پاکر انہوں نے اپنا کام نکالا۔ انہی باغیوں اور سازشیوں نے اسے اپنے اغراض کی ٹٹی بنا کر اور کچھ اور مذہبی عنصر ملاکر تمام فوجوں کو حکمرانوں سے برگشتہ کر دیا۔ نیز انہیں یقین تھا۔ کہ انہی کی بدولت گورنمنٹ قائم ہے۔ اور گورنمنٹ ان سے نہیں لڑ سکتی۔ عام لوگ (اصلیت سے) بالکل بے بہرہ تھے۔ اور خیال کرتے تھے۔ کہ گورنمنٹ نے ہمارے مذہب کو برباد کرنے کی ٹھانی ہے۔ اور دراصل یہی امر غور طلب ہے۔ کیونکہ کمانڈر انچیف نے خود تہیہ کیا تھا۔ کہ وہ دو سال میں تمام ہندوستان کو عیسائی کریں گے۔ اور اسی وجہ سے باغیوں کی عیارانہ چال چل گئی۔ اور ناواقف پبلک نے ان کی بات کو سچ جانا۔

میرے خیال میں تو دیسی فوج بہت پہلے سے گورنمنٹ کی مخالف تھی۔ اور اگر نئے کارتوس جاری بھی نہ کئے جاتے۔ تاہم وہ بغاوت کا کوئی دوسرا بہانہ ڈھونڈھ لیتی۔ کیونکہ اگر سپاہیوں کو محض مذہبی وجوہات مانع ہوتے تو وہ فوراً نوکری

لے انسانی خیالات گاہے گاہے پاکیزہ ہوتے ہیں۔ سپاہیوں کو یقین تھا کہ ان کا مذہب خطرہ میں ہے اور اس کی حمایت میں وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ گر ملازمت ترک کر دیتے تو یہ ہوتا مذہب اور عہدہ ان کو ایسا کرنے سے روکتے تھے۔ (احسن اللہ خاں)

چھوڑ دیتے۔ اور اگر انہیں ملازمت کرنی ہوتی۔ تو وہ بغاوت نہ کرتے۔

بادشاہ کا خیال تھا کہ گورنمنٹ لوگوں کے مذہب میں مخل ہونا چاہتی ہے۔ مگر میں سمجھا دیا کرتا تھا۔ کہ یہ صرف بدمعاشوں کی اڑائی ہوئی بات ہے۔ اور انگریز بڑے عقلمند ہیں۔ وہ ایسا کوئی کام نہ کریں گے جس سے کسی کے مذہب میں مداخلت ہو۔ اور وہ کسی فوج کو جس سے عمدہ خدمات کی توقع رکھتے ہوں کبھی صدمہ نہ پہونچائیں گے۔ جب کبھی میں سمجھاتا بادشاہ میری رائے سے اتفاق کرتے۔ مگر پھر خواجہ سراؤں اور مصاحبوں کے بہکانے سے اپنے دیرینہ خیال پر آجاتے تھے۔

میری موجودگی میں میرٹھ سے کوئی خبر موصول نہیں ہوئی تھی۔ دوشنبہ کو طلوع آفتاب کے بعد ایک والنٹیر سپاہی جو لاہوری دروازہ پر تعینات تھا۔ آیا۔ اور دیوان خاص کے خدمتگاروں سے کہا کہ میرٹھ میں سرکاری فوجوں نے بغاوت کر دی ہے۔ اور وہ بہت جلد دہلی پہونچنے والے ہیں۔ اس خبر کے ایک گھنٹہ بعد ہی دہلی چھاونی کی رجمنٹ قلعہ میں گھس گئی۔ اور اس کے بعد میرٹھ کی فوج آئی۔

میری موجودگی میں کبھی ایسا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ کہ میرٹھ میں کارتوسوں سے انکار کرنے کی بنا پر سپاہیوں کو کورٹ مارشل ہوا ہے۔ اور یہ غیر ممکن نہیں ہے کہ پانچ یا چھ روز بعد بذریعہ اخبارات معلوم ہوگیا ہو۔

مجھے یقین نہیں ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کی طرف سے تحقیق حالات کے لئے میرٹھ بھیجا گیا ہو۔ نہ میں نے سُنا کہ زینت محل نے میرٹھ کسی کو روانہ کیا ہے۔

بادشاہ کو اس وقت حیرت ہوئی جب یک بیک فوجیں ان کے پاس آگئیں مجھ کو خود تعجب تھا کہ بغیر اطلاع اور بے نشان و گمان یہ کیونکر آگئیں۔ تاہم جب سے کارتوسوں کا ذکر سنا تھا یہ خیال کر لیا تھا۔ کہ کچھ نہ کچھ آفت ضرور آ کر رہے گی

اسی روز شام کو جبکہ فوجیں آئی تھیں۔ میں نے بادشاہ کو سمجھا دیا تھا کہ ایسے لوگوں سے بھلائی کی امید رکھنا بے سود ہے۔ جنہوں نے اپنے مالکوں سے بغاوت کی ہو۔ اور پھر میں نے لفٹنٹ گورنر آگرہ کو بادشاہ کی طرف سے لکھ دیا تھا۔ اور اطلاع دیدی تھی۔ کہ فوجوں نے اپنے انگریز افسروں کو قتل کر ڈالا ہے اور بادشاہ کی بے بسی کا ذکر کرکے مدد طلب کی گئی تھی۔

صبح مجھے بادشاہ سے دوبدو ہوکر گفتگو کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ کیونکہ قلعہ فوجوں سے بھرا پڑا تھا۔ اور میں کوئی گفتگو نہیں کر سکتا۔

بادشاہ باغیوں کی آمد کے لئے پہلے سے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ جب میں نے اور غلام عباس وکیل نے آکر کہا کہ قلعدار صاحب اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے درخواست کی ہے کہ دو توپیں لاہوری دروازہ پر اور دو پالکیاں کپتان ڈگلس کے مکان پر پہونچادی جائیں۔ تو انہوں نے فوراً حکم دیدیا اور کچھ عذر نہ کیا۔

کوئی نہیں بتا سکتا کہ چپاتیوں کی تقسیم کا کیا مطلب تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ سب سے پہلے یہ تدبیر کس نے نکالی تھی۔ قلعہ کے تمام لوگ حیرت میں تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اور میں نے بذات خود بادشاہ سے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی مگر دیگر لوگ ان کے روبرو اس کا چرچہ کرتے اور متحیر ہوتے تھے۔ کہ یہ کیا اسرار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چپاتیوں کی ابتدا فوجوں میں صوبہ اودھ سے شروع ہوئی تھی۔ پہلے پہل میں خود حیرت میں تھا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ مگر سمجھتا تھا کہ یہ کسی خاص معاملہ کی طرف دلالت کرتی ہیں۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ چپاتیوں کی ایجاد فوج سے ہوئی جو کسی رمز کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ بعض کا اعتقاد تھا کہ ان میں کچھ جادو ہے۔ کیونکہ وہ تمام ملک میں پھیل گئی تھیں۔ مگر پتہ نہیں چلا کہ کس جگہ سے

پہلے بکی تھیں۔ اور ابتدا اُس شخص نے کی۔ بعض کا قیاس تھا۔ کہ کسی کامل بزرگ کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ تاکہ ملک کے لوگوں کا مذہب اچھوتا رہے۔ جس کی نسبت خیال تھا کہ گورنمنٹ خراب کرنا چاہتی ہے۔

مجھے افسران فوج سے معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے بغاوت اس وجہ سے کی کہ گورنمنٹ نے کارتوسوں میں چربی اور آٹے میں ہڈیاں ملائی تھیں۔ تاکہ لوگوں کا دہرم خراب ہو جائے۔ اور عموماً ان کے ہتھیار اٹھانے کا یہی سبب بتایا جاتا ہے۔ لیکن میں نے حیدر حسن سے جو دیسی افسروں کا گہرا دوست تھا۔ یہ سنا ہے کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم لوگ باہم متفق رہے تو گورنمنٹ کی فوجیں ہمیں شکست نہ دسکیں گی اور ایک روز ہم تاج و تخت کے مالک بن جائیں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ دیسی فوجوں نے ملک گیری کی ہوس میں بغاوت کی تھی۔ اور مذہب کی آمیزش صرف ان کے اصلی ارادوں کی پردہ پوشی تھی۔ اگر وہ مذہب کے لئے لڑ رہے ہوتے تو کبھی لوگوں کے مکانات نہ لوٹتے۔ اور طرح طرح کے ظلم نہ کرتے بلکہ صرف گورنمنٹ برطانیہ سے سرگرم جدال رہتے۔ بغاوت کرنے کے بعد مفسد فوجیں اکثر کہا کرتی تھیں۔ کہ اب وہ تاج و تخت کی مالک ہیں۔ اور مختلف شہزادوں کو مختلف صوبہ جات میں لیجا کر حکومت دینگی۔

نمبر ۳۷۔ دیسی پیادہ رجمنٹ نے کہا کہ انہوں نے غدر سے قبل ہی میرٹھ کی فوجوں سے مشورہ کر لیا تھا۔ اور تمام چھاؤنیوں سے بذریعہ خط و کتابت طے کر لیا تھا۔ کہ سب دہلی میں آکر جمع ہوں۔ دیسی پیدل کے اس بیان سے مجھے خیال گذرا کہ دہلی کے سپاہیوں کے نام جو خطوط موصول ہوتے تھے۔ ان میں اسی قسم کی باتیں ہوتی ہوں گی۔

دہلی کی باغی رجمنٹوں نے کئی اور رجمنٹوں کو اپنے ہمراہ شامل کرنے کے لئے

تحریر کیا تھا۔ اور بادشاہ نے بیشک باغی افسروں کی درخواست پر جھجر، فیروزپور وغیرہ کی فوجوں کو آ کر شامل ہونے کے احکام جاری کئے تھے۔ دہلی کے باغیوں کے خطوط کا مضمون بالعموم یہی ہوتا تھا۔ کہ "ہم میں کے بیشمار یہاں آ گئے ہیں۔ کیا تم بھی حسب وعدہ فوراً آ و گے"۔ باغی افسروں کی استدعا پر بادشاہ منشیوں کو حکم دیدیا کرتے تھے۔ کہ جیسا وہ (افسر) چاہیں لکھ دو۔ فوج کی بغاوت کے متعلق میں اور کچھ نہیں سکتا۔ جو کچھ مجھے معلوم تھا۔ وہ بتا دیا۔

قبل از بغاوت فوجوں نے طے کر لیا تھا۔ کہ اپنی اپنی چھاونی کے انگریز مرد و عورت کو اور بچوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ مگر میں مفصل نہیں بتا سکتا۔ کہ انہوں نے کیا بندوبست کیا تھا۔ اتنا میں جانتا ہوں کہ ان کی جملہ تدابیر اس وقت کی تیار کردہ نہیں تھیں۔ جب ہنگامہ برپا ہو چکا تھا۔

میں نے نہیں سنا کہ باغیوں نے اپنا کام شروع کرنے کے لئے کوئی خاص تاریخ مقرر کی ہو۔ اگر کی ہوتی تو ان کے خطوط میں ضرور اس کا حوالہ ہوتا حالانکہ کسی خط میں کچھ نہیں تھا۔ میرا مدعا اس قسم کے حسب ذیل جملوں سے ہے۔

تم نے فلاں تاریخ کو بغاوت کا وعدہ کیا تھا لیکن تم اب تک نہیں آئے۔ پس تم نے اپنا وعدہ وفا نہ کیا۔

میں نے ہنگامہ برپا ہونے کا اوپر ذکر کیا ہے۔ میرا مقصد میرٹھ کے ہنگامہ سے ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ہنگامہ مذکور اچانک نہیں برپا ہوا۔ بلکہ عرصہ دراز سے تدبیریں بخت و پز ہو رہی ہونگی۔

میرٹھ کی بغاوت کا دفعتاً ہو جانا اس سبب سے ہوگا کہ ان کو انگریز افسروں کے جبر و انتقام کا خوف تھا۔ چنانچہ گلاب شاہ افسر کیولرائی نمبر ۳۔ میرٹھ یہاں آ کر بیان کرتا تھا کہ انہوں نے (گورنمنٹ نے) فوجوں کو بے ہتھیار کر دیا ہے۔ اور

سوانح کو ماخوذ کر لیا ہے۔

نئے کارتوسوں کے ساتھ ہی سپاہیوں کو اور کئی تکالیف درپیش تھیں جب سے ان میں گورنمنٹ کی طرف سے بدظنی پیدا ہو گئی تھی۔ فوجوں کو کم رخصت ملنے لگی تھی۔ بھتہ بند کر دیا گیا تھا۔ فوجوں کو جہازوں پر سمندروں میں روانہ کیا جاتا تھا۔ وغیرہ۔ لیکن انہوں نے سب سے بڑھ کر اپنی بغاوت کا باعث اجرائے کارتوس قرار دیا تھا۔ ان کی دیگر تکالیف پر چنداں التفات نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور اس کا سبب بالکل روشن ہے یعنی کارتوس کو بدنام کرنے سے انہیں ایک مذہبی موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔ اور انجان لوگوں کو پورا یقین تھا کہ بیشک وہ مذہب کے لئے لڑ رہے ہیں۔

باغی گورنمنٹ برطانیہ کے لئے بہت حقارت آمیز الفاظ استعمال کرتے تھے۔ وہ انہیں نصاریٰ[1]۔ کفار۔ وغیرہ ناموں سے یاد کرتے تھے۔ لیکن بالکل پایۂ ثقاہت سے گرے ہوئے الفاظ استعمال نہ کرتے تھے۔ وہ اکثر کہتے تھے کہ گورنمنٹ کسی رئیس کو کچھ زمین یا کوئی علاقہ نہ دے گی۔ اور ہندوستانیوں سے مہربانی سے پیش نہ آئے گی۔

دیسی فوج میں ہندو مسلمان دونوں گورنمنٹ سے ناخوش تھے۔ مگر شہر میں (دہلی میں) مسلمان بہ نسبت ہندوؤں کے زیادہ ناراض تھے۔ اور ان کی ناراضگی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ بقرعید کے موقع پر گاؤکشی کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ اور مقامی حکام کا فیصلہ مسلمان آبادی کے موافق نہ ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی مشہور تھا۔ کہ گورنمنٹ سؤر کا گوشت کھلا کر ہندوستانیوں کو عیسائی بنانا چاہتی ہے۔

---

[1] نصاریٰ کا لفظی ترجمہ نزارین (شہر نزارتھ سے ہے) اور عیسائی ہے لیکن صرف عیسائیوں کیلئے مستعمل ہے

بعد ازاں یہ افواہ ہوئی کہ نمبر ۱۱ - دیسی پیدل سپاہیوں نے اپنے افعالِ شنیع سے توبہ کی ہے۔ اور ان کی توبہ کا ثبوت یہ ہے کہ مخفی طور پر وہ رجمنٹ سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ حالانکہ بات یہ تھی کہ بعض لوگوں نے ترقی تنخواہ اور سرفرازی عہدوں کے لئے اپنے افسروں کو درخواستیں دی تھیں۔ چونکہ ان کی درخواستیں نامنظور کی گئیں۔ اس وجہ سے وہ نوکری چھوڑ کر چلے گئے۔

شہزادے یا اہل قلعہ پہلے سے آگاہ نہیں تھے۔ کہ دہلی والنٹیر رجمنٹ نے گورنمنٹ کے برخلاف میرٹھ کی فوجوں سے سازش کی ہے۔ یہ صرف اس وقت آشکارا ہوا جب باغی فوجوں کے افسروں نے دہلی میں اس کا تذکرہ کیا۔ میرے خیال میں ہندوستانی رؤسار اور سپاہیوں کے مابین بغاوت کے قبل کوئی خط وکتابت نہیں تھی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رؤسار کے خطوط میں ضرور کچھ نہ کچھ اشارات ہوتے۔ مزید برآں باغی فوجوں کا کچھ حصہ ان والیان ریاست کے پاس چلا جاتا جو سازش میں شریک ہوئے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ لہذا میرے خیال میں باغیوں نے خود ہی اپنی مرضی سے ہنگامہ برپا کیا۔ کسی والیٔ ملک کی تحریک پر نہیں۔ کیونکہ موخرالذکر حالت میں یا تو خود باغی ہی جا کر اپنے محرکوں سے مل جاتے یا انہیں شرکت کرنے کے لئے طلب کرتے۔

دیہاتی باشندوں پر باغی فوجوں کا کچھ اثر نہیں تھا۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ان سے بہت نرمی سے پیش آتے نہ کہ ان کے مکانات کی لوٹ مار اور ان پر جبر و تعدی روا رکھتے۔ ہنگامہ برپا کرنے کے پیشتر باغی دہلی کی مسلمان آبادی سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ اگر ملے ہوئے ہوتے دہلی کے مسلمانوں پر ایسا ستم نہ توڑتے جیسا کہ انہوں نے توڑا۔

شہر کے رذیل طبقوں کو تحریک کی ضرورت نہ تھی۔ اسوقت کی ہل چل اور

محشر خیزی نے انہیں سپاہیوں سے متفق ہونے کی جرائی تھی۔ میرا خیال ہے کہ گوجروں اور سپاہیوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن سپاہیوں نے بعد میں دہلی کے قرب وجوار میں رہنے والے چند گوجروں کو بادشاہ سے دو نقارے دلوائے تھے۔ جو انگریزی کیمپ کی رسد لوٹ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک شخص راؤ نامی کو ضلع بلند شہر میں سکندرہ کے متصل ایک نقارہ عطا کیا گیا تھا۔ جو اسی منصب پر مامور تھا۔

دوران ہنگامہ میں حکومت انگریزی کو برا اور خراب نہیں کہا گیا جن لوگوں نے سپاہیوں کا حد سے بڑھا ہوا ظلم دیکھا تھا۔ وہ کیونکر حکومت انگریزی کے خلاف کہہ سکتے تھے۔

کیولرائی افسروں میں گلاب شاہ پیدل رجمنٹوں میں افسران الگزنڈر رجمنٹ بادشاہ کے ملازموں میں شیدی ناصر خاں اور بسنت خواجہ سرای خاص اشخاص تھے جنہوں نے انگریزوں کے قتل کی تحریک کی۔ سبب یہ ہے کہ گلاب شاہ اور اس کی جماعت باغ حیات بخش میں مقیم تھے۔ اور شاہی ڈیوڑھی پر خواجہ سراؤں کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے۔

میں نے اس معاملہ میں بادشاہ سے گفتگو کی تھی۔ اور اس وقت خواجہ سرای موجود تھے۔ ان لوگوں نے (خواجہ سراؤں نے) گلاب شاہ کی درخواست پر انگریزوں کے قتل کا حکم دینے کے لئے التماس کیا۔ اور میں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ دنیوی فوائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی ان کا رہا کر دینا زیادہ مفید ہوگا۔ اور پھر میں نے ان سے کہا کہ مفتیان شرع سے عورتوں اور بچوں کے خلاف قتل کا فتوے لے کر افسران کو دکھائیں۔ اور یہ بھی سمجھایا کہ انہیں اگر حوالات میں رکھا جائے تو کسی

محفوظ مقام پر اپنے ہی بچوں جیسا سمجھا جائے۔ اور اس کے نتائج بھی جتا دیئے جائیں اور سردار محمد اکبر خاں والی کابل کی نظیر پیش کی جنہوں نے دوران جنگ کے گرفتار شدہ انگریزوں کو بچا یا تھا۔ اور اسی سبب سے امیر دوست محمد خاں۔ (محمد اکبر خاں کے والد) کو کس طرح آزادی ملی۔ جو انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے تھے میری ہی باتوں کا اثر تھا کہ بادشاہ۔ نے انگریزوں کے قتل کو منسوخ کر دیا۔ اور دو روز تک یہی حالت رہی۔ لیکن بعد میں درخواست کنندوں نے بادشاہ پر بہت زور ڈالا کہ وہ اس کی منظوری دیں۔ اور خواجہ سرا یعنی بسنت و ناصر نے قیدیوں کو گلاب شاہ کے حوالہ کر دیا جس نے لب حوض لیجا کر قتل کر ڈالا۔

اگر بادشاہ ان بچوں اور عورتوں کو اپنے زنانخانے میں رکھتے اور سپاہیوں کے مطالبہ کرنے پر سمجھا دیتے کہ پہلے وہ ہماری عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالیں۔ تو اغلب تھا کہ سپاہی حرم سرائے شاہی میں گھس کر جبراً قیدیوں کو نہ نکال سکتے اور قتل کرنے کی جرات نہ کرتے۔

اگر بادشاہ نے جان بوجھ کر ایسا کہا اور کیا وہ اکثر سپاہیوں سے اپنے ارادے کی نسبت کچھ نہ کچھ کہا کرتے تھے۔ اگر بادشاہ کی منظوری نہ ہوتی۔ تو یہ ممکن نہ تھا۔ کہ سرکاری کاغذات میں بادشاہ کا نام ہوتا کہ انہوں نے منظوری دی۔

انسپٹ اور الکزنڈر رجمنٹوں کے افسر انگریزوں اور عیسائیوں کے سخت مخالف تھے۔ اور اگر گلاب شاہ بسنت و ناصر ہر دو خواجہ سرا قیدیوں کو قتل نہ کر دیتے۔ تو خود وہ لوگ جا کر عیسائیوں کے قتل کا مطالبہ کرتے لیکن میں نہیں جانتا کہ ان سے بھی بڑھ کر کوئی عیسائیوں کا دشمن جانی تھا۔ اور یہ عیسائی شیدی ناصر الہ داد خاں ولایتی۔ گلاب شاہ کے سواروں کے ہاتھوں تہ تیغ کئے گئے۔ جن میں کچھ بادشاہی ملازم بھی تھے۔ الہ داد خاں ولایتی بادشاہ کی ملازمت میں تھا۔

سب سے پہلے باقاعدہ سوار آئے۔ پھر والنٹیئر رجمنٹ دہلی قلعہ میں داخل ہوئی سواروں کے ہمراہ والنٹیئروں کی دو کمپنیاں تھیں۔ جو قلعہ کے دروازوں پر متعین کی گئی تھیں۔ والنٹیئر رجمنٹ کے افسروں نے چلاکر کہا "یہ میرٹھ سے آئے ہوئے سوار ہیں۔ اور دیسی پیدل بھی بہت جلد آنے والے ہیں۔ چنانچہ میں نے دہلی رجمنٹ کے افسروں کے اقوال سے استنباط کیا کہ دہلی اور میرٹھ کی رجمنٹوں میں گہری سازش تھی۔ دیگر چھاؤنیوں کے سپاہیوں کو ان لوگوں نے کبھی دہلی آنے کے خطوط یا احکام نہیں لکھے۔ البتہ صرف ان کے خطوط میں یہ تحریر ہوتا تھا کہ "کیا تم بھی آتے ہو"

میرے خیال میں کئی وجوہات ہیں جن کی بنا پر باغیوں نے دہلی کو منتخب کیا۔

اول۔ دہلی میرٹھ سے جہاں سے بغاوت اٹھنے والی تھی۔ بالکل نزدیک تھی اور میرٹھ کی فوجیں دہلی والی فوجوں کی ہم خیال تھیں۔

دوم۔ دہلی میں معقول خزانہ اور بافراط ذخائر حرب تھے۔

سوم۔ دہلی میں شہر پناہ تھی جس سے شہر بالکل محفوظ رہ سکتا تھا۔

چہارم۔ شاہ دہلی کے پاس فوج نہیں تھی۔ اور وہ کمزور و بیکس تھے۔

پنجم۔ بادشاہ کی شخصیت ایسی تھی جس کی توقیر اور فرمانبرداری ہر ہندو اور مسلمان فرض گردانتا تھا۔

فوجوں نے بادشاہ کو اپنے ارادہ کی کوئی اطلاع نہیں دی۔ اور نہ بادشاہ کو علم تھا کہ والنٹیئر رجمنٹوں نے میرٹھ کی فوجوں سے سازش کی ہے۔

میں نے نہیں سنا کہ اہل دہلی نے انعامات یا اراضی معافی کی ضبطی کی شکایت کی ہو۔ لیکن سپاہی کہا کرتے تھے۔ کہ گورنمنٹ رفتہ رفتہ تمام انعام اور وظیفے ضبط کرے گی۔ اور کسی کو فارغ البال نہ چھوڑے گی۔

الحاق اودھ کا دہلی میں بہت چرچہ ہوتا تھا۔ مگر دہلی کی اسلامی آبادی بسبب سنی ہونے کے اسے بری نگاہوں سے نہ دیکھتی تھی۔ نیز ان کے ایک مولوی امیر علی نامی کو مع چار پانچ سو سنیوں کے ہنومان گڑھی کے موقع پر بادشاہ اودھ کے حکم سے توپ کے منہ اڑا دیا گیا تھا۔ اور وہ لوگ تو کہا کرتے تھے کہ شاہ اودھ کو اتنے بے گناہ سنیوں کے خون بہانے کی سزا ملی ہے۔ جو اس کا ملک چھن گیا۔ دہلی کے ہندو باشندوں سے بھی میں نے کوئی ایسی بات نہ سنی جس سے معلوم ہو کہ وہ الحاق اودھ سے ناراض تھے۔ البتہ سپاہی کہا کرتے تھے۔ کہ جس طرح انگریزوں نے اودھ پر قبضہ کیا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ تمام ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ میں نہیں خیال کرتا کہ اسباب بغاوت میں الحاق اودھ بھی ایک سبب ہو۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ سپاہیوں کے اظہار خفگی و رنج کا کوئی محل ہی نہ تھا۔ کیونکہ ان کا کچھ کھویا نہیں گیا تھا۔ بلکہ برخلاف اس کے انہیں حکومت اودھ کے ظلموں سے نجات مل گئی تھی۔ جو سپاہی دہلی میں تھے۔ انہوں نے تو بالخصوص الحاق اودھ پر کبھی ناراضگی ظاہر نہیں کی۔ میں کہتا ہوں اگر الحاق اودھ نہ بھی ہوتا۔ تب بھی سپاہی بغاوت کرتے۔ کیونکہ ان کی تدابیر بار آور ہو چکی تھیں۔ لکھنؤ کی تین یا چار رجمنٹوں نے بادشاہ کو عرضی بھیجی تھی۔ کہ اودھ پر پورا قبضہ کر لینے کے بعد وہ دہلی کی طرف بڑھیں گی۔ اور انہوں نے انگریزوں کو بیلی گارڈ میں محصور کر لیا ہے قدرت اللہ خاں رسالدار ایک سو سواروں کے ساتھ تمام اودھ کی فوجوں کی طرف سے عرضی لے کر آئے تھے۔ اور جواں بخت کے ذریعہ دربار شاہی میں باریاب ہوئے تھے انہوں نے ایک سکہ بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ جو بادشاہ کے نام کا ڈھالا ہوا تھا۔ سکہ پر مندرجہ ذیل الفاظ کندہ تھے۔

"سراج الدین بہادر شاہ غازی"

عرضی دہندوں نے یہ بھی کہا کہ فی الحال فرزند واجد علی شاہ کو انہوں نے
ین کر دیا ہے۔ تاکہ وہ وزیر بہادر شاہ کی حیثیت سے رہے اور انکی فرمانبرداری
انہوں نے کہا کہ اس سے اس قسم کا اقرار نامہ بھی لکھوالیا گیا ہے کہ جب بادشاہ
ں ہوگی تب مستقل طور پر گدی نشین کیا جائیگا۔ بادشاہ نے بخت خاں کو حکم دیا
ی اور بندوبست کا ایک فرمان لکھ دیا جائے وہ سنہری اشرفیاں جنہیں قدرت اللہ
نے پیش کیا تھا۔ اور جن پر بادشاہ کا سکہ تھا۔ ابھی کمشنر صاحب دہلی کے قبضہ
وجود ہیں۔ میری دانست میں واجد علی شاہ نے ان کارروائیوں میں حصہ نہیں
اور اگر واجد علی شاہ و علی نقی خاں نے حصہ لیا ہوتا تو پوشیدہ نہ رہتا اور علاوہ
کے موخرالذکر لکھنؤ میں موجود نہ تھے۔ خود واجد علی شاہ اور ان کے فرزند کے
، ہوئے چھوٹا لڑکا کبھی گدی نشین نہیں ہوسکتا تھا۔

میرا خیال ہے کہ اودھ کی فوجیں بیلی گارڈ پر قبضہ کرنے کے بعد ہی دہلی روانہ
ہوئی ہونگی۔ بلکہ انتظام اودھ میں مصروف ہوگئی ہونگی۔ میں جانتا ہوں کہ واجد علی
کے فرزند کا حکم جسے باغیوں نے گدی نشین کیا تھا۔ برائے نام تھا۔

میں نے کبھی نہیں سنا کہ قیام کلکتہ کے زمانہ میں واجد علی شاہ (اور بادشاہ)
وئی خط و کتابت ہوئی ہو۔ نہ مجھے ایسا یقین ہے کہ ایسا ہوا ہوگا۔ علی نقی خاں
ی کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔ البتہ سابق میں کچھ عرصہ تک مرزا حیدر کی
طت سے ہوتی رہی تھی لیکن جب اس نے لکھنؤ میں مشہور کر دیا کہ بادشاہ دہلی
ذہب شیعہ اختیار کر لیا ہے۔ اور بادشاہ نے دہلی میں انکار کیا۔ کہ انہوں نے
کیا۔ تو مرزا حیدر نے بادشاہ کو لکھنا چھوڑ دیا۔ اور پھر دہلی بھی نہیں آیا۔ اور
شاہ دہلی و شاہ اودھ کا قاصد بھی مرزا حیدر تھا۔ اور وہ شاہ اودھ کے
ہ کلکتہ بھی نہیں گیا تھا۔ لہٰذا ان دونوں میں خط و کتابت نہیں ہوئی ہیں نے کسی

سپاہی سے نہیں سنا کہ خود بادشاہ اودھ یا ان کے کسی اہل خاندان نے انہیں بغاوت کی تحریک کی ہو۔ اودھ کی فوجوں کی نسبت اور کچھ میں کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ دہلی نہیں آئی تھیں۔

دوران بغاوت میں میں نے سنا تھا کہ مرزا حیدر لکھنؤ میں ہے مگر دیگر با اثر رؤساء کی طرح وہ بھی گورنمنٹ برطانیہ کے زیر نگیں بیلی گارڈ میں محصور ہے۔

دوران ہنگامہ میں بادشاہ دہلی اور مرزا حیدر میں کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی ان کے تمام تعلقات اسی روز سے منقطع ہو گئے جب کہ مرزا نے بادشاہ کا شیعہ ہو جانا لکھنؤ میں مشتہر کر دیا تھا۔ اب میں بیان کرتا ہوں کہ کن رجمنٹوں اور کن مقامات سے عرضیاں موصول ہوئیں۔

نیمچ

نیمچ کی فوج نے ایک درخواست بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی تھی کہ وہ آگرہ پہونچ گئے ہیں اور شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ مگر انگریز قلعہ بند ہو گئے ہیں جن کا محاصرہ کر لیا گیا ہے۔" آگے لکھا تھا کہ "ان کے پاس بھاری توپیں نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ دہلی آکر توپیں لیجائیں گے اور قلعہ فتح کریں گے۔ اپنی درخواست میں ذکر کیا تھا کہ وہ انگریز افسروں کو مار کر آگئے ہیں۔ یہ عرضی متھرا سے لکھی تھی اور غوث خان و ہیرا سنگھ صوبہ داران کی طرف سے تحریر کی گئی تھی۔ درخواست مذکورہ ایک شتر سوار لایا تھا۔ جو بخت خاں نے بادشاہ کے حضور میں پیش کی تھی۔ اور نیمچ فوج کی بہت تعریف بیان کی بادشاہ نے ایک حکم جاری کرنے کی ہدایت کی کہ وہ دہلی آجائیں۔ اور پھر ایک حکم لکھا گیا۔

جھانسی

قاصد نے جھانسی افواج کی درخواست لاکر خواجہ سرا قول کو دی جنہوں نے بادشاہ کے سامنے پیش کی۔ لکھنے والوں نے درخواست کی تھی۔ کہ ہم ...

اپنے انگریز افسروں کو مار ڈالا ہے۔ اور اب دہلی آنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے جواب میں یہ لکھدینے کی ہدایت کی کہ وہ آجائیں۔

دانا پور (دیناپور)

غدر کے ڈھائی ماہ بعد دہلی فوج کے افسر کے ذریعہ دیناپور کی ایک درخواست موصول ہوئی تھی جس میں لکھا تھا۔ کہ یا تو ہم لوگ روانہ دہلی ہوگئے یا ہونا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ آجانے کے لئے لکھ دیا جائے۔ میں یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ واقعی فوجیں آئیں یا نہیں۔

الہ آباد

دو سپاہی مسافروں کے بھیس میں آئے اور الہ آباد کی فوجوں کی درخواست پیش کی۔ جو غدر کے ڈیڑھ ماہ بعد افسران والنٹیر رجمنٹ کے ذریعہ بادشاہ کے حضور میں پہونچائی گئی۔ انہوں نے بادشاہ کی خیر خواہی کا اظہار کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ وہ دہلی آنا چاہتے ہیں۔ انہیں جواب بھیجدیا گیا کہ آجائیں۔

علیگڈھ

غدر کے ڈھائی ماہ بعد دہلی کے ایک فوجی افسر کی معرفت ایک درخواست پیش ہوئی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ قاصد کے ذریعہ آئی تھی یا بذریعہ ڈاک بہرحال مضمون یہی تھا۔ کہ عرضی دینے والے روانہ ہونے والے تھے۔ انہیں جواب لکھ دیا گیا کہ وہ آجائیں۔

متھرا

غدر کے بیس روز بعد قاصد متھرا سے ایک درخواست لایا تھا۔ جو والنٹیر رجمنٹ کے افسروں نے بادشاہ کے سامنے پیش کی۔ لکھنے والوں نے اطلاع دی تھی کہ وہ دہلی روانہ ہوگئے ہیں۔ اور اپنے ہمراہ ایک خزانہ لا رہے ہیں۔ حسب معمول

جواب دیا گیا تھا۔ تھوڑے عرصہ بعد یہ فوجیں ایک لاکھ روپیہ لیکر حاضر ہوئیں۔

بلند شہر

مرزا مغل نے ایک سپاہی کو جو بلند شہر کا تھا بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ وہ ایک درخواست ہمراہ لایا تھا جس میں مذکور تھا کہ فوجیں تمام خزانہ جوان کے قبضہ میں ہے لیکر دہلی آ رہی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ہمراہ تیس ہزار روپیہ لائی تھیں مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ دہلی آتے آتے وہ پاؤ حصہ خود ہضم کر چکی تھیں۔

روڑکی

مجھے یقین ہے کہ ایک سپاہی مسافر کے بھیس میں آیا تھا۔ اور رڑکی افواج کی طرف سے ایک عرضی ہمراہ لایا تھا۔ جو غدر کے ڈیڑھ ماہ بعد بذریعہ افسران نمبر ۵ رجمنٹ بادشاہ کے حضور پیش کی گئی۔ مضمون یہ تھا۔ کہ سائلان دہلی روانہ ہونے کے خواہش مند ہیں۔ اور دل وجان سے بادشاہ کی خدمت کرنی چاہتے ہیں حسب دستور جواب دیا گیا اور تقریباً ۳۰۰ خندق کھودنے والے مزدور قادربخش کی زیر کمان آئے مرزا خضر سلطان سے اور اس افسر سے بہت راہ ورسم تھی۔ اور بادشاہ پر بھی اس کا اچھا اثر تھا۔ وہ اکثر فوج کی روانگی کے وقت مشورہ کیلئے طلب کیا جاتا اور بخت خاں سے مل کر شہر کے ساہوکاروں سے روپیہ فراہم کرنیکا حکم حاصل کر چکا تھا۔

فرخ آباد

بخت خاں نے دہلی آتے وقت فوج کا کچھ حصہ فرخ آباد میں چھوڑ دیا تھا۔ غدر کے دو ماہ بعد بادشاہ کو حقیقت حال سے اس نے مطلع کیا۔

ہانسی

دو سوار ہانسی سے درخواست لائے جس میں تحریر تھا۔ کہ وہ لوگ بادشاہ کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ اور اب مذہب کی خاطر لڑنے کے لئے دہلی روانہ ہونے

آئے ہیں۔ مجھے خیال ہے کہ غالباً گلاب شاہ کمانڈر افواج میرٹھ نے بغاوت کے کچھ ہفتہ بعد یہ درخواست پیش کی تھی۔

سرسہ

سرسہ سے تین درخواستیں موصول ہوئی تھیں۔ ایک منجانب گوری شنکر منسٹر تکمیدر رجمنٹ" دوسری ایک کیولرائی رسالدار کی طرف سے جس کا نام یاد نہیں رہا۔ تیسری شہزادہ محمد عظیم متعلق محکمہ کمسریٹ کی تھی۔ ان میں انہوں نے لکھا تھا۔ کہ وہ شاہی خدمات کو اعلیٰ طریقہ سے انجام دے چکے ہیں۔ اور تمام زر وصول شدہ لے کر دہلی آرہے ہیں۔ غدر سے چھ ہفتہ بعد دو قاصدوں کے ذریعہ یہ عرضیاں موصول ہوئی تھیں۔ حسب دستور جواب تحریر کر دیا گیا۔ تھوڑے روز بعد فوجیں تیس ہزار روپیہ ۲۰۰ بیل اور ۵۰ یا ۶۰ بھیڑیں لے کر دہلی میں وارد ہوئیں۔

کرنال

کرنال کی فوجوں کی کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی۔

نصیر آباد

دو سپاہیوں نے ایک درخواست لا کر پیش کی۔ جس میں حسب معمول تحریر تھا کہ ہم دہلی آنا چاہتے ہیں۔ مرزا مغل نے بادشاہ کے حضور میں پیش کی۔ اور حسب دستور جواب تحریر کیا گیا۔ دو یا ڈھائی ہزار کے درمیان پیدل سپاہ توپوں کی معقول تعداد لے کر وارد ہوئی۔

ساگر و جبل پور

مجھے یقین ہے کہ غالباً ان مقامات سے درخواستیں آئی تھیں اور جواب روانہ کر دیئے گئے تھے۔

پنجاب (فیروز پور)

ایک سپاہی نے جو فقیر کے بھیس میں تھا فیروز پور افواج کی ایک درخواست پہونچائی تھی۔ مرزا مغل نے وہ بادشاہ کے حضور میں گذرانی۔ قاصد سے کہا گیا کہ دوسرے روز حکم لکھا جائے گا۔ اس شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ فیروز پور سے آرہا ہے اور فیروز پور کی فوجیں دہلی آنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اور انہوں نے گورنمنٹ برطانیہ سے بغاوت کرلی ہے میں نے بچشم خود اس درخواست کو نہیں دیکھا۔ نہ مرزا مغل نے مجھے بتایا کہ فیروز پور سے کوئی درخواست موصول ہوئی ہے۔ غدر سے چھ ہفتے بعد اور بخت خاں کے آنے کے قبل یہ درخواست آئی تھی۔

انبالہ

ایک سپاہی انبالہ چھاؤنی سے فقیر کے بھیس میں آیا تھا۔ اور درخواست ہمراہ لایا تھا لیکن میں یقینی نہیں بتا سکتا کہ آیا جواب تحریر کیا گیا تھا یا نہیں۔

پھلور

اگر مجھے ٹھیک یاد ہے تو شاید ایک افسر بیلی رجمنٹ (نمبر ۲ پیدل رجمنٹ) فوج پھلور کی طرف سے ایک درخواست لایا تھا لیکن اس کے ہمراہ کوئی فوج نہیں تھی۔ ابتدائے ہنگامہ کے دو ماہ بعد عرضی آئی تھی۔ اور سائلان نے تحریر کیا تھا۔ کہ وہ پھلور میں بادشاہ کی خدمت انجام دینے کے بعد دہلی روانہ ہو جائیں گے۔ معمولی جواب روانہ کیا گیا تھا۔ بہت عرصہ بعد ۲۰۰ آدمی دہلی پہونچے۔

جالندھر

مجھے خیال ہے کہ شاید مسافروں کے بھیس میں چند سپاہی دہلی آئے تھے۔ اور جالندھر فوج "ورن ست رجمنٹ" (نمبر ۱۱۔ دیسی پیدل) کی طرف سے درخواست پیش کی تھی۔ بموافق معمول مضمون تھا۔ اور ویسا ہی جواب دیا گیا۔

سیالکوٹ

کوئی سپاہی سیالکوٹ سے درخواست لیکر نہیں آیا۔ البتہ غدر کے دو مہینے سے بھی زیادہ عرصہ بعد باغی رجمنٹ کے ایک افسر نے ایک درخواست بادشاہ کے حضور میں پیش کی تھی۔ سائلوں نے دہلی آنے کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ جواب روانہ کردینے کا حکم ہوا۔ میں نے خیال نہیں کیا کہ آیا کوئی فوج آئی یا نہیں۔

جہلم

جہلم سے بہت عرصہ بعد یعنی آغاز غدر کے تین ماہ بعد درخواست موصول ہوئی تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ قادر بخش کمانڈر سفر مینا روڈ کی معرفت پیش کی گئی تھی۔ مضمون حسب معمول اور ویسا ہی جواب تھا۔

راولپنڈی

دو سپاہی برہمن سیاحوں کے بھیس میں راولپنڈی سے عرضی لائے تھے۔ جس میں دہلی آنے کی خواہش اور بادشاہ کی خدمت کرنے کی التجا تھی۔ عرضی مذکورہ افسران میسپرٹ رجمنٹ نے بادشاہ کے حضور میں پیش کی موافق معمول لکھا یا گیا۔ بغاوت کے دو ماہ بعد یہ درخواست موصول ہوئی تھی۔

لدھیانہ

میں نے سنا تھا کہ ایک درخواست لدھیانہ سے موصول ہوئی۔ اور مجھے یقین ہے کہ آئی ہوگی۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ کس کے توسل سے آئی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ کہ غالباً جواب بھی دیدیا گیا تھا۔ مجھے اس کا مضمون یاد نہیں رہا۔ البتہ اتنا یاد ہے کہ انہوں نے دہلی آنے کی خواہش کی تھی۔ اور غالباً غدر سے دو ماہ بعد درخواست موصول ہوئی تھی۔

ان مقامات کی افواج نے کوئی درخواست نہیں روانہ کی۔ بنارس

اعظم گڈھ۔ گورکھپور۔ کانپور۔ میرٹھ۔ سہانپور۔ بجنور۔ مرادآباد۔ فتح گڈھ۔ فتحپور۔ بریلی بدایوں۔ آگرہ شاہجہانپور۔ غازی پور۔

نیز ان افواج کی طرف سے کوئی عرضی موصول نہیں ہوئی۔ امرتسر، ہوشیاپور کانگڑہ۔ لاہور۔ اٹک پشاور۔ ملتان۔ گوگیرہ۔ ڈیرہ اسمعیل خاں۔ ڈیرہ غازی خاں شاہ پور۔ خان گڈھ "پالیا" نیز کلکتہ یا بارک پور۔ یا دیگر مشرقی چھاونیوں سے کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی۔ بمبئی یا سندھ کی فوجوں کی کوئی درخواست نہیں آئی۔ لیکن باغیوں نے بادشاہ سے کہا تھا کہ انہیں بمبئی کی فوج نے لکھا ہے کہ وہ دہلی آرہی ہے۔ میں نے یہ ایک بار یا دو بار سنا تھا۔ لیکن میں یقینی نہیں کہہ سکتا کہ آیا کوئی درخواست آئی تھی یا نہیں۔

ایک درخواست علاقہ گوالیار کے کسی مقام سے جس کا نام میں بھول گیا ہوں موصول ہوئی تھی۔ جس میں تحریر تھا۔ کہ وہاں پچاس توپیں اور میگزین کا اتنا سامان ہے کہ پانچسو گاڑیاں اس کے لیجانے کے لئے چاہئیں۔ لیکن دریائے چنبل جو درمیان میں حائل تھا۔ طغیانی پر تھا۔ اس وجہ سے وہ عبور نہیں کر سکتے۔ غدر کے دو ماہ بعد درخواست مذکورہ موصول ہوئی تھی۔ اور جواب لکھ دیا گیا تھا۔ کہ جب دریا کا زور کم ہو جائے تب آئیں۔

دہلی کے باغیوں اور بیکانیر۔ جیسلمیر۔ جودھپور۔ جے پور۔ جھجر۔ الور۔ کوٹہ بونڈی۔ کی فوجوں کے درمیان کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔ نہ ان کی کوئی درخواست دہلی میں موصول ہوئی۔ بادشاہ کے پاس جھجر۔ بلب گڈھ اور فرخ نگر کے رؤسا کی اور ولی داد خاں۔ والی مالاگڈھ۔ ضلع بلند شہر کی درخواستیں آئی تھیں۔ انہوں نے بادشاہ کی وفاداری کا اعتراف کیا تھا۔ اور حاضر دربار ہونے کے لئے معذرت چاہی تھی اور لکھا تھا کہ اگر وہ آجائیں تو تمام امور مملکت درہم برہم

ہو جائیں گے۔ نواب جھجر نے تین سو سواروں کو اپنے خسر عبد الصمد خاں کے زیر کمان روانہ کیا تھا۔ بلب گڈھ سے پندرہ سو سوار روانہ کئے گئے۔ فرخ نگر سے کچھ فوج نہیں آئی۔ ولی داد خاں نے فوج اور توپوں کے لئے لکھا تھا۔ مگر عرصہ تک کچھ روانہ نہ کیا۔ بغاوت کے وقت خود ولی داد خاں دہلی میں موجود تھے۔ پھر انہیں دوآب کی حکومت دیدی گئی اور وہ دہلی سے چلے گئے۔

خان بہادر خاں نے ایک درخواست اور ایک سفیر بخت خاں کی معرفت روانہ کیا تھا۔ نیز ایک ہاتھی۔ ایک کوتل گھوڑا جس پر چاندی کا سازو سامان تھا اور ایک سو ایک طلائی اشرفیاں پیش کی تھیں۔ راؤ تلا رام نے کئی بار فوج طلب کی۔ راؤ مذکور نے چالیس ہزار روپیہ روانہ کیا۔ جو بذریعہ بخت خاں خزانہ میں داخل کر دیا گیا۔ باغیوں کی استدعا پر مندرجہ ذیل رؤسا کو شقے تحریر کئے گئے۔ کہ فوج و سامان جنگ لے کر فی الفور چلے آئیں۔

جھجر۔ بلب گڈھ۔ فرخ نگر۔ خان بہادر خاں بریلی۔ جے پور۔ الور۔ جودھپور بیکانیر۔ گوالیار۔ بیجا بائی۔ اور جیسلمیر۔ بیجا بائی کو دو شقے لکھے گئے۔ مگر انہوں نے کسی کا جواب نہیں دیا۔ بخت خاں کی معرفت راجہ پٹیالہ کو ایک شقہ تحریر کیا گیا جس میں مذکور تھا کہ ابو الاسلام کی سفارش سے مہاراجہ کا قصور بادشاہ نے معاف کر دیا ہے اور انہیں مدد دینے اور بہ نفس نفیس آکر انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے لکھا گیا۔ ایک شقہ رئیس جموں کے نام لکھ کر بخت خاں کے حوالہ کیا گیا کہ اسے روانہ کر دیں۔ انہوں نے پہلے ایک درخواست (جسے جعلی تصور کیا گیا تھا) روانہ کی تھی۔ جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ راجہ گلاب سنگھ نے لکھی ہے۔ اس میں راجہ نے لکھا تھا کہ وہ فوجیں لے کر دہلی روانہ ہوں گے۔ اور راہ میں مہاراجہ پٹیالہ کی سرکوبی کریں گے اور امیر دوست محمد خاں راجہ جموں کے دوست ہیں۔ لہذا وہ بھی بادشاہ

کی خدمات سے محروم نہ رہیں گے۔ رئیس اعظم جموں کو مع فوج لیکر دہلی میں آنے کا شقہ تحریر کیا گیا۔

رئیس جھجر۔ بلبھ گڈھ۔ فرخ نگر۔ اور خان بہادر خاں بریلوی کے جواب آئے۔ مگر مندرجہ ذیل ریاستوں میں سے کوئی جواب نہیں آیا۔

جے پور۔ الور۔ جودھپور۔ بیکانیر۔ گوالیار۔ جیسلمیر۔ پٹیالہ۔ جموں۔ ان رؤساء نے جواب نہیں بھیجے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کے طرفدار نہ تھے۔ جودھپور اور گوالیار کے راجگان نے برٹش گورنمنٹ کی وفاداری میں ثابت قدمی دکھائی۔ اور گوان کی فوج باغی ہوگئی تھی۔ تاہم وہ خود برٹش گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ بنے رہے۔ بھرت پور میں کوئی شقہ نہیں بھیجا گیا۔ کیونکہ دہلی کے سپاہیوں نے کہا کہ راجہ بالکل نابالغ ہے۔ اور وہاں کا کام گورنمنٹ برطانیہ خود کرتی ہے۔

اندور سے کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی نہ وہاں سے کوئی پیام آیا۔

باغی کنور سنگھ شاہ آباد کو کوئی خط نہیں لکھا گیا نہ پیام بھیجا گیا۔

راجہ بنارس یا راجہ ریواں یا نواب باندا سے کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی نہ وہاں کا کوئی پیام آیا۔ نہ ان میں سے کوئی خود آیا۔

راجگان ناگپور اور بادشاہ کے مابین کوئی خط و کتابت نہ ہوئی۔

بھاولپور۔ کپورتھلہ۔ یا پہاڑی۔ زیر شملہ کے رؤساء کو بھی خط نہیں بھیجا گیا۔

راجہ نیپال کو کوئی خط نہیں لکھا گیا۔ نہ وہاں سے کوئی آیا۔ باغی فوجوں کے دہلی میں مجتمع ہوجانے کے بعد ان کی رائے کے موافق راجگان و والیان ریاست کو شقے لکھے گئے اس وقت انہوں نے راجہ نیپال کو لکھنے کی خواہش نہیں ظاہر کی اس لئے نہیں لکھا گیا۔

والی۔ گجرات یا نظام دکن یا رؤسار بلوچستان۔ امیر افغانستان و رؤساء دمہ خیبر

سے بادشاہ کی کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

پہلے تو فوجوں نے الزام لگایا کہ شاہی ملازموں نے ان رؤسا کو جنہوں نے کچھ جواب نہیں دیا تھا شقے نہیں لکھے۔ مگر جب خود انہوں نے لکھے اور کوئی جواب نہیں آیا تو وہ کہنے لگے۔ کہ یہ سب غیر وفادار ہیں۔ اور گورنمنٹ برطانیہ کو نیست کر دینے کے بعد ان سے بھی سمجھیں گے۔ مخبروں نے فوج سے کہا کہ والیان ریاست نتیجہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور ابھی سلتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔ گوری شنکر مخبروں کا ممتاز افسر کہا کرتا تھا کہ دہلی کے سامنے والی پہاڑی کی انگریزی فوجیں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہیں۔ اور جونہی یہ نکال دی جائیں تو سب تدابیر درست ہو جائیں گی۔ سپاہی کہتے تھے کہ پہاڑی پر صرف دو انگریز رجمنٹیں ہیں جن میں سے دو تین سو آدمی تو مارے جا چکے ہیں۔ جب باقی ماندہ بھی مارے جائیں گے۔ تو برٹش فوج خود بخود پہاڑی چھوڑ دے گی۔ فوج کے کسی افسر نے نواب بہاولپور کو لکھنے کی خواہش نہیں کی اور نہ وہاں سے کوئی درخواست آئی۔ میرا ایسا خیال ہے کیونکہ بادشاہ اور نواب مذکور کے درمیان پرانی عداوت تھی۔ وہ یہ کہ جب نواب بہاول خاں سابق رئیس بہاولپور دہلی سے گذرے تو ان کے فرزند کو دیوان خاص میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔ اور کہا تھا کہ جب تک وہ ہتھیار کھول کر اور زیورات اُتار کر نہ آئے۔ اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ اودھ کے کسی حاکم کی درخواست موصول نہیں ہوئی۔ مولوی لیاقت علی پیشوائے مجاہدین کی ایک درخواست الہ آباد سے موصول ہوئی تھی۔ جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ دہلی آ رہا ہوں۔ اور کچھ گارد طلب کیا تھا۔ تاکہ سفر جلد طے ہو جائے۔ انہیں کوئی جواب نہیں روانہ کیا گیا۔ کیونکہ وہ خود آ رہے تھے۔ لیکن جب وہ آئے تو بخت خاں نے بادشاہ سے ملاقات کرائی۔ اور وہ فی الفور لکھنؤ واپس چلے گئے۔ یہ بغاوت شروع ہونے کے تین ماہ بعد کا واقعہ ہے۔

ناناکے پاس سے کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی۔ لیکن آغاز غدر کے دو ماہ بعد ایک ایجنٹ (مرہٹہ) ناناکی طرف سے آیا تھا۔ اور مرزا مغل نے اسے دربار میں حاضر کیا تھا۔ مرزا مغل کی استدعا پر ناناکو بھی شریک جنگ ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ ایجنٹ مذکور پھر واپس چلا گیا۔

کسی ساہوکار کی درخواست موصول نہیں ہوئی۔ البتہ فوج کے منشا سے سیٹھ لکشمی چند کو ایک حکم لکھا گیا تھا کہ وہ ایک لاکھ روپیہ قرض دے اور اپنا کوئی معتمد منیب خزانچی مقرر کرے۔ سیٹھ سے کہا گیا کہ جو مالگذاری آمدنی اطراف و جوانب سے جمع ہوگی اسے دیدی جائیگی۔ اور قرضہ پر سود بھی ملے گا۔ مگر سیٹھ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

جہاں تک میں واقف ہوں کسی گورنمنٹ ملازم کی کوئی درخواست نہیں آئی۔ لیکن یہ سنا تھا کہ ایک شخص مسلمان جسے گورنمنٹ نے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز کیا تھا چھوڑ کر ولی داد خاں سے مل گیا ہے۔ مگر میں اس کا نام نہیں جانتا۔ مفتی صدرالدین صدر امین۔ کرم علی خاں منصف۔ مولوی عباس علی صدر امین دہلی۔ اور مرزا محمد علی بیگ تحصیلدار مہرولی کو بھی شقے لکھے گئے۔ کہ گورنمنٹ کی ملازمت چھوڑ کر ہماری ملازمت کرو۔ مگر انہوں نے منظور نہ کیا۔ جب بخت خاں نے علمائے دین کو جامع مسجد میں اکٹھا کر کے مجبور کیا کہ بیان کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ سے جہاد کرنا چاہئے تو مجھے کہا گیا ہے کہ اس نے (بخت خاں) نے مفتی صدرالدین کو مہر لگانے پر مجبور کیا تھا۔ مگر مولوی عباس علی بخت خاں کے وہاں پہونچنے کے قبل ہی دہلی چھوڑ کر اپنے وطن چلے گئے تھے۔ آگرہ یا کسی اور حصے سے کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی۔ البتہ مولوی فیض احمد جو صدر بورڈ کے آفس میں ملازم تھے۔ بذات خود دہلی آئے اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ انہیں عدالت کا حاکم مقرر کیا گیا۔

ایک شقہ نواب رامپور کو بھی لکھا گیا۔ مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بخت خاں نے نواب رامپور کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جب وہ (بخت خاں) نواب صاحب کے ہاں گئے تھے تو انہوں نے ظاہر کیا تھا۔ کہ وہ غیر جانبدار رہیں گے۔

نواب امین الدین خاں۔ ضیاء الدین خاں جاگیرداران لوہارو۔ برادر نواب جھجر۔ حسن علی خاں۔ نواب حمید خاں۔ کے نام شقے تحریر کئے گئے۔ یہ سب دہلی میں رہتے تھے اور راجیت سنگھ چچا مہاراجہ پٹیالہ کو بھی تحریر کیا تھا۔ حسب ہدایت یہ سب دربار شاہی میں حاضر ہوئے مگر شقوں کا جواب کسی نے نہ دیا۔ اور جب فوج و روپیہ کا مطالبہ کیا گیا۔ تو ہر ایک نے کچھ نہ کچھ عذر پیش کر دیا۔ اور دیا کچھ نہیں۔ چنانچہ فوج نے انہیں لوٹنے کا مقصد کیا تھا۔ اور ایک مرتبہ اپنے ارادہ کو حد تکمیل تک بھی پہونچا دیا۔ مرزا ابوبکر بادشاہ کے پوتے جو قواعدداں کیولرائی کے افسر تھے۔ حمید علی خاں کے مکان پر جا پڑے اور خوب لوٹ مار مچائی۔ بعدازاں نواب کو گرفتار کر کے قلعہ میں لے آئے ضیاء الدین خاں و امین الدین خاں نے فوج کی سرپرستی پر آمادگی ظاہر کی۔ اس وجہ سے وہ لوٹ سے بچے رہے۔ ایک شقہ رئیس پٹودی کو بھیجا گیا۔ مگر کچھ جواب نہیں ملا۔

اب میں بیان کرتا ہوں کہ ملک کی عام آبادی میں کہاں کہاں سے درخواستیں موصول ہوئیں۔

ضلع گوڑگانوہ

زمینداران گوڑگانوہ نے بادشاہ کو ایک درخواست ارسال کی جس میں بدنظمی کا ذکر کر کے التجا کی تھی۔ کہ کوئی افسر نظم و نسق کے لئے وہاں مقرر کر دیا جائے۔ مولوی فیض الحق نے جو الور سے آئے تھے اپنے بھانجے (جسکا نام مجھے یاد نہیں رہا) کی سفارش کی کہ وہ وہاں مقرر کر دیا جائے۔ کیونکہ گورنمنٹ برطانیہ کے دور حکومت میں وہ اسی ضلع

میں مقرر تھا۔ چنانچہ یہ شخص ضلعدار[1] مقرر کیا گیا۔ مگر میں آگاہ نہیں ہوں کہ آیا وہ گوڑگانوہ گیا یا نہیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ زوال[2] دہلی کے پندرہ یا بیس روز قبل یہ تقرر ہوا تھا۔ فیض الحق نے بھی کئی تحصیلداروں کو ضلعدار کی نیابت میں مقرر کیا تھا۔

ریواڑی

راؤ تلارام مستقل ناظم ریواڑی نے بخت خاں کی معرفت اپنا ایک ایجنٹ اور ایک درخواست بادشاہ کے حضور میں ارسال کی تھی۔ تحریر کیا تھا کہ علاقہ کا انتظام ہو رہا ہے اور فصل خریف کی جو آمدنی ہوئی تھی۔ وہ سب مصارف فوج میں خرچ ہو گئی۔ اور اگر علاقہ مذکورہ اسے جاگیر میں دیدیا جائے تو وہ پینتالیس ہزار روپیہ کا نذرانہ پیشکش کریگا۔ بغاوت کے تین ماہ بعد یہ لکھا تھا۔ اور زوال دہلی کے دس روز قبل پینتالیس ہزار روپیہ تلارام نے خزانہ شاہی میں داخل کرادیا تھا۔

بادشاہ پور

زمینداران بادشاہ پور نے ایک تحصیلدار کے لئے درخواست کی ضلعدار کو ایک تحصیلدار مقرر کرنے کی ہدایت کی گئی۔

ضلع دہلی

شہر پناہ کے باہر نہ کسی سے خط و کتابت ہوئی نہ کوئی قابل ذکر بات وقوع میں آئی۔

ضلع روہتک

باشندگان روہتک نے کوئی درخواست نہیں بھیجی۔ مگر انہوں نے فوج کو رسد پہنچانے کا بندوبست کیا تھا۔

حصار

گارد حصار جیل اور افسران محکمہ مالگذاری آمدنی نے بادشاہ کو عرضیاں بھیجی

---

[1] ڈپٹی کمشنر یا حاکم ضلع [2] دوبارہ انگریزی قبضہ

تھیں۔ لکھنے والوں کے نام یاد نہیں۔ انہوں نے بیان کیا تھا۔ کہ وہ دہلی آنے کے لئے بے چین ہیں۔ غدر شروع ہونے کے دو ماہ بعد یہ خبریں موصول ہوئی تھیں۔

کرنال

اس ضلع سے کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی۔

میرٹھ

اس ضلع سے بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

بلند شہر

ولی داد خاں کا حال بیان کر دیا ہے۔ اور کسی دوسری جماعت سے بالکل خط و کتابت نہیں ہوئی۔

سہارنپور و مظفر نگر

ان اضلاع میں کہیں سے کوئی درخواست نہیں آئی۔

بجنور

اس ضلع کے زمینداروں کی ایک درخواست موصول ہوئی تھی جس میں بادشاہ سے التجا کی گئی تھی۔ کہ بندوبست کر دیا جائے۔ جواب میں ہدایت کی گئی۔ کہ فوجیں ضلع مذکور کی طرف آکر انتظام کر دیں گی۔

مراد آباد

نہ کسی جماعت نے کچھ لکھا نہ وہاں کے کسی مفسد کی کوئی درخواست آئی۔

بریلی

خان بہادر خاں کی ایک درخواست موصول ہوئی تھی جنہیں بخت خاں نے گورنر کر دیا تھا۔ انھوں نے ایک گھوڑا۔ ایک ہاتھی اور ایک سو ایک طلائی مہریں بادشاہ کے نذر کیں۔ میں ایجنٹ کا نام بھول گیا۔ جو بخت خاں کے ذریعہ دربار میں حاضر ہوا تھا

شقہ تحریر کیا گیا اور ہدایت کی گئی۔ کہ مال گذاری کی وصول شدہ آمدنی میں سے
یہاں خرچ نکال کر باقی روانہ کردے۔

بدایوں

اس ضلع کے کسی حصہ سے کوئی درخواست نہیں آئی۔

پیلی بھیت

یہاں سے بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

ضلع متھرا

برادر ڈنڈی خاں جاگیردار گڑھی ضلع متھرا نے اپنے بھتیجے کے ہاتھ ایک درخواست
ی جاگیرات ضبط شدہ کو از سر نو عطا کیے جانے کے لئے روانہ کی تھی جنہیں گورنمنٹ
یطانیہ نے ضبط کر لیا تھا۔ ابتدائے غدر کے تین ماہ بعد یہ درخواست موصول ہوئی
ی۔ بخت خاں نے اس پر سفارش کی اور قاصد کو فوج میں شامل کر کے گورنمنٹ
ی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ وہ شخص اس موقع پر زخمی ہوا۔ اور ایک ہفتہ کے بعد مر گیا۔
اس کا نام امراؤ بہادر تھا) بخت خاں نے اس کے متعلقین کے لئے حقوق دوامی
منظور کرائے۔ مگر ان تک منظوری پہونچ نہ سکی۔

ضلع آگرہ

اس ضلع سے کوئی پیام نہیں آیا۔ البتہ مولوی فیض احمد خود اس شہر سے آئے
تھے۔ جیسا میں ذکر کر چکا ہوں۔ وزیر خاں ڈاکٹر (سب اسسٹنٹ سرجن) بھی یہاں
سے آئے تھے۔ بخت خاں ان کے سفارشی تھے اور انہیں آگرہ کا گورنر مقرر کرا دیا تھا
جب بخت خاں دہلی سے فرار ہوئے تو وزیر خاں بھی ان کے ہمراہ تھے۔

اضلاع علیگڈھ۔ کانپور۔ فتح گڈھ

دہلی اور ان اضلاع کے درمیان کوئی نامہ و پیام نہیں ہوا۔

مین پوری

راجہ مین پوری کی ایک درخواست فوجیں مانگنے کی آئی تھی۔ مرزا مغل کو حکم ہوا کہ افسران فوج سے مشورہ کر کے کچھ فوج مین پوری روانہ کر دی جائے۔ مگر دوسرے روز افسروں نے کہہ دیا کہ فوجیں یہاں سے جانا اس وقت تک پسند نہیں کرتیں۔ جب تک کہ گورنمنٹ برطانیہ کو دہلی سے نہ نکال دیں۔ اسی قسم کا جواب راجہ مذکور کو بھیج دیا گیا۔ اس ضلع کی کسی اور جماعت کی کوئی درخواست نہیں آئی۔

اضلاع گورکھپور و فتحپور ہسوہ

میری یادداشت میں نہیں ہے کہ ان اضلاع یا ضلع کماؤں سے کوئی درخواست موصول ہوئی ہو۔

ضلع الہ آباد

میں کہہ آیا ہوں کہ مولوی لیاقت علی اس ضلع سے آئے تھے اور مستقل گورنر مقرر ہوئے تھے۔ کسی اور جماعت کی کوئی درخواست نہیں آئی۔

راجہ باندا متصل ریواں

ان رئیس کو کوئی شقہ نہیں بھیجا گیا تھا نہ انہوں نے یہاں کوئی درخواست بھیجی۔

اضلاع عظیم گڈھ۔ شاہجہانپور۔ اٹاوہ۔ غازی پور۔ بنارس۔ گیا۔
بادشاہ اور ان اضلاع کے درمیان کوئی پیام رسانی نہیں ہوئی۔

بندیل کھنڈ۔ جبلپور۔ ساگر۔ مالوہ۔ و املاک دکن

میری یادداشت میں نہیں ہے کہ ان اضلاع اور دہلی کے مابین کوئی خط و کتابت ہوئی ہو

نظام حیدر آباد دکن اکچھ۔ گجرات مشرقی صوبجات۔ کلکتہ۔ بارک پور مونگیر۔ دیناپور وغیرہ

نظام اور بادشاہ کے مابین کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔ نہ گجرات سے

خط و کتابت ہوئی صوبجات مشرقی کی نسبت بھی مجھے خیال ہے کہ نہیں ہوئی۔

پٹنہ

نہ نواب پٹنہ نے یا اور کسی جماعت نے بادشاہ کو کچھ لکھا نہ بادشاہ نے انہیں دہلی سے کوئی شقہ وغیرہ تحریر کیا۔

پنجاب

پنجاب میں کسی جماعت نے کوئی درخواست نہیں بھیجی۔ زمینداران باری دوآب ضلع کو نہ بادشاہ نے کچھ لکھا نہ وہاں سے انہوں نے کوئی درخواست بھیجی مجھے اس کی خبر نہیں کہ فوجیں اہل پنجاب کو اشتعال دلا رہی تھیں یا نہیں۔ اقوام بندیلہ اور بادشاہ میں کوئی پیام رسانی نہیں ہوئی۔ اخوند سوات اور بادشاہ میں کوئی پیام رسانی نہیں ہوئی۔ مگر دو آدمی بخت خاں کے ذریعہ دربار شاہی میں باریاب ہوئے تھے اور کہا گیا تھا کہ یہ اخوند کے بھیجے ہوئے ہیں حسن عسکری انہیں بادشاہ کے سامنے لیگئے۔ یہ لوگ ولایتی (افغانی) تھے ایک نے جو معمر شخص معلوم ہوتا تھا۔ اخوند کی طرف سے ایک تلوار بادشاہ کی نذر کی نیز ایک تحریر دی جس پر اخوند کی مہر تھی اور لکھا تھا کہ یہ قاصد اخوند کے خلیفہ ہیں انہیں یہ تھا کہ شہر میں مشتہر کردیا جائے کہ اخوند سوات مع اپنے پیرو جہاد میں شامل ہونے کیلئے دہلی آرہے ہیں مگر دوسرے روز ایک سید صاحب نے جنکا نام میں نہیں جانتا بادشاہ سے کہا یہ شخص اخوند کا بھیجا ہوا نہیں اور نہ یہ خط اسکا ہے بلکہ اسنے جعل کیا ہے بادشاہ نے بخت خاں کو تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ مگر میں نہیں جانتا بخت خاں نے اس معاملہ میں کیا کیا۔ بہر حال اتنا مجھے یاد ہے کہ یہ شخص تین روز کے بعد دہلی سے چلا گیا۔

بادشاہ کی پالیسی حکومت

فوج اور شہزادوں کو ایک مرتبہ حکم دیا گیا تھا کہ خاص معاملات سلطنت میں وہ دخل دیں عدل و انصاف قاضیوں اور مفتیوں کا کام ہے اور انہیں سے کرایا جائیگا افسران افواج اور محکمہ مالگذاری اسمیں کچھ بھی دخل نہ دیں مگر کبھی اس حکم پر عملدرآمد نہیں کیا گیا۔ شہزادے ہمیشہ

فوج کی حمایت سے دخل دیتے رہے بادشاہ نے خود مختلف اضلاع میں تحصیلدار مقرر نہیں کئے تھے بلکہ بخت خاں نے ہوڈل پلول۔ شاہدرہ میں تحصیلدار اور گوڑگانوہ میں ایک ضلع دار مقرر کیا تھا۔ مگر کوئی آمدنی جمع نہیں ہوئی شہزادے بھی اپنی فوج کو آمدنی جمع کرنے کیلئے بھیجنے کا ارادہ کرتے تھے مگر کبھی بھیجا نہیں۔ مولوی فیض احمد جو آگرہ سے آئے تھے اور شہزادگان مرزا خضر سلطان ومرزا مغل عدالت کیا کرتے تھے۔ شہر میں ایک کوتوال رچیف پولیس آفسر) اور کئی تھانیدار مقرر تھے تھانیداروں کے نام مجھے یاد نہیں سب سے پہلے معین الدین خاں پسر نواب قدرت اللہ خاں باشندہ دہلی کوتوال مقرر ہوئے تھے مگر لوگوں پر ظلم وزیادتی کرنے کی وجہ سے تھوڑے عرصہ بعد برخاست کر دیئے گئے۔ اسکے بعد خواجہ واجب الدین کی سفارش سے یہ عہدہ قاضی فیض اللہ کو دیا گیا جو باشندہ دہلی تھے پھر سید مبارک شاہ رامپوری کو عطا کیا گیا مگر میں انکے نام نہیں جانتا۔
شہزادوں کے علاوہ بخت خاں کو بھی ان معاملات میں دخل تھا۔ بلکہ بادشاہ سے انہوں نے تمام تھانیداروں وکوتوال کے نام احکام جاری کرائے تھے کہ بخت خاں کے احکام کو قبول کریں۔

سپاہی کہا کرتے تھے کہ جب وہ مالک ملک ہوجائینگے تو مختلف شہزادوں کو مختلف صوبجات دیدینگے امور مملکت کے انتظام کیلئے شہزادوں اور بخت خاں نے متفرق لوگ مقرر کئے تھے میرٹھ کیلئے کوئی گورنر مقرر نہیں ہوا۔ بلند شہر کی گورنری ولی داد خاں کو عطا کی گئی۔ وزیر خاں ڈاکٹر کو سند عطا ہوئی تھی۔ کہ وہ اودھ کے گورنر مقرر کئے گئے مگر وہ اپنے منصب پر کبھی دہلی سے گئے نہیں علیگڈھ کیلئے کسی شخص کا تقرر نہیں ہوا۔ خان بہادر خاں روہیلکھنڈ کے گورنر تھے اور کوئی تقرر نہیں ہوا۔ کوئی شخص راجپوتانہ نہیں گیا۔ اور اگرچہ گوڑگانوہ میں ایک شخص مقرر ہوا تھا۔ مگر وہ کبھی اپنے منصب پر نہیں گیا۔

فوج کی قواعد دانی کی بابت میں کوئی مفصل حال نہیں بتا سکتا بادشاہ سے اس معاملہ میں کبھی مشورت نہیں کی گئی مگر میں جانتا ہوں کہ گورنمنٹ کی فوجوں سے مقابلہ کرنے جو افواج جاتی تھیں وہ علی العموم نیمچ اور نصیر آباد کی ہوتی تھیں اور ایسے ہی دیگر رجمنٹیں جو حملہ کرنا جانتی تھیں

مقابلہ کو نکلتی تھیں مرزا مغل کے مکان پر مختلف افسران ملکر فیصلہ کر لیتے تھے کہ آج کسکی باری ہے اور کل کس کی سپاہی خود مختار تھے بلا تمیز جس رجمنٹ میں چاہتے تھے رہتے تھے۔

گوری شنکر نے افسروں کو جو گورنمنٹ ملازمت میں ہوں جمع کر کے عہدے دینے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ مگر ایسا ہمیشہ جاری نہ رہا۔ کیونکہ جو جگہیں خالی ہوتیں ان پر کوئی مقرر نہیں ہوتا اور ہر ایک شخص اپنی پچھلی جگہ چاہتا تھا۔

میری دانست میں فوج میں بندوبست پورا پورا نہیں تھا۔ فوجوں نے بخت خاں کو گورنر جنرل کا خطاب دینے کی مخالفت کی۔ اور بادشاہ کو ایک درخواست دی تھی کہ ہم بخت خاں کے زیر کمان رہنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا تھا۔ کہ بخت خاں صرف توپخانہ کا افسر ہے اور گورنر جنرل کا عہدہ پانے کے لائق نہیں۔ نہ اس نے کوئی خزانہ لاکر دیا ہے اور نہ کوئی معرکۃ الآرا کارگذاری کی ہے۔" پھر لکھا تھا کہ مرزا مغل فرزند بادشاہ جنہیں پہلے فوجی امور میں پورا اختیار تھا گورنر جنرل ہونیکے لائق ہیں اور تمام افواج ان کے زیر کمان رہنا چاہتی ہیں بادشاہ نے یہ درخواست بخت خاں کو بھیجدی۔ اور استدعا کی کہ اس کا مناسب جواب تحریر کیا جاوے۔ انہوں نے جواب دیا کہ" فوج تین حصوں میں منقسم کی جائے۔ اول دہلی و میرٹھ کی رجمنٹوں کو باہم ملا دیا جائے۔ دوم وہ فوجیں جو بخت خاں کے ہمراہ نیمچ اور سرسہ سے آئی ہیں۔ بدستور رہیں اور تیسرا حصہ باقی تمام فوج کا ہو۔" بادشاہ نے مرزا مغل کو بلاکر سب سمجھا دیا۔

بخت خاں کے عروج کا سبب یہ تھا۔ کہ جب وہ پہلے آئے تو انہوں نے بادشاہ کو نصیحت کی کہ وہ اپنے فرزندوں کو زیادہ اختیارات نہ دیں۔ جو ارشاد ہوا کرے مجھ کو براہ راست حکم دیا جائے تاکہ ہر ایک کام بادشاہ کی حسب مرضی ہو۔ واقعی بات یہ ہے کہ بادشاہ اپنے فرزندوں کی عدول حکمی سے ناراض تھے اور بخت خاں کی یہ خواہش ان کی مرضی کے موافق تھی۔ چنانچہ بخت خاں اس روز سے برابر روز بروز بادشاہ کے الطاف خاص

سے سرفراز ہوتے گئے۔

وہابیان

دوران ہنگامہ میں ایک جماعتِ وہابیان ٹونک سے آئی اور شکایت کی کہ نواب نے کچھ مالی امداد نہیں کی۔ وہابی اور کئی مقامات سے بھی آئے تھے۔ بخت خاں خود بھی وہابی تھے۔ اور محمد شفیع رسالدار، مولوی امام خاں رسالدار، مولوی عبدالغفور، مولوی سرفراز علی بھی وہابی تھے۔ بخت خاں نے سرفراز علی کو پیشوائے مجاہدین مقرر کیا تھا۔ اور وہی ان کی سرپرستی کرتے تھے۔

بخت خاں کے آتے ہی وہابیوں کی کثیر تعداد آکر شامل ہوگئی تھی۔ ان وہابیوں نے ایک اعلان چھپوا کر شائع کرایا تھا جس میں تمام مسلمانوں کو جہاد کے لئے مسلح ہوکر آنے کی دعوت دی تھی۔ اور لکھا تھا کہ اگر وہ نہ آئیں گے تو ان کے عیال و اطفال برباد ہوجائیں گے۔ یہ اعلان بہادر خاں کے اعلان سے زیادہ فصیح نہیں تھا۔

وہابی ملک کے متعدد حصوں۔ مثلاً جے پور، بھوپال، ہانسی، حصار سے آئے تھے۔ اور کچھ ولایتی بھی تھے۔ مگر میں جن مقامات سے کہ وہ آئے تھے۔ تفصیلاً نہ یاد رکھ سکا البتہ مرزا مغل کے دفتر میں تفصیل موجود تھی۔

دہلی سے باہر ہندو بھی برٹش گورنمنٹ کے اتنے ہی مخالف تھے جتنے مسلمان اور خاص دہلی میں بھی یہی حالت تھی۔ مگر جب بخت خاں نے علماء و فقہا کو جمع کرکے جہاد کا فتوے لیا کہ تمام مسلمانوں کو انگریزوں سے جہاد کرنا چاہئے تو مسلمانوں میں حد سے زائد جوش و تعصب بھڑک اٹھا اور وہ گورنمنٹ سے لڑنے کے لئے طیار ہوگئے۔

بلند شہر، علیگڈھ اور میرٹھ وغیرہ میں ہندو گورنمنٹ برطانیہ کے اتنے ہی مخالف تھے جتنے مسلمان۔

تمت بالخیر

بسم ھوالکل یامعین

دیباچہ مقدمہ بہادر شاہ

خدا کی شان کے قربان ہونا چاہیئے ایک زمانہ تھا ہندوستان میں مغل بادشاہ فاتح کی حیثیت میں داخل ہوئے تھے۔ بابر وہمایوں نے تو وہی سلطنت کا چراغ گل کیا تھا یا وہ وقت بھی آیا کہ مغلوں کی حکومت کا چراغ بھی جھلملا جھلملا کر خاموش ہو گیا۔ بہادر شاہ تیموری خاندان کے آخری شہنشاہ تھے اور ان کا نام سراج الدین تھا۔ سراج عربی زبان میں چراغ کو کہتے ہیں۔ بہادر شاہ کیا مٹے مغل سلطنت کا چراغ بجھ گیا۔ اس کتاب میں وہ داستان ہے جو تیموریہ خاندان کی تاجداری کا خاتمہ سناتی ہے اس میں ان تمام حالات کی تفصیل ہے جن کی بنا پر بہادر شاہ دوامی طور پر تخت دہلی سے محروم کر دیئے گئے جب یہ کتاب پڑھ لیجائیگی۔ تو زوال سلطنت کے تمام اسباب ہر ناظر آسانی سے سمجھ جائیگا۔ ضرورت نہیں ہے کہ ان پر یہاں گفتگو کی جائے۔

۱۸۵۷ء اور ۱۹۱۹ء کی مطابقت

یہ کتاب ۱۹۱۹ء میں انگریزی سے ترجمہ کی گئی تھی اثنائے ترجمہ میں رولٹ بل کے خلاف ہندوستان میں جگہ جگہ فساد ہوئے امرتسر و احمد آباد میں کچھ انگریز مارے گئے۔ دہلی قصور۔ گوجرانوالہ امرتسر لاہور۔ احمد آباد ڈریا دوغیرہ مقامات پر انگریزی فوج نے رعایا پر بندوقیں چلائیں اور سینکڑوں آدمی مرگئے۔

اس ہنگامہ کی خصوصیت یہ تھی کہ تمام ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کا اتفاق ہو گیا مسلمانوں نے ہندوؤں کو مسجدوں میں جگہ دی اور جامع مسجد دہلی کے منبر پر ایک مشہور آریہ درویش نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور ہندوؤں نے مسلمانوں کا جھوٹا پانی پیا مسلمان ہندوؤں کی لاشوں کے ساتھ کندھا دیتے ہوئے مرگھٹ گئے اور ہندوؤں نے مسلمانوں کی لاشوں کو کندھا دیا اور نماز جنازہ میں شرکت کی۔ الغرض ایک تیسری قوم کے خلاف ہندو مسلمانوں کا کامل اتحاد پایا گیا۔ جو آجتک قائم ہے۔ جبکہ

اپریل ۱۹۲۲ء کا دور چل رہا ہے۔

ناظرین جب اس کتاب کو پڑھ لینگے تو انکو غدر ۱۸۵۷ء کے واقعات میں بھی اس قسم کا اتحاد ہر دو اقوام میں نظر آئیگا۔ غدر میں بھی مسلمانوں نے گائے کشی بند کر دی تھی۔ آجکل بھی ہر جگہ گائے کی قربانی کے خلاف مسلمانوں کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ غدر میں ہندو مسلمانوں کے لیڈر تھے اور مسلمان ہندوؤں کی رہنمائی کر رہے تھے۔ آجکل بھی یہی حال ہے کہ ہندو حکیم محمد اجمل خانصاحب مسیح الملک کو اپنا لیڈر سمجھتے ہیں اور مسلمان مہاتما گاندھی کی لیڈری و رہنمائی پر عمل کرتے ہیں۔

فلسفہ اتحاد

یہ انسانی طبیعت کا فلسفہ ہے کہ جب وہ مجبور ہوتا ہے یا کسی خطرہ کو محسوس کرتا ہے تو گرد و پیش کے اختلافات کو بھول جاتا ہے اور اپنی کمزوری دور کرنے کو ڈوبتے آدمی کی طرح تنکہ کا سہارا تلاش کرتا ہے۔

ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کا اتحاد بھی ایک تیسری قوم کے مقابلہ میں خطرہ اور مشکلات کے وقت ہوا کرتا ہے ورنہ مذہب اور تمدن کے اعتبار سے یہ دونوں اقوام ایک دوسرے سے بہت دور نظر آتی ہیں غدر ۱۸۵۷ء میں ہندو اور مسلمان دونوں کو خیال ہو گیا تھا۔ کہ ہمارا مذہب اور ہماری تمدنی اور رسم و رواج کی ہستی خطرہ میں ہے انگریز ہمکو جبراً عیسائی بنانا چاہتے ہیں اور انکی خواہش ہے کہ ہمارے تمام رسم و رواج جن پر ہم سینکڑوں برس سے قائم ہیں زبردستی مٹا دیں۔ بظاہر وہ دیکھتے بھی تھے۔ کہ انگریزوں نے نہایت حکمت عملی سے آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ ہندوستان پر قبضہ کیا تھا اور بعض ناعاقبت اندیش پادریوں کے اعلانات نے انکو یہ یقین دلایا تھا کہ جس طرح سے ہمارے ملک پر قبضہ کیا گیا ہے اسی طرح ہمارے دین و مراسم پر بھی تسلط کیا جائیگا۔ عوام و خواص میں یہ مادہ عرصہ دراز سے آہستہ آہستہ جمع ہو رہا تھا اگر نہ ہندوؤں میں کسی کو جرأت تھی کہ انگریزوں کے خلاف کھڑا ہوتا نہ مسلمان یہ ہمت کر سکتے تھے کیونکہ ایک تو انگریزوں کے پاس ہتھیار نئی قسم کے تھے دوسرے فوجی تربیت انکے ہاں اعلیٰ درجہ کی تھی تیسرے ان کو توڑ جوڑ کرنے خوب آتے تھے اور ہندو مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ مذہب کا اختلاف۔ زبان کا اختلاف۔ کھانے پینے کا اختلاف پہننے اوڑھنے کا اختلاف رہنے سہنے کا اختلاف۔ چاروں طرف پھیلا ہوا نظر آتا تھا۔ اگر ایک گھر کے ا

چار آدمی بھی رہتے تھے تو ان کو آپس میں ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے اور متحد و متفق ہوکر کام کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ یقیناً ان دونوں قوموں میں ہزارہا آدمی ایسے موجود تھے جو یورپ سے آئی ہوئی ایک اجنبی قوم کی حکومت کو ہندوستان کیلئے باعث عار سمجھتے تھے۔ اور ان کی خواہش تھی کہ کسی طرح انگریزوں کو ہم یہاں سے نکالدیں مگر وہ کچھ بھی نہ کرسکتے تھے۔ کیونکہ ہندوستان میں اگرچہ پینتیس کروڑ آدمیوں کا سمندر بھرا ہوا تھا لیکن ان میں کسی قسم کی جنگی یا فوجی یا اجتماعی حالت کا پتہ و نشان نہ ملتا تھا اس واسطے وہ سب دم بخود ہوئے بیٹھے تھے اور موقعہ کا انتظار کر رہے تھے۔ ہندوستان میں اسوقت انگریزوں کا رعب داب محض ہندوستانی فوجوں کے باعث سے تھا۔ اور ہندوستانی انقلاب پسند لوگ، افواج انگریزی کی مستحکم وفاداری کے تماشے روزانہ دیکھا کرتے تھے کہ وہی لوگ تلوار کے زور اور بازو کی قوت سے انگریزوں کو اس کے ملک کے حصے فتح کر کرکے دیتے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان افواج میں انگریزوں سے بدگمانی اور بددلی پیدا ہوئی تو انہوں نے اسی وقت معاملہ کو ہاتھ میں لیلیا اور سب سے پہلے ایسے طریقے اختیار کئے کہ جن سے ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہو جائے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کارتوسوں پر چربی لگانے والے مسئلہ میں دونوں فریق کے جذبات کو مد نظر رکھا یعنی ہندوؤں سے تو یہ کہا کہ کارتوسوں پر گائے کی چربی ملی ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں پر یہ افسوں پھونکا کہ کارتوس سؤر کی چربی سے چکنے کئے گئے ہیں۔ یہ واقعہ صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کا اتحاد باہمی رضامندی سے نہ تھا بلکہ ایک بیرونی نارضی نے اس کو پیدا کیا تھا۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ جب انگریز فتحیاب ہوگئے تو ہندو مسلمانوں کی باہمی عداوت کا رنگ جس پر اتحاد کا ملمع ہوگیا تھا گھسنے کے بعد پھر اصلی صورت میں نکل آیا۔

مسلمان و بہادر شاہ

اس کتاب میں جس قدر شہادتیں بہادر شاہ بادشاہ کے خلاف جمع کی گئی ہیں اور جن پر سرکاری وکیل نے ایک طولانی تقریر ججوں کے سامنے کی تھی۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بہادر شاہ اور اسلام و مسلمان اس غدر و فتنہ و فساد کے بانی مبانی تھے۔ بس یہ دیباچہ اسلام کو یا مسلمانوں

کو یا بہادر شاہ کو اعتراضات سے بچانے کے واسطے نہیں لکھتا۔ نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ بہادر شاہ کو بے قصور ثابت کروں۔ کیونکہ اگر میں ایسا کر بھی سکوں، تو باوجود جواب ہونے کے انگریز اس سے قائل نہ ہونگے۔ اور نہ یہ امید ہے کہ بہادر شاہ کا موروثی ملک ان کی اولاد کو پھر واپس دیدیا جائیگا۔ میری خواہش تو صرف اتنی ہے کہ اس کتاب کے بعض الجھے ہوئے مضامین ناظرین کو سمجھاؤں۔ اور اسباب غدر کے فلسفہ پر شورخانہ حیثیت سے غور کروں۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے والے، مقدمہ بہادر شاہ کی وجوہات اور الزامات کو تاریخی روشنی میں دیکھ سکیں۔ اور ان کو معلوم ہو جائے کہ منصفانہ حاصل مقصد اس فساد کا کیا تھا۔ جو کچھ اس مقدمہ کے دوران میں عدالت کے سامنے استغاثہ نے پیش کیا میرا منصب نہیں ہے۔ اور نہ اتنی جگہ ہے کہ میں اس پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کروں۔ میں تو مجمل طور پر یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ غدر میں دہلی شہر کے اندر انقلاب حکومت کی جو بساط بچھائی گئی تھی اور جس قدر مہرے اس میں حرکت کرتے ہوئے نظر آتے تھے، ان میں سے ایک شخص بھی سوائے صوبہ دار خاں کے غدر کا بانی مبانی۔ یا محرک یا اس کی ابتدائی سازش کا شریک نہ تھا۔ بلکہ اس عظیم الشان فساد کی بنیاد رکھنے والے کچھ اور ہی لوگ تھے۔ جو ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے رہے۔ اور آخر وقت تک سامنے نہ آئے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ غدر کے اصلی بانی مبانی ہندو تھے یا مسلمان۔ والیان ریاست تھے یا عوام۔ فوجی تھے یا شہری اودھ کے تھے یا بنگال کے۔ جنوب کے تھے یا شمال کے۔ میرا مقصد تو صرف یہ کہنا ہے کہ مقدمہ بہادر شاہ میں جن لوگوں پر غدر کا الزام لگایا گیا ہے۔ یا جن پر غدر کرنے کا جرم عائد ہوا ان کو بانی غدر کا خطاب دینا بالکل ناجائز ہے۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ غدر میں جن لوگوں کو سزائیں دی گئیں وہ حقیقت میں مجرم نہ تھے۔ اور سب کے سب بیگناہ تھے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ غدر میں انگریزوں نے جن ہندو مسلمانوں کو سزائیں دیں۔ ان میں سے ایک حصہ اس کا مستحق تھا۔ اور کچھ ایسے تھے جو غلط فہمی کے سبب بے گناہ مارے گئے۔ میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں

ہ جن لوگوں نے غدر میں شرکت کی اور انگریزوں کے خلاف تلوار اٹھائی اور ناجائز ظلم و ستم لئے۔ اور اس کے عوض خود بھی انگریزوں کے انتقام کا شکار ہوئے۔ وہ اصلی بانی غدر نہ تھے۔ بلکہ پردہ کے پیچھے چھپی ہوئی ایک جماعت نے ان کو بھڑکایا۔ اور اس قسم کے خلاف انسانیت جرائم پر آمادہ کیا۔ اور جب انتقام کا وقت آیا۔ تو پردے میں چھپی ہوئی جماعت آرام سے محفوظ بیٹھی رہی۔ اور اس کے اشاروں پر بھڑک اٹھنے والی جماعتیں انگریزوں کے جوش انتقام سے تباہ و برباد ہوگئیں۔ آج کل سنہ ۱۹۲۰ء میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ کام کرنے والے اور لوگ ہیں۔ جن کو سب دیکھتے اور جانتے ہیں اور کام کرانے والے اور لوگ ہیں۔ جن کو نہ کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ جان سکتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ کوئی خفیہ انجمن ہے یا پوشیدہ جماعت ہے۔ نہیں بلکہ ہندو مسلمانوں اور اقوام ہندوستان کے چند پراگندہ افراد کا یہ کام ہوا کرتا ہے۔ جو اپنے اپنے شہروں۔ قصبوں اور گھروں میں بیٹھے ہوئے چپ چاپ انقلابی رَو دوسروں میں پیدا کیا کرتے ہیں۔

اور یہ بالکل نیچرل مسئلہ ہے اور قدرتاً ہر محکوم و مغلوب قوم کے اندر ایسے افراد خود بخود پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ جو ایک برس یا دو برس یا ایک صدی یا دو صدی کے بعد آخر ایک نہ ایک دن کامیاب ہو جاتے ہیں۔

غدر دہلی کے اشخاص

مقدمہ بہادر شاہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں دہلی شہر تمام باغی قوتوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اگرچہ غدر کی ابتدا میرٹھ سے ہوئی لیکن وہاں کی باغی افواج نے سب سے پہلے دہلی کا رخ کیا یہی حال اور شہروں کا تھا کہ جہاں جہاں فوجیں باغی ہوتی تھیں سیدھا دہلی کا رخ کرتی تھیں۔ کیونکہ دہلی میں مغلیہ سلطنت کے نام چار کے ایک بادشاہ موجود تھے۔ جن کو ہندو مسلمان صدیوں کی روایات کی بنا پر دلوں میں اپنا بادشاہ سمجھتے تھے

اور ان کی مجبوری و محصوری سے دل ہی دل میں کڑھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ غدر اور بغاوت کے بعد ہر شخص دہلی کا رخ کرتا تھا کیونکہ بادشاہ دہلی کو اس موقع کے لئے سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے بزمانہ غدر دہلی شہر میں سب سے بڑی شخصیت بہادر شاہ بادشاہ کی تھی۔ اور ان کے بعد ان کے بیٹے مرزا مغل اور صوبہ دار بخت خاں تھے۔ مرزا خضر سلطان یا خیر سلطان اور مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ شاہی نسل میں ہونے کے سبب باغی افواج کے عہدے دار بنا دیئے گئے تھے۔ مگر جو شخصیت مرزا مغل اور بخت خاں اور بہادر شاہ کی تھی وہ کسی اور کی نہ تھی۔ یوں ہونے کو تو مقدمہ بہادر شاہ میں سینکڑوں نام محرکین غدر کے نظر آتے ہیں۔ مگر اصلی روح رواں تمام قوتوں کے یہی تین آدمی تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تینوں میں کون سب سے زیادہ اس کی اہلیت رکھتا تھا کہ انقلاب جیسے مشکل کام کی سرپرستی اور رہنمائی کرسکتا؟ مجھے یقین ہے کہ بہادر شاہ اور ان کے بیٹے مرزا مغل میں انقلاب کی رہنمائی کا کچھ بھی مادہ و سلیقہ نہ تھا۔ البتہ بخت خاں صوبہ دار اس کی قابلیت رکھتا تھا۔ اگر اس کو بہادر شاہ اور مرزا مغل کی سی شاہانہ شخصیت حاصل ہوتی تو وہ ضرور اپنی فوجی و انقلابی لیاقت سے انگریزوں کو ہندوستان سے پورے طور پر بیدخل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ کیونکہ آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انقلابی جماعت کا وہی ایک ہونہار رکن تھا۔ اور ایک مخصوص قابلیت۔ فاتح ہونے کی اس کے اندر موجود تھی جس کو انگریزوں کی فوجی تربیت نے چار چاند لگا دیئے تھے۔ انقلاب پسند افراد میں سے صرف ایک صوبہ دار بخت خاں پردے کے باہر میدان میں آیا تھا۔ اگر کچھ اور لوگ بھی عملی کارگذاریوں کے وقت کھلم کھلا اس کے ساتھ ہوتے اور مغلوں کے شاہی خاندان کا کانٹا سد راہ نہ ہوتا تو آج ہندوستان میں بخت خاں کا بیٹا پوتا حکمراں نظر آتا۔ مگر مشکل یہ آن پڑی تھی کہ باغی افواج اور تمام ملک کو شاہی خاندان اور اس کے سرغنہ بہادر شاہ پر اعتماد تھا؟ اس کے سوا کسی اور کی سرداری وہ قبول نہ کرسکتے تھے۔ اور شاہی خاندان بادشاہ سمیت فن حرب اور تدابیر سیاسی سے قطعاً

ابلہ تھا نہ اس کے اندر مغلوں کی وہ قدیم سرفروشانہ وفاتحانہ روح باقی تھی نہ وہ جفاکشی ور محنت کے عادی تھے۔ اور نہ ایسی نازک اور مخدوش حالت کو قابو میں کرنے کی ان کے دل و دماغ میں قابلیت تھی۔

صوبہ دار بخت خاں نے بڑی گہری چال چلی تھی۔ کہ نام بادشاہ کا رہے اور کام میں ۔۔۔روں اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہادر شاہ نے بھی اس نکتہ کو سمجھ لیا تھا۔ اور اپنی کمزوری ور اپنے لڑکوں اور خاندان کی نالائقی کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ صوبہ دار بخت خاں میں ہر قسم کی قابلیت موجود ہے۔ اسی واسطے انہوں نے تمام اختیارات بخت خاں کے ہاتھ میں دیدیئے تھے۔ اور اس کو لارڈ گورنر بنا دیا تھا۔ مگر بدقسمتی سے مرزا مغل اس نکتہ کو نہیں سمجھے تھے۔ ان کو خود مختار بادشاہ بننے کا خبط ہو گیا تھا۔ وہ خیال کرنے لگے تھے کہ بہادر شاہ چند دن کے مہمان ہیں ولیعہد کمسن بچہ ہے انگریزوں کا میدان صاف ہے اب میرے سوا کون ہندوستان کا بادشاہ بن سکتا ہے؟ یہ نہ سمجھے کہ بادشاہی کانٹوں کی سیج ہے۔ اس پر سونا آسان نہیں ہے اور اس کیلئے بہت بڑی قابلیت درکار ہے۔

انجام یہ ہوا کہ مرزا مغل نے بخت خاں کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالیں اور ان سے مخالفت شروع کی اور بخت خاں بچارے پر دو حریفوں کے مقابلہ کا بوجھ ٹوٹ پڑا۔ ایک طرف انگریز تھے دوسری طرف مرزا مغل۔ اسی کشمکش میں فوجیں قابو سے باہر ہو گئیں۔ انتظام کی مشین بگڑ گئی انگریزوں نے دہلی فتح کر لی اور انقلاب کی اسکیم دھواں ہو کر اڑ گئی۔

غدر کا الزام

ان تمام حالات کو سننے کے بعد آسانی سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مقدمہ بہادر شاہ میں جن جن لوگوں پر غدر کا الزام لگایا گیا ہے وہ محض بے قصور تھے سوائے صوبہ دار بخت خاں کے بہادر شاہ نے جو تحریری بیان اپنا پیش کیا وہ ایک حد تک بالکل صحیح ہے یعنی غدر کی

سازش سے ان کو کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ اور ان کو انقلابی تحریکوں کا سرپرست ثابت کرنا بالکل ناممکن ہے۔ حضرت پیرزادے حسن عسکری صاحب کی نسبت یہ کہنا کہ انہوں نے غیبی اشارات کے سہارے بادشاہ کو غدر اور انقلاب پر آمادہ کیا۔ بالکل جھوٹ اور بہتان ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ حسن عسکری صاحب نے کچھ خواب بہادر شاہ کے سامنے بیان کئے ہونگے اور بادشاہ ان خوابوں کی تعبیر سے خوش ہوئے ہونگے لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کہ محض خواب دیکھنے کی بنا پر اور حسن عسکری صاحب کے کہنے سے بادشاہ ایک ایسے عظیم الشان انقلاب کے لئے آمادہ ہوگئے۔ کیونکہ بادشاہ کی طاقت اور عقل اور ظاہری ذرائع اس بڑے منصوبے کے سراسر خلاف تھے۔ ہر آدمی اپنے متعلق کوئی اچھا خواب سنکر یا اچھی پیشین گوئی معلوم کرکے قدرتاً خوش ہوا کرتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے۔ کہ وہ خواب اور پیشین گوئی سے متاثر ہوکر اس قسم کے احمقانہ اور خلاف عقل اشغال کیلئے بھی آمادہ ہوجائے۔ جیساکہ بہادر شاہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بالکل قرین عقل ہے کہ نذر قبر کو ایران یا ٹرکی میں بھیجا گیا ہو مگر یہ کوئی ایسا جرم نہیں ہے کہ جس کو اسباب غدر میں شمار کیا جائے۔ اگر انگریز بہادر شاہ کی جگہ ہوتے اور بہادر شاہ نے ان کے موروثی ملک پر قبضہ کرلیا ہوتا تو کیا وہ یورپ کے بادشاہوں کو مدد کا بلاوا نہ دیتے یا اس قسم کی خفیہ سفارتیں نہ بھیجتے؟ یہ ہر انسان کی فطرت ہے۔ اگر بہادر شاہ یا حسن عسکری نے ایسا کیا تو کوئی جرم کی بات نہیں کی۔ کیونکہ اسباب غدر کو ٹرکی اور ایران سے کچھ تعلق نہیں ہوا یعنی نہ ترکوں نے ہندوستان کی کچھ مدد کی اور نہ ایرانیوں نے۔ بہادر شاہ نے اپنے تحریری بیان میں اپنی سراسر مجبوری کا اظہار کیا ہے۔ ایک مقدمہ کی حالت میں ان کو ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ مگر آج جبکہ سب معاملات ختم ہوچکے ہیں ایک مؤرخ یہ رائے دے سکتا ہے کہ بہادر شاہ اگرچہ مجبوری سے باغی فوج کے ساتھ ہوئے اور ناجائز قتل و غارت کا انہوں نے کبھی حکم نہیں دیا اور ظلم و ستم سے وہ حد درجہ ناخوش تھے۔ تاہم انقلاب کی حالت دیکھکر اور انگریزوں کی شکست کے آثار محسوس کرکے اپنے تاج و تخت کی بحالی کا ان کو ضرور خیال آیا ہوگا اور

انہوں نے فوج کے مجبور کرنے کے بعد جب انقلاب کی سرپرستی قبول کی ہوگی۔ تو وہ سچے دل سے چاہتے ہوں گے کہ انگریزوں کا پوری طرح قلع قمع ہو جائے۔ اور ہندوستان میں ان کا کہیں نام و نشان باقی نہ رہے۔

مفتیان تاریخ کی نظر میں یہ خیال جرم نہیں ہے۔ ہر دور اور ہر انقلاب کے زمانہ میں یہ مسئلہ جائز قرار دیا گیا ہے۔ اگر بہادر شاہ کامیاب ہو جاتے اور انگریزوں پر کسی قسم کا مقدمہ قائم کیا جاتا تو کیا مغل دربار کا سرکاری وکیل انگریزوں کو مجرم ثابت کرنے میں انگریزی وکیل سے کچھ کم رہتا۔ یہ تو دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی ہے بھینس کی ملکیت کی ہزاروں دلیلیں وہ جمع کر سکتا ہے۔

اسلام و مسلمین

سرکاری وکیل نے جو دھواں دھار تقریر بعنوان مقدمہ پر کی ہے اس کے تمام بڑے بڑے حصوں کا جواب میں سمجھتا ہوں۔ اشاروں ہی اشاروں میں میں نے دے دیا صرف ایک چیز باقی ہے جس کو میں جداگانہ حیثیت سے رد کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ سرکاری وکیل نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ یہ غدر مسلمانوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔ اور اسلام ابتدا سے اس قسم کی ناروا سازشوں اور خونریزیوں کا حامی و مددگار رہتا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ الزام کئی وجہ سے مسلمانوں اور اسلام پر لگایا گیا ہے ایک تو یہ کہ بہادر شاہ مسلمان تھے اور تمام باغیوں کا مرکز بن گئے تھے۔ اور جس قدر ناجائز مظالم جاہل فوجیوں کے ہاتھ سے انگریز عورتوں اور بچوں پر ہوئے ان کا ذمہ دار۔ دوسرا بہادر شاہ کے سوا دوسرا کون تھا دوسری وجہ یہ کہ فاتح قوم کو زیادہ کھٹکا مسلمانوں کا رہتا تھا۔ کیونکہ ملک مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے لیا گیا تھا اور ہندوستان کی دیگر غیر مسلم اقوام کے مقابلہ میں مسلمان ہی سب سے زیادہ حاکمانہ دماغ بھی قوتیں رکھتے تھے۔ تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ سرکاری وکیل ہندوستان کے اتحاد کو

برٹش گورنمنٹ کے قبضے اور تفرقہ ہندوستان کے خلاف سمجھتا تھا۔ اور شاید امن قائم رکھنے کی ضرورت ہی اس امر کی متقاضی تھی کہ ہندو مسلمانوں کے اتفاق میں تفرقہ ڈالا جائے۔ اور وہ جب ہی ہو سکتا تھا کہ ایک فریق کی جانب داری ہو اور دوسرے پر الزامات رکھ دیئے جائیں۔ میں ان تمام وجوہات کو پیش نظر لانے کے بعد سرکاری وکیل کی آتش بیانی کو معاف کر دینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور جیسے جیسے الزام مسلمانوں اور اسلام پر لگائے اور جیسا سخت لہجہ اختیار کیا وہ اگرچہ صداقت کے اعتبار سے بالکل کمزور اور بودا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم ایک ایسے وقت جبکہ انگریزوں کے دلوں کے زخم ہرے تھے غدر نیا نیا ہو چکا تھا۔ انگریزوں کو اپنی عورتوں اور بچوں کی دردناک داستانیں یاد تھیں تیموریہ اقبال بحالت اسیری بحیثیت مجرم عدالت کے کٹہرہ میں حاضر تھا۔ سرکاری وکیل اگر ایسی غمناک تقریر نہ کرتا تو میں سمجھتا کہ وہ آدمی نہیں پتھر تھا۔ انسان جب مایوس ہو جاتا ہے۔ یا تو اسوقت زبان درازی کرتا ہے اور یا جب ہر خطرہ سے محفوظ ہو جاتا ہے تب اس قسم کی باتیں کرنے کی جرأت اس کو پیدا ہوتی ہے۔ البتہ موجودہ نسلوں کیلئے یہ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سازش اور بغاوت کا حامی نہیں ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں جس قسم کے ناجائز واقعات پیش آئے اسلام نے کہیں بھی ان کی اجازت نہیں دی۔ تیرہ سو برس سے آجتک تاریخ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کرتی کہ اسلام کی اجازت سے اس قسم کی کوئی حرکت کی گئی ہو جیسی غدر ۱۸۵۷ء میں پیش آئی۔ البتہ مسلمانوں کے ذاتی افعال کا اسلام ذمہ دار نہیں ہے اگر کوئی مسلمان شراب پیئے زنا کرے چوری اور جوے کا ارتکاب اس سے سرزد ہو تو اس کا جواب وہ اسلام نہیں ہوگا بلکہ مسلمانوں کی بشری اور نفسانی سرشت پر اس کا الزام رکھا جائیگا۔ کیونکہ کوئی مذہب کسی آدمی کو سراسر بےنفس بنا دینے کا دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی عیسائی کسی کے چہرہ پر ظلم کا ایک طمانچہ مارے یا جبر سے کسی کو بیگار میں پکڑ کر لیجائے تو کیا اس کا الزام عیسائیت پر لگایا جاسکیگا؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں کیونکہ عیسائی مذہب تو یہ سکھاتا ہے کہ اگر کوئی تیرے رخسار پر

ب طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کے آگے کر دے کہ ایک اور مار لو۔ اور اگر تجھکو کوئی ایک میل
یگار میں لیجائے تو دو میل اس کے ساتھ چلا جا۔

بہر حال سرکاری وکیل کی پر جوش تقریر پہ یہ حاشیہ کافی سمجھا جائیگا۔ اور یہ سمجھنے
ں کچھ دشواری نہ ہوگی۔ کہ سرکاری وکیل نے اسلام پر جس قدر الزام لگائے وہ سب غلط اور
انی جوش کا نتیجہ تھے۔

حضرت حسن عسکری رحمتہ اللہ علیہ

مقدمہ بہادر شاہ میں پیرزادے حضرت حسن عسکری کا جگہ جگہ ذکر آیا ہے اور مقدمہ کی
ضرورت سے ان کا چال چلن مشتبہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے ناظرین کتاب ہذا کے سامنے
ں صداقت سے شہادت دینی چاہتا ہوں کہ وہ بزرگ بالکل بے عیب اور پاک نفس تھے بادشا
رجو رسوخ ان کو حاصل تھا وہ ان کی جان لینے کا باعث ہوا۔ جناب نواب محمد خضر صاحب دہلوی
شنر تحصیلدار نے اپنے والد مرحوم کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت حسن عسکری کی صورت ایسی
ورانی تھی کہ جو ان کو دیکھتا تھا مسخر ہو جاتا تھا وہ حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی کے
لیفہ تھے نواب خضر صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے والد نے مجھ سے ارشاد کیا کہ بیٹا
گر تم حضرت حسن عسکری کو دیکھتے تو تم کو یہ خیال ہوتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی صحابی
بارہے ہیں۔

افسوس ہے کہ حضرت حسن عسکری کو پھانسی دیدی گئی اور آج ان کا ذکر نامناسب الفاظ
ں کیا جاتا ہے۔ مگر دنیا کا انصاف اور ہندوستان کی اقوام حضرت حسن عسکری کے نام کو ہمیشہ عزت
ے ساتھ یاد رکھینگی۔

حکیم احسن اللہ خان صاحب مرحوم

مقدمہ بہادر شاہ میں حکیم احسن اللہ خانصاحب کا نام جگہ جگہ آیا ہے اور انکی شہادت

تمام مقدمہ کی جان ہے وہ دہلی کے ممتاز رئیسوں میں تھے طبی اور دینی معلومات اعلیٰ درجہ کی رکھتے تھے۔ مدبری میں ان کے دماغ کو خاص دستگاہ حاصل تھی۔ ان کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے دور اندیش شخص تھے۔ اور انہوں نے باغی افواج کے ابتدائی طرز عمل سے سمجھ لیا تھا کہ ان کا انگریزوں کے سامنے ٹھیرنا ناممکن ہے اور وہ وقت بہت جلد آنیوالا ہے جبکہ انگریز دہلی کو فتح کرلیں گے اور ہندوستان پر ان کا پورا تسلط ہو جائیگا۔ اس واسطے انہوں نے اپنی پالیسی یہ مقرر کی کہ ایک طرف بادشاہ کو نیک صلاحیں دیتے رہے اور دوسری طرف انگریزوں سے بھی خفیہ میل جول قائم رکھا اور یہی وجہ ہوئی کہ باغی افواج نے ان کو انگریزوں کا آدمی سمجھکر قتل و قید کا کئی مرتبہ ارادہ کیا۔ اور ان کا گھر بھی لوٹا گیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ غدر سے لیکر آجتک دہلی میں ان کا نام نہایت نفرت وحقارت سے لیا جاتا ہے۔ اور بہادر شاہ کے نام سے چند اشعار جگہ جگہ پڑھے جاتے ہیں جن میں حکیم احسن اللہ خاں کو بہادر شاہ نے یہودی کہا ہے اور ان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے۔

بچپن میں میں نے خود اپنے والدین سے خصوصاً والدہ صاحبہ سے حکیم احسن اللہ خان کے خلاف بہت سخت اور بری بری روایتیں انگریزوں کی تائید کی سنی تھیں مگر آج جب میں نے مقدمہ بہادر شاہ کو پڑھا تو اپنا نا میری رائے یہ ہوگئی کہ حکیم احسن اللہ خاں مسلمانوں اور ہندوستان اور بہادر شاہ کے غدار نہ تھے۔ انہوں نے جو کام کیا ملک وقوم کی ہمدردی کی وجہ سے کیا۔ اس میں ان کی ذاتی غرض کو کچھ دخل نہیں تھا۔ تمام الزامات کی تردید ان کی شہادت کرتی ہے جو شخص حکیم صاحب کے بیان کو غور اور انصاف سے پڑھے گا وہ فوراً سمجھ جائیگا۔ کہ حکیم صاحب نے نہایت عقلمندی سے بادشاہ کو اور مسلمانوں کو الزامات بغاوت سے بچانے کی کوشش کی ہے اگر وہ انگریزوں کے دوست اور ملک وقوم کے دشمن ہوتے تو ان کی شہادت سراسر سرکاری وکیل کے حسب منشا ہوتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا بڑا حصہ استغاثہ کے خلاف ہے۔ کہا جائیگا کہ شہادت کے بعض حصے مجرموں کے خلاف بھی پائے جاتے ہیں۔ میں اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ اور انہی حصوں نے مجکو

حکیم صاحب کی ایمانداری کا قائل کیا۔ کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ ایمان اور سچائی سے کہتے ہیں ایک طرف انہوں نے بادشاہ اور شاہی خاندان کو بناوٹی الزامات سے صاف کیا دوسری طرف جو اصلی قصور تھے ان کا بھی اقرار کر لیا۔ تو کیا انصاف سے آنکھ بند کر لی جائے! اور کیا انقلاب پسندوں کے کسی ایسے جرم کو جو ان سے سرزد ہوا بیان نہ کیا جائے۔ اور کیا غدر ۱۸۵۷ء میں باغیوں سے جرائم سرزد نہ ہوئے تھے۔ مجھے امید ہے کہ دہلی کی موجودہ نسل اور آنیوالی نسلیں حکیم احسن اللہ خاں کے ساتھ آئندہ عناد اور نفرت کو دلمیں نفرت باقی نہ رکھینگے کہ مقدمہ بہادر شاہ کی شہادت نے ان کو ملک و قوم کا اصلی دوست ثابت کر دیا۔

بہادر شاہ کے اشعار جو حکیم صاحب کی ہجو میں پڑھے جاتے ہیں یا جو عام چرچے انکے خلاف کئے جاتے ہیں۔ ان کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ اشعار بہادر شاہ نے نہ کہے ہوں یا ممکن ہے کہ ان کو بھی کسی نے حکیم صاحب کی طرف سے بہکا دیا ہو۔ اور عوام کی شہرت تو کسی اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ یہ تو ہمیشہ بات کا بتنگڑ بنا لیا کرتے ہیں۔ ان کے دربار میں اکثر بے گناہ کو گناہگار اور گناہگار کو بیگناہ بنا یا جا چکا ہے جس کی مثالیں آجکل بھی ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ جو لوگ حکومت سے ساز باز رکھتے ہیں۔ ان کو پبلک کا خیرخواہ سمجھا جاتا ہے اور جو پبلک کے خیرخواہ ہیں ان کو حکومت کا خوشامدی خطاب ملتا ہے۔

زینت محل بیگم صاحبہ مرحومہ

یہ بہادر شاہ بادشاہ کی چہیتی بیوی تھیں۔ مرزا جواں بخت انہیں کے لڑکے تھے جن کی شادی دہلی میں نہایت دہوم دھام سے ہوئی تھی اور جن کے سہرے لکھنے میں "غالب اور ذوق" کی چشمک کے افسانے شمس العلماء آزاد نے آبحیات میں لکھے ہیں۔ ایام غدر میں ان پر بھی شبہ کیا گیا تھا کہ انگریزوں سے ملی ہوئی ہیں اور انگریزوں نے ان سے جواں بخت کو بادشاہ بنانے کا وعدہ دیکر اپنی طرف ملا لیا ہے۔ اسی واسطے باغیوں نے کئی مرتبہ بہادر شاہ سے یہ مطالبہ کیا

ینت محل ہمارے سپرد کردی جائیں۔ تاکہ ہم ان کو اس جرم کی سزا دیں جیسا کہ بادشاہ نے اپنے
نامیں خود لکھا ہے۔

مگر مقدمہ کی روئداد سے اور انگریزوں کے ان خطوط سے جو غدر کے زمانہ میں ان کے آپس
آتے جاتے تھے۔ اور جن کو حاصل کر کے میں نے چھاپ دیا ہے کہیں زینت محل کے ساز و باز
شارہ نہیں پایا جاتا۔ اور دشمنوں نے ان کی لنسبت عداوت سے یہ بے پر کی خبر اڑا رکھی تھی سب
ڑا ثبوت انگریزوں سے سازش نہ رکھنے کا یہ ہے کہ غدر کے بعد انکے رہنے کا مکان مہاراجہ پٹیالہ کو دیدیا
وآجتک ریاست پٹیالہ کے قبضہ میں ہے اور فراشخانہ کے وسط میں یہ عمارت اب بھی موجود ہے اس کا
اٹک لب سڑک نظر آتا ہے جس کے اوپر بہادر شاہ کی کہی ہوئی اور خاص ان کے ہاتھ کی لکھی
ی تاریخ کندہ ہے۔ اگر زینت محل انگریزوں سے ساز باز رکھتی ہوتیں تو ان کے رہنے کا مکان
بردں کو نہ دیا جاتا۔ یا ان کے اور ان کے بچوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک ہوتا جیسا کہ مرزا
ہی بخش کے ساتھ کیا گیا۔

مرزا الٰہی بخش صاحب مرحوم

مجھے تعجب ہے کہ مقدمہ بہادر شاہ میں مرزا الٰہی بخش صاحب کا نام کہیں نہیں آیا۔ حالانکہ
ہوں نے انگریزوں کی بڑی مدد کی تھی جس کے صلہ میں غدر کے بعد بارہ سو روپے ماہوار ان کی
ن مقرر کی گئی اور جو ان کے تین لڑکوں مرزا سلیمان جاہ۔ ثریا جاہ۔ اقبال شاہ کو تقسیم ہو کر ملتی
ہی اور اب ان کی اولاد کو مل رہی ہے۔ تیموریہ خاندان کے جتنے لوگ دہلی میں سرکاری نشان سے
رزا الٰہی بخش صاحب کا خاندان ان لوگوں کا سرو ہر اسمجھا جاتا ہے۔ جو روایتیں مرزا الٰہی بخش
صاحب کی نسبت انگریزوں سے ساز باز کرنے کی مشہور ہیں۔ میں ان کو لکھنا نہیں چاہتا۔ اس
اسطے کہ مقدمہ ہذا کی مسل میں مرزا الٰہی بخش صاحب کا نام ہی کہیں نہیں آیا۔ لہذا میں
ہی سکوت اختیار کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

بہادر شاہ مرحوم

بہادر شاہ کا کیریکٹر اس کتاب اور اس کے حصوں سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے لیکن
ات ایسی ہے جس کی نسبت میں بھی اشارہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حالت اسیری میں
ح دماغ رکھتے تھے اور مقدمہ میں ان کی جرح خاص قانونی نکتوں پر ہوتی تھی حالانکہ بیٹوں
توں کی ہلاکت اور بڑھاپے میں اپنے گھر بار کی تباہی کے بعد کوئی بوڑھا آدمی اپنے حواس
یں رہ سکتا۔ مگر بہادر شاہ کی خصوصیت قابل تعجب ہے کہ وہ آخر وقت تک مضبوط رہے
رمہ میں ایسی جرح کی کہ گواہ لاجواب ہو ہو گئے۔ بعض ہندو اور انگریز گواہوں سے جو جرح
نے ان کے بیان کو بناوٹی ثابت کرنے کے لئے گرفت نما انداز سے کی وہ معمولی دل و دماغ
ں نہیں کر سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہوش و حواس کی یہ سلامتی ایک حد تک ان کو غدر کا شریک
رتی ہے۔ اگر موقع خلاف نہ ہو جاتا تو بہادر شاہ ضرور انقلاب سے فائدہ اٹھا سکتے تھے اور
ہمانی کمزوری کے ان کے دماغ میں صلاحیت حکمرانی کی موجود تھی۔

میرزا مغل مرحوم

بہادر شاہ کے بیٹے تھے جن کو باغی افواج کا کمانڈر بنایا گیا تھا۔ انہوں نے کوئی کام
ہ کیا جس سے ان کی فوجی قابلیت یا ملکی مدبری کا ثبوت مل سکتا۔ بلکہ وہ صوبہ دار خان
موں میں رخنہ انداز ثابت ہوئے۔ اور انہی کی ضد اور جاہ پسندی نے انگریزوں کو
ہ قبضہ دہلی کا موقع دیا۔ اس واسطے ملکی نظر میں وہ قابل ملامت اور سرکاری نگاہ میں قابل
ہ کیے جا سکتے ہیں۔

